تاریخی و ادبی مطالعے

عالی جناب محترم پروفیسر ہمایوں کبیر بالقابہ وزیر حکومت ہند کی خدمت میں

نذیر احمد

۱۶۔ اگست سنہ ۶۲ء

تاریخی و ادبی مطالعے

نذیر احمد

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تاریخی و ادبی مطالعے

نذیر احمد

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

مصنف نے مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ سے شائع کیا

قیمت چار روپے

علی گڑھ ۱۹۶۱

فہرست

باسمه تعالیٰ

پیش لفظ

اس مجموعے میں جو مقالے شامل ھیں، ان میں پہلا ۱۹۵۷ میں اور تیسرا ۱۹۵۸ میں لکھا گیا تھا، بقیہ چھ نئے ھیں - یہ سب جولائی ۱۹۶۰ تا اکتوبر ۱۹۶۱ اسی ترتیب سے علی گڑھ کے تین رسالے، « فکرونظر » « مجلۂ علوم اسلامیہ » اور « علی گڑھ میگزین » میں چھپے ھیں - چونکہ رسالوں کی طباعت کے ساتھ ساتھ یہ مجموعہ تیار ھوا اس بنا پر ان مقالوں میں کسی خاص قسم کی ترتیب و تنظیم قائم نہیں کی جاسکی ھے -

ان مقالوں کی افادیت و اھمیت کا اندازہ پڑھنے ھی سے ھوگا - البتہ ایک امر کا ذکر ضروری ھے - جن موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ھے وہ اھم اور نئے ھیں، اور تاریخ اور ادب کے کسی نہ کسی گوشے کو اجاگر کرتے ھیں - یہ مطالعے کافی بالذات نہیں، ان سے صرف راستے کی نشاندھی ھوتی ھے اور کام کرنے والوں کے لئے نیا موضوع فراھم ھوتا ھے -

پہلا مقالہ ھندوستان کی تہذیبی سلسلے کی ایک اھم کڑی ھے - عھد اکبری کی مذھبی تحریک دین الہی، نقطوی تحریک سے متاثر ھوسکتی ھے لیکن بڑے تعجب کی بات ھے کہ اب تک کسی مورخ نے اس طرف توجہ نہیں کی، اور اس اعتبار سے یہ موضوع ھندوستان کے لئے بالکل اچھوتا سا ھے - اس مقالے سے یہ بھی اندازہ ھوجائے گا کہ شعرا کے دیوان اور ان کے تذکرے تہذیبی و تاریخی مطالعے میں اھم ماخذ کا کام کرتے ھیں۔

دوسرے مقالے سے اندازہ ھوگا کہ کس طرح اھم دستاویز اور دوسرے قلمی ذخائر تیزی سے تلف ھوتے جارھے ھیں، ان کے محفوظ کرنے کی اشد ضرورت ھے کیونکہ ان کے بغیر سیاسی و تہذیبی تاریخ مرتب نہ ھو سکے گی -

تیسرے مقالے سے واضح ھوجائے گا کہ فارسی کا مستقبل ھندوستان میں تاریک نہیں ھے - تہذیبی اور علمی سطح پر اس زبان کی شدید ضرورت ھے- فارسی سے بےتوجہی میں ھندوستان کے علمی و ادبی معیار کی پستی کا راز مضمر ھے - لاکھوں قلمی نسخے اور دوسرے کاغذات و دستاویزات جو ملک کا سب سے بڑا تہذیبی ورثہ و سرمایہ ھے، ان کو کیونکر نظرانداز کیا جاسکتا ھے - البتہ ایسے افراد کی تربیت ضروری ھے جو ملکی و قومی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر اس سرمائے سے استفادہ کرسکیں -

چوتھے مقالے میں تاریخ گجرات کے ایک نادر مسودے کا تعارف ھے - اس تاریخ کی دریافت سے ھمارے تاریخی مواد میں ایک قابل توجہ اضافہ ھوا - سلاطین گجرات کی تاریخ پیچیدہ اور الجھی ھوئی ھے، اس نئی تاریخ سے ممکن ھے وھاں کی تاریخی گتھی کچھ سلجھ جائے -

پانچویں مقالے سے اندازہ ہوگا کہ تحقیق متن کا مسئلہ کتنا پیچیدہ اور دشوار ہے - دیوان حافظ پر اتنا زیادہ کام ہونے کے باوجود ابھی یہ کام اپنی آخری منزل پر نہیں پہنچا ہے - ڈاکٹر قاسم غنی اور مرزا محمد قزوینی کا ترتیب ہوا نسخہ نہایت معتبر سمجھا جاتا ہے لیکن اس مقالے سے معلوم ہو جائے گا یہ بھی ناقص و نامکمل ہے اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ مرزا محمد قزوینی جیسے فاضل ادیب نے کسی شاعر کے کلام کے قابل اعتناء ہونے کا جو معیار مقرر کیا ہے وہ ہر طرح کے سقم سے پاک نہیں -

چھٹے مقالے سے واضح ہوگا کہ صرف ایک شخص واحد کا علمی شوق کتنے بڑے کتابخانے کے قیام کا موجب ہوسکتا ہے - کتابخانۂ حبیب گنج کے ذخائر پر نظر ڈالنے سے ایک طرف تو نواب صدر یار جنگ مرحوم کے علم و فضل اور کثرت مطالعہ کا اندازہ ہوگا اور دوسری طرف کام کرنے والوں کے لئے نئے نئے موضوع بہم پہنچیں گے - اس کتابخانہ میں اچھی خاصی تعداد میں ایسے نوادر ہیں، جن سے استفادہ کے بغیر فارسی ادب کے متعدد گوشے تاریک رہیں گے -

ساتویں مقالے میں اردو ادب کی ایک اہم خصوصیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے - اردو ادب پر اسلامی تہذیب کی یقیناً گہری چھاپ ہے لیکن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ تہذیب خود زرتشتی تہذیب سے اتنی متاثر ہے کہ ان دونوں عناصر کو الگ کرنا آسان نہیں ہے - اس مقالے میں اردو ادب کے زرتشتی و قدیم ایرانی عنصر کی نشاندہی کی گئی ہے - یہ اہم اور دلچسپ موضوع ہے جو ہماری خصوصی توجہ کا محتاج ہے اور جس کے عمیق مطالعے کے بغیر ہمارے بعض ادبی و تہذیبی مسائل حل نہیں ہوسکتے -

آخری مقالے میں کتابخانۂ حبیب گنج کے ایک نادر مخطوطے کا تفصیلی تعارف ہے، اس کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ صرف ایک قلمی نسخے سے تاریخ ادب میں کتنا قیمتی اضافہ ہوسکتا ہے - بادی النظر میں ہمیں شاید اس کا پورا احساس نہو، اس لئے کہ ابھی ہم اس منزل میں نہیں پہنچے ہیں جہاں متن کی تحقیق میں دواوین سے بڑھکر تاریخوں، فرہنگوں، تذکروں، بیاضوں وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے - اس مقالے سے ایک طرف تو بیاضوں کی اہمیت واضح ہوگی اور دوسری طرف بیسیوں شاعروں کا نیا کلام ہاتھ آئے گا، اور جیسا کہ معلوم ہے اس طرح کی کتابوں میں دیوان کے مقابلے میں ترمیم و تنسیخ کا عمل کم ہوتا ہے، اس بنا پر شاعروں کے کلام کی تصحیح و تحقیق میں ان سے بڑی مدد مل سکتی ہے -

نذیر احمد

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ع

فرقۂ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر

فرقۂ نقطوی جو ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے ، ایران اور ہندوستان دونوں ملکوں کی بعض اہم تحریکوں پر اثرانداز ہوا ہے - اس فرقہ کی بنیاد ایران میں نویں صدی ہجری کے بالکل ابتدا میں پڑی - رفتہ رفتہ اس نے بڑا زور پکڑا ، یہاں تک کہ دسویں اور گیارویں صدی میں ایران اور ہندوستان میں اس فرقہ کے پیروون کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی - اس فرقہ کو دین حروفی سے بڑا گہرا رشتہ ہے - تیمور لنگ (م : سنہ ۸۰۶ ھ) کے دور حکومت میں فضل اللہ استرآبادی (م : سنہ ۷۹۶ ھ) نے « حروفی » فرقے کی بنیاد ڈالی لیکن اس عہد کے اختتام کے بعد ہی « حروفیوں » کا زور گھٹ گیا - چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے بعد کی تحریروں میں اس فرقہ کا ذکر بہت ہی کم پایا جاتا ہے - اس کے بجائے نقطوی فرقہ زور پکڑتا ہے اور کئی صدی تک نہ صرف ایران بلکہ ہندوستان اور ترکی بھی اس تحریک سے متاثر رہتے ہیں -

نقطوی تحریک کا بانی محمود پسیخانی گیلانی تھا - پسیخان گیلان میں ایک گاؤں[1] ہے جو فومن جانے والی سڑک کے کنارے دشت سے سات[2] کلومیٹر مغرب میں واقع ہے - ظہیر الدین مرعشی نے « تاریخ گیلان و دیلمان » میں اور عبدالفتاح فومنی نے « تاریخ گیلان »[3] میں کئی بار پسیخان کا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ اسی شکل میں اسکا

---

(۱) « جغرافیای ایران » جلد ۲ ص ۵۲ .

(۲) ص ۸۰ ، ۲۸۳ وغیرہ .

(۳) ص ۵۳ ، ۵۷ ، ۶۷ وغیرہ .

نام لیا ھے - لیکن دھخدا نے «لغت نامه[1]» میں «جغرافیاے سیاسی ایران[2]» کے حوالے سے پسیخان کو گیلان کا ایک دریا بتایا ھے جو موازی اور فومن کے بیچ سے گزرتا ھے - ان کے علاوہ جن جن ماخذوں میں محمود پسیخانی کا ذکر ملتا ھے ان میں اکثر مقامات پر اسکی مختلف صورتیں مثلاً مسجوان ، بسخوانی ، بسخانی ، بساخانی ، فساخانی ملتی ھیں - لیکن ان میں تقریباً سب کتابت یا طباعت کی غلطیاں ھیں - اصل صورت پسیخان اور پسیخانی ھی ھے -

محمود پسیخانی سیاح تھا اور بقول اپنے ایک مرید[3] کے اس نے اپنی سیاحت کا سلسلہ بیت المقدس سے شروع کیا اور بیشتر روے زمیں کا سفر کرڈالا - آخر میں استرآباد آیا اور یہیں سنہ ۸۰۰ ھ میں اس نئے مذھب کا اعلان کیا - محمود نے مدتوں فضل استرآبادی بانی دین حروفی کے سامنے زانوے ادب ته کیا ، لیکن بعد میں دونوں میں اختلاف ھوگیا اور فضل نے اسکو اپنے یہاں سے نکال دیا - اس بنا پر محمود بعض تحریروں میں مردود و مطرود کی نسبت سے یاد ھوا ھے - مثلاً گیارھویں صدی ھجری کے ایک تذکرہ «عرفات عاشقین»[4] میں اسکا ذکر اسطرح ملتا ھے :

«محمود مطرود پسیخانی از جمله مریدان فضل بوده گویند محمود را بسبب انانیت از درِ خود رانده مردود نمود و از نظر انداخت و او در برابر حرف وے از نقطه کارخانه پر داخت و خود را مطرود و ملعون ازل و ابد ساخت ، غرض که وے بعد از آن که از مجلس او رانده شد هزار ویک رساله و شانزده جلد کتاب چنانچه نزد امناے او متداول است ، پرداخت »

محمود کچھ زمانہ تک شمالی ایران میں رود ارس[5] کے کنارے بھی اقامت گزیں رھا ھے - وہ بڑا متقی اور پرھیزگار تھا - اس نے تمام عمر شادی نہیں کی - اسکی وفات سنہ ۸۳۲ ھ[6] میں واقع ھوئی - بعض بیان سے ایسا معلوم ھوتا ھے که اس

---

(۱) جزو «پ - پلاته» (۱۳۲۸) صفحه ۳۵۷ ، ستون دوم . (۲) تالیف آقاو کیہان ص ۲۷۵ .

(۳) «نقطویان» ص ۷۳ . یه تحریر خود محمودکی ھوسکتی ھ، اتنا تو مسلم ھوکه مصنف محمود کا ھم عصر ھ .

(٤) ذیل حالات فضل‌الله استرآبادی . (۵) دبستان مذاهب صفحه ۳۰۳ .

(٦) «تاریخ الفی» میں سنه ۹۸۳ ھ کی ذیل میں محمود کی وفات ۱۵۰ سال قبل بتائی گئی ھ - بظاھر صحیح تاریخ ۹۸۲ ھجری ھوگی اس لئی که اس کی فوراً ھی پہلی سنه ۹۸۱ ھ کی واقعات درج ھیں - اس حساب سی وفات کی تاریخ ۸۳۲ ھجری ھوگی - مگر ڈاکٹر کیا نی ۸۳۱ ھجری بتائی ھی - («نقطویان یا پسیخانیان» صفحه ۵)

نے اپنے جسم پر تیزاب چھڑک کر خودکشی[1] کرلی، مگر محمود کے پیرو اس بیان کو دشمنوں کی افترا پردازی[2] پر محمول کرتے ھیں -

اس سے زیادہ ھم کو نہ محمود کی زندگی کا حال معلوم ھے اور نہ اس کے مریدوں اور پیروؤں کا جن کی کوشش سے یہ فرقہ دسویں اور گیارھویں صدی ھجری میں اتنا پھیل گیا تھا -

نقطوی مذھب والوں کو حسب ذیل ناموں سے یاد کیا گیا ھے -

(۱) نقطوی و نقطئی واھل‌نقطہ - اس کی وجہ یا تو یہ ھے کہ محمود کے نزدیک ھر چیز کی تخلیق خاک سے ھوئی ھے اور وہ خاک کو نقطہ کہتا ھے، یا یہ کہ اس نے مطالب قران کو اپنے خیال و بیان کے ساتھ مطابقت کرنے میں حرفوں اور نقطوں کی تعداد سے مدد لی ھے -

(۲) واحدیہ و امناء - اس کی وجہ یہ ھے کہ نقطویوں میں جس نے شادی کی وہ امین اور جس نے شادی نہیں کی وہ واحد کہلاتا ھے - اس مذھب میں تجرد کی زندگی پر بڑا زور دیا گیا ھے - چنانچہ محمود نے ایسی ھی زندگی بسر کی -

(۳) پسیخانیان یا پسیخانیھا و محمودیہ - یہ نام بانی فرقہ کے نام اور وطن سے مستفاد ھے -

(٤) ملاحدہ - یہ نام مسلمانوں نے دیا تھا، اس‌لئے کہ مسلمانوں کے عام عقائد یعنی خدا، قیامت، بھشت و دوزخ، فرشتے، جزا و سزا وغیرہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا - وہ انسان کامل کی پرستش کرتے اور اس کو «مرکب مبین» کہتے تھے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ «مرکب مبین» ھی خدا ھے - یہی وجہ ھے کہ مسلمانوں کے ھر فرقہ کے نزدیک نقطوی ملحد اور ان کا مذھب الحاد تھا -

(٥) تناسخیہ یا اھل تناسخ - نقطویوں کے نزدیک ھر چیز کے ذرات ھر وقت موجود رھتے ھیں اور اپنی شکل و صورت بدلتے رھتے ھیں - ایک ھی چیز کبھی سنگ و خاک ھے تو کبھی حیوان اور کبھی وھی شکل انسانی اختیار کر لیتی ھے - ھر چیز کی خو بو سے بتایا جا سکتا ھے کہ اس کی اس سے پہلے کیا شکل تھی - یہ تشخیص «احصاء» اور تشخیص کرنے والا «محصی» کہلاتا تھا -

---

(۱) دیکھئے «دبستان مذاھب» ص ۳۰۳ -

(۲) «دبستان مذاھب» اور «تاریخ خلد برین» میں شاہ عباس کو عھد کر قتل عام کو ضمن میں اسی طرح کا بیان پایا جاتا ھو - نقطویوں کا یہ قتل عام ۱۰۰۲ ھ میں واقع ھوا تھا -

(٦) اھل زندقه - اس کی غالباً وجه یه ھے که محمود نے قران کی تفسیر میں ایسے حیرت انگیز انکشافات و تاویلات کئے ھیں جو عقائد اسلامی کے خلاف[1] ھیں - محمود کو مختلف ناموں[2] سے یاد کیا گیا ھے جن میں مبین، مبین اول و آخر، مبین کل و کلیات، شمس، شمس مغربی، و من عنده علم الکتاب، آدم، شخص آخر، خاتم ظھور و احکام، منشی کونین، فاتح عرب و عجم، امام قبلتین، جامع اول و آخر، ناقل ایمان جمله، خاص طور پر قابل ذکر ھیں -

محمود نے فضل کی طرح مھدی موعود کا دعویٰ کیا تھا - وہ کہتا تھا که دین اسلام اور دور عرب ختم ھوگیا - اب اس کا لایا ھوا دین حق اور اس کی بتائی ھوئی راہ سیدھی ھے - یه دور عجم ھے اور اس کی مدت آٹھه ھزار سال ھوگی اور اس مدت میں آٹھه مبین ھوں گے جن میں پہلا وہ خود ھے -

جیسا که ذکر ھوچکا ھے محمود نے سوله کتابیں[3] اور ایک ھزار رسالے جداگانه عنوان سے لکھے - ان میں سے چند رسالے ھم تک پہنچے ھیں - اس کے بعض مریدوں اور پیرووں نے کچھه کتابیں لکھی ھیں لیکن ان میں سے کوئی ھماری دسترس میں نہیں - ڈاکٹر صادق کیا[4] حسب ذیل کتابوں کی دریافت میں کامیاب ھوئے ھیں -

(۱) نقطوی متن - اوراق ۱۸۸، کتاب کا عنوان اور موالف کا نام ندارد - لیکن اتنا یقین ھے که یا تو یه محمود کی تصنیف ھے یا اس کے کسی ھمعصر مرید کی کیونکه اس کی تکمیل کا سنه ۸۲۰ ھجری یعنی محمود کی وفات کے گیارہ، بارہ سال قبل ھے - یه کتاب فکر و بیان دونوں اعتبار سے حروفیوں کی تحریروں کے مطابق ھے اور اس سے یه بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ھے که محمود اولاً حروفی فرقه سے وابسته رھا ھے -

(۲) «مفاتیح» - ۲۴۶ ورق کی اس کتاب کا ایک نسخه کتابخانۂ ملک تہران میں موجود ھے - ڈاکٹر صادق کیا نے ان دونوں کتابوں کا اقتباس «نقطویان یا پسیخانیان» میں دیا ھے -

---

(۱) «عرفات عاشقین» نسخۂ بانکی پور (ورق ۱۶۵ الف) میں میر تشبیہی کاشی کو «ملامتی» کہا گیا ھو اور دوسری تمام جگھوں پر وہ «نقطوی» بتایا گیا ھو، اس سو خیال ھوتا ھو که «ملامتی» سو مراد نقطوی ھی ھو - اس قیاس کی صحت کو بعد نقطویوں کی نام کی فہرست میں «ملامتی» کا بھی اضافه ھوگا -

(۲) «نقطویان یا پسیخانیان»، ص ۷۵

(۳) «عرفات عاشقین» ذیل حالات فضل استرآبادی ایکن «دانشمندان آذربائجان» صفحه ۳۱۶ میں کتابوں کی تعداد ۱۷ بتائی گئی ھو -

(٤) «نقطویان یا پسیخانیان» صفحه ۱۲ - ۷۳ - ۱۲۶

(۳) عبدالقادر بدایونی نے محمود کے ایک رسالہ کا دیباچہ ابوالفضل کے یہاں ایک نقطوی شاعر میر تشبیہی کاشی کے پاس دیکھا تھا - بدایونی نے اپنی کتاب «منتخب التواریخ[1]» میں یہ دیباچہ نقل کیا ھے -

(٤) «میزان محمود» - سید محمد طباطبائی کے کتابخانے میں ایک نسخہ موجود ھے -

(٥) «تفسیر خیرالبیان» کا ایک نسخہ سید محیط طباطبائی کے کتابخانے میں ھے -

(٦) چند نقطوی رسالے اسماعیل افشار کی ملکیت میں ھیں -

(۷) چند نقطوی رسالے سید نصراللہ تقوی مرحوم کے کتابخانے میں ھیں -

(۸) محمود کے بعض رسالے گیلان میں ھیں -

(۹) ایک نقطوی تحریر شیخ مفید کے پاس شیراز میں ھے -

(۱۰) ایک دوسری نقطوی تحریر کتابخانۂ آستانۂ قدس مشھد میں ھے -

محمود کی زندگی اور نقطوی مذھب کے عقائد و اصول کے قابل ذکر ماخذ حسب ذیل ھیں -

(۱) «دبستان مذاھب» - اس کے مولف نے نقطویوں کے متعلق سب سے زیادہ اھم معلومات بھم پہنچائی ھیں - بعد کے مولفوں نے اسی ماخذ سے بیشتر استفادہ کیا ھے - دبستان[2] میں نقطوی فرقہ کے بارے میں حسب ذیل اطلاع ملتی ھے -

«تعلیم ھشتم در عقیدۂ واحدیہ و امناء مشتمل بر چھار نظر - نظر اول در ظھور شخص واحد یعنی محمود و حقیقت جسد او، نظر دوم در بعضے از اعتقادات شخص واحد، نظر سوم در بعضے اقوال او . . . نظر چھارم در بعضے از مقررات و اصطلاحات و حکایات ایشان» -

نظر اول - محمود پسیخان کا باشندہ اور عالم، متقی اور پرھیزگار تھا سنہ ۸۰۰ھ[3] میں رونما ھوا - کہتے ھیں کہ حضرت محمد کا جسد کامل تر ھوا تو اس سے محمود کی تخلیق ھوئی - «نبعثک مقاماً محموداً» میں اسی طرف

---

(۱) ج دوم ص ۲۰٤ - ۲۰٥

(۲) صفحہ ۲۹۹ - ۳۰۳ -

(۳) ایرانی قلمی نسخہ میں ٦۰۰ ھجری ھی مگر یہ کتابت کی غلطی ھی - کیونکہ ھم کو یقین سی معلوم ھی کہ محمود پسیخانی کا استاد اور دین حروفی کا بانی فضل اللہ آٹھویں صدی ھجری میں گزرا ھی - فضل کی حالات کی تفصیل ڈاکٹر صادق کیا کی تالیف «واژہ نامہ گرگانی» (۱۳۲۰)صفحہ ۹—۳۳ اور براؤن کی «تاریخ ادبیات ایران» جلد۳ صفحہ ۳٦٥ - ۳۷٥ اور صفحہ ٤٤۹ - ٤٥۲ پر ملو گی -

اشارہ ہے - یعنی جب عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو معدنی
صورت خلعت نباتی پہنتی ہے - پھر کسوت حیوانی اس کے جسم پر
چست ہوتی ہے - جب اس میں شان اور شوکت پیدا ہوتی ہے تو
انسان کامل کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے - اس طرح ظہور آدم تک
اجزاے انسانی ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے یہاں تک کہ مرتبۂ محمدی
آیا پھر بھی قدم کمال کی طرف بڑھتا رہا تو محمود کا درجہ آگیا :

از محمد گریز در محمود
کاندران کاست اندرین افزود

نظر دوم - درویش صفا و درویش بقاے واحد و درویش اسماعیل و
مرزا تقی و شیخ لطف اللہ اور شیخ شہاب جو « امنا » میں ہیں انہوں نے
مولف «دبستان مذاهب» سے بیان کیا کہ « شخص واحد » خاک کو نقطہ
قرار دیتا ہے - اور اس خاک سے دوسرے عناصر وجود میں آتے
ہیں - وہ رجعت یعنی تناسخ کا قائل ہے - جب وہ مرجائیگا تو اس
کے بدن کے اجزا جماد و نبات کی شکل اختیار کریں گے - جب وہ
نبات حیوان یا انسان کی غذا ہوگی تو وہ حیوانی یا انسانی لباس
میں آجائیگا - «شخص واحد» نفس ناطقۂ مجرد کا قائل نہیں ہے -
خاک کے نقطہ کو واجب اور مبداے اول قرار دیتا ہے - بسم اللہ کے
بجاے « استعین بنفسک الذی لا الہ الاھو » لکھتا ہے اور بجاے « لیس
کمثلہ شئ » کے « انا المرکب المبین » کہتا ہے -

نظر سوم - «میزان» میں ہے کہ اول ظہور سے تخلیق آدم تک سولہ
ہزار سال کی مدت ہوتی ہے اس میں پہلے آٹھ ہزار سال دور عرب
اور دوسرے آٹھ ہزار دور عجم کے ہونگے - پہلے دور میں آٹھ
عرب مرسل ہونگے اور دوسرے میں اتنے ہی عجمی مبین ہونگے -
نظر چہارم - نقطوی مجرد کو «واحد» اور متاہل کو «امین» کہتے
ہیں - پارسائی اور درویشی کی زندگی اس مذہب میں قابل ستایش
ہے - کمال تجرد کے بعد «واحد» کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے -
اور رفتہ رفتہ وہ درجۂ خدائی یعنی «مرکب مبین» تک پہنچ جاتا ہے -

ایک «واحد» کا بیان ھے کہ جب کوئی انسانی پیکر سے حیوانی اور پھر بتدریج نباتی اور جمادی صورت میں تبدیل ھوتا ھے تو اس کے بدلتے ھوئے آثار اور کردار سے «محصی» کو اصل حقیقت کا اندازہ ھو سکتا ھے' ... کہتے ھیں امام حسین پہلی زندگی میں موسیٰ تھے اور یزید فرعون، موسیٰ نے اس زندگی میں فرعون کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا، اس زندگی میں حضرت موسیٰ حضرت حسین ھوگئے اور فرعون یزید' یزید نے حضرت حسین کو فرات کا پانی پینے نہ دیا' اور تلوار سے ان کا سر قلم کر دیا ... نقطویوں کی ایک خاص دعا ھے جس کو آفتاب کی طرف رخ کرکے پڑھتے ھیں - وہ انسان کی پرستش کرتے اور اس کو حق کا مترادف جانتے ھیں - ان کا سلام اللہ اللہ ھے - محمود اپنے کو شخص «واحد» اور مہدی موعود لکھتا ھے - وہ دین اسلام کو منسوح اور اپنے لائے ھوئے دین کو حق بتاتا ھے -

رسید نوبت رندان عاقبت محمود
گذشت آنکہ عرب طعنہ برعجم می‌زد

مولف «دبستان» کے ایک شیرازی دوست نے لاھور میں اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ وہ شروع میں محمود پسیخانی کو برا بھلا کہا کرتا تھا - ایک روز وہ خواب میں رونما ھوا اور اس شخص سے پوچھنے لگا کہ تم نے میری تصنیف کا مطالعہ کیا ھے - نفی میں جواب پانے پر اسکو اس طرح ڈانٹنا شروع کیا کہ اگر آیندہ تم ایسا کروگے تو تم کو سزا دیجائیگی - ایک واحد کا قول ھے کہ حافظ شیرازی بھی نقطوی تھے - محمود رود ارس پر مقیم رہ چکا تھا - اس نسبت سے شاعرِ شیراز کہتا ھے -

اے[1] صبا گر بگذری برساحل رود ارس
بوسہ زن برخاک آن وادی و مشکین کن نفس

---

(۱) اگرچہ دیوان حافظ میں بہت سی دوسری شاعروں کی غزلیں شامل ھوگئی ھیں (تفصیل کی لئے ملاحظہ ھو راقم کا مقالہ بعنوان دیوان حافظ میں الحاق، معارف شمارہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۵۷ع) لیکن یہ غزل مصدقہ طور پر حافظ ھی کی ھے اور دیوان حافظ کی دونوں مستند اڈیشن - خلخالی اور قزوینی و قاسم غنی، میں پائی جاتی ھے - خلخالی میں غزل کا نمبر ۲۷۱ (صفحہ ۱۳۹—۱۴۰) اور قزوینی اور قاسم غنی میں ۲۶۷ (صفحہ ۱۸۱) ھے، یہ غزل حافظ کی بہترین غزلوں میں سی ھے -

اشارہ ہے - یعنی جب عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو معدنی صورت خلعت نباتی پہنتی ہے - پھر کسوت حیوانی اس کے جسم پر چست ہوتی ہے - جب اس میں شان اور شوکت پیدا ہوتی ہے تو انسان کامل کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے - اس طرح ظہور آدم تک اجزاے انسانی ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے یہاں تک کہ مرتبۂ محمدی آیا پھر بھی قدم کمال کی طرف بڑھتا رہا تو محمود کا درجہ آگیا :

از محمد گریز در محمود

کاندران کاست اندرین افزود

نظر دوم - درویش صفا و درویش بقاے واحد و درویش اسماعیل و مرزا تقی و شیخ لطف اللہ اور شیخ شہاب جو «امنا» میں ہیں انہوں نے مولف «دبستان مذاهب» سے بیان کیا کہ «شخص واحد» خاک کو نقطہ قرار دیتا ہے - اور اس خاک سے دوسرے عناصر وجود میں آتے ہیں - وہ رجعت یعنی تناسخ کا قائل ہے - جب وہ مرجائیگا تو اس کے بدن کے اجزا جماد و نبات کی شکل اختیار کریں گے - جب وہ نبات حیوان یا انسان کی غذا ہوگی تو وہ حیوانی یا انسانی لباس میں آجائیگا - «شخص واحد» نفس ناطقۂ مجرد کا قائل نہیں ہے - خاک کے نقطہ کو واجب اور مبداے اول قرار دیتا ہے - بسم اللہ کے بجاے «استعین بنفسک الذی لا الہ الاھو» لکھتا ہے اور بجاے «لیس کمثلہ شئ» کے «انا المرکب المبین» کہتا ہے -

نظر سوم - «میزان» میں ہے کہ اول ظہور سے تخلیق آدم تک سولہ ہزار سال کی مدت ہوتی ہے اس میں پہلے آٹھ ہزار سال دور عرب اور دوسرے آٹھ ہزار دور عجم کے ہونگے - پہلے دور میں آٹھ عرب مرسل ہونگے اور دوسرے میں اتنے ہی عجمی مبین ہونگے -

نظر چہارم - نقطوی مجرد کو «واحد» اور متاھل کو «امین» کہتے ہیں - پارسائی اور درویشی کی زندگی اس مذہب میں قابل ستایش ہے - کمال تجرد کے بعد «واحد» کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے - اور رفتہ رفتہ وہ درجۂ خدائی یعنی «مرکب مبین» تک پہنچ جاتا ہے -

ایک «واحد» کا بیان ھے کہ جب کوئی انسانی پیکر سے حیوانی
اور پھر بتدریج نباتی اور جمادی صورت میں تبدیل ھوتا ھے تو اس
کے بدلتے ھوئے آثار اور کردار سے «محصی» کو اصل حقیقت کا
اندازہ ھو سکتا ھے، ... کہتے ھیں امام حسین پہلی زندگی میں
موسیٰ تھے اور یزید فرعون، موسیٰ نے اس زندگی میں فرعون کو
دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا، اس زندگی میں حضرت موسیٰ حضرت
حسین ھوگئے اور فرعون یزید، یزید نے حضرت حسین کو فرات کا پانی
پینے نہ دیا، اور تلوار سے ان کا سر قلم کر دیا ... نقطویوں
کی ایک خاص دعا ھے جس کو آفتاب کی طرف رخ کرکے
پڑھتے ھیں - وہ انسان کی پرستش کرتے اور اس کو حق کا مترادف
جانتے ھیں - ان کا سلام الله ھے - محمود اپنے کو شخص «واحد»
اور مہدی موعود لکھتا ھے - وہ دین اسلام کو منسوح اور اپنے
لائے ھوئے دین کو حق بتاتا ھے -

رسید نوبت رندان عاقبت محمود
گذشت آنکہ عرب طعنہ برعجم می‌زد

مولف «دبستان» کے ایک شیرازی دوست نے لاھور میں اپنا ایک واقعہ بیان کیا
کہ وہ شروع میں محمود پسیخانی کو برا بھلا کہا کرتا تھا - ایک روز وہ خواب میں
رونما ھوا اور اس شخص سے پوچھنے لگا کہ تم نے میری تصنیف کا مطالعہ کیا ھے -
نفی میں جواب پانے پر اسکو اس طرح ڈانٹنا شروع کیا کہ اگر آیندہ تم ایسا کروگے
تو تم کو سزا دیجائیگی - ایک واحد کا قول ھے کہ حافظ شیرازی بھی نقطوی تھے -
محمود رود ارس پر مقیم رہ چکا تھا - اس نسبت سے شاعرِ شیراز کہتا ھے -

اے[1] صبا گر بگذری برساحل رود ارس
بوسہ زن برخاک آن وادی و مشکین کن نفس

(۱) اگرچہ دیوان حافظ میں بہت سی دوسری شاعروں کی غزلیں شامل ھوگئی ھیں (تفصیل کی لئی ملاحظہ ھو راقم کا مقالہ بعنوان دیوان حافظ میں الحاق، معارف شمارہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۵۷ع) لیکن یہ غزل مصدقہ طور پر حافظ ھی کی ھو اور دیوان حافظ کی دونوں مستند اڈیشن - خلخالی اور قزوینی و قاسم غنی، میں پائی جاتی ھو - خلخالی میں غزل کا نمبر ۲۷۱ (صفحہ ۱۳۹—۱۴۰) اور قزوینی اور قاسم غنی میں ۲۶۷ (صفحہ ۱۸۱) ھو، یہ غزل حافظ کی بہترین غزلوں میں سی ھو -

(۲) محمد پسر[۱] محمود شیرازی - اگرچہ اپنے باپ[۲] کی طرح نقطویوں کا سخت دشمن تھا - اور اس نے اپنی تحریروں میں جابجا اس مذہب پر بڑی لعن طعن کی ہے - لیکن ان میں بعض بہت مفید باتیں درج ہوگئی ہیں مثلاً وہ « رسالہ نفایس الارقام » میں لکھتا ہے[۳] :

« انسانوں میں تین گروہ واجب کے منکر ہیں - اول سوفسطائیہ جو تمام عالم کو وہم و خیال باطل جانتے ہیں - انہیں میں ملاحدۂ تناسخیہ ہیں جو اپنے کو نقطوی کہتے ہیں - وہ اشیاء کے مبداء کو ذات مربع اور اپنے کو خدا کہتے ہیں - انکا قول ہے جب تک اپنے کو نہیں پہچانا بندہ ہے اور جونہی اپنی معرفت ہوگئی خدائی درجہ حاصل ہوگیا - انکا کلمہ « لاالہ الا المرکب المبین » ہے اور « مرکب مبین » سے مراد انسان ہے - اس کے بانی محمود پسیخانی کا خیال ہے کہ مرکب و محسوس کے علاوہ کوئی اور چیز موجود نہیں - وہ معقول کی وحدت وبساطت کا منکر ہے اور تعقل و تصور کو غلط ٹھہراتا ہے »

(۳) محمد باقر پسر محمد تقی لاھجی بھی نقطویوں کا سخت دشمن تھا - وہ « تذکرۃ الائمہ » میں لکھتا ہے[٤] :

« محمود دھریۂ ملاحدہ کی جماعت سے متعلق اور عناصر اربعہ کا قائل ہے - اس کی ایک کتاب میں ہرجگہ « لاالہ الا المرکب المبین » اور چار نقطے لکھے ملتے ہیں - وہ آگ، ہوا، مٹی اور پانی سے استشہاد کرتا ہے » -

(٤) « روضۃ الصفاے ناصری » میں اس جماعت کے بارے میں ہے :

« مذاہب باطلہ میں ایک مذہب تناسخ ہے - ناقص انسانی روح انسانی جسم میں متردد رہتی ہے اور بتدریج ایک بدن سے دوسرے بدن

(۱) اس مصنف کی حالات زندگی پر راقم حروف کا ایک مقالہ « معاصر » پٹنہ (شمارہ ۱۵) میں شائع ہوا ہی -

(۲) محمود دھدار شیرازی اور نقطوی ادیب امری سی سخت مخالفت تھی چنانچہ امری نی محمود کی ہجو میں کئی نظمیں لکھیں ، ان میں سی چند ابیات والہ داغستانی نی "ریاض الشعراء" (ورق ۳۳ ب) مین نقل کی ہیں -

(۳) بحوالۂ نقطویان یا پسیخانیان صفحہ ۳۲

(٤) ایضاً صفحہ ٤۳ ، مولف نی "دبستان مذاہب" اور عالم آرای عباسی" سی استفادہ کیا ہی -

میں منتقل ہوتی رہتی ہے ۔ اس طرح سے وہ کامل ہوجاتی ہے ۔ محمود گیلانی نے اس مذہب میں تصرفات کئے اور نئی اصطلاحیں وضع کیں، مثلاً وہ خاک کو نقطہ کہتا ہے ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ جس قدر حیوان، نبات اور جماد اس کے سامنے ہیں ان کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ اس سے پہلے جنم[1] میں وہ کیا تھے» ۔

(۵) «ماثرالامرا» بھی نقطوی مذہب کا اہم ماخذ ہے ۔ اس میں آیا ہے[2] :

«نقطوی جنکو امنا اور محمودی بھی کہتے ہیں محمود پسیخانی کے پیرو ہیں ۔ پسیخان گیلان میں ایک گانوں ہے ۔ محمود ۸۰۰ ہجری میں رونما ہوا ۔ وہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا ۔ اسکے مرید کہتے ہیں کہ جب حضرت محمد کا جسد کامل‌تر ہوا تو اس سے محمود کی تخلیق ہوئی ۔ «نبعثک مقاماً محموداً» سے اس کی شہادت ملتی ہے وہ خاک کو نقطہ اور مبداے اول جانتا ہے اور نفس ناطقہ کے تجرد کا قائل نہیں ۔ وہ رجعت و تناسخ پر بھی ایمان رکھتا ہے ۔ اس کے مذہب میں مجرد واحد اور متاہل امین کہلاتا ہے ۔ محمود مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے» ۔

(٦) دسویں، گیارھویں اور بارھوین صدی ہجری کے شعراء کے تذکرے اس موضوع کے قابل توجہ ماخذ ہیں ۔ تقی کاشی نے اپنے تذکرے «خلاصۃ الاشعار» (۹۹۳ ـ ۱۰۱٦ھ) میں بعض نقطوی شاعروں اور مصنفوں کے حالات بہم پہنچائے ہیں ۔ وہ انکے عقائد پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کرتا ۔ اسی طرح تقی اوحدی بھی اپنے تذکرے «عرفات عاشقین» (۱۰۲۲ ـ ۱۰۲٤ھ) میں اس روش پر کاربند ہے ۔ وہ ایک سفر میں شاہ عباس کے ہمراہ تھا جس میں شاہ نے نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں ہزاروں نقطویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا ۔ تقی اوحدی نے اس قتل کے چشم دید حالات بیان کئے ہیں[3] ۔ عبدالنبی فخرالزمانی «تذکرۂ میخانہ» (۱۰۲٦ھ) میں شاہ عباس کے قتل عام کے

---

(۱) اصل عبارت یہ ہو : ، ودراین جنم باین صورت شدہ‌اند ، اس لفظ کا استعمال ہندوستانی اثرات کا نتیجہ سمجھنا چاہیو ۔

(۲) جلد سوم ۔ ص ۲۸۵ ذیل حالات میر شریف آملی ۔

(۳) ملاحظہ ہو «عرفات عاشقین» (نسخہ بانکی پور) ورق ۱۵۲ ـ ۱۵۳

ضمن میں بعض نقطوی شاعروں کا نام تو لیتا ہے[۱] لیکن تفصیل سے عموماً بچنا چاہتا ہے ۔ عبدالباقی نہاوندی مولف «ماثر رحیمی» (۱۰۲۴ھ) کاشان کے نقطویوں کے قتل کے موقع پر موجود تھا ۔ اس کا بھائی خضر نہاوندی اس وقت کاشان کا حاکم تھا ۔ ان دونوں بھائیوں کی کوشش سے باقر کاشانی نقطوی الزام سے صاف بچ گیا ۔ عبدالباقی جب نقطویوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو اس کی بات واضح نہیں ہوتی، وہ اس فرقہ کا نام تک نہیں لیتا[۲] ۔ البتہ اسکندر منشی مولف «عالم آرائے عباسی» (۱۰۲٦ھ) جو نقطویوں کے قتل کے وقت شاہ عباس کے ساتھ تھا واقعۂ قتل کی ضروری تفصیل[۳] بیان کرتا ہے ۔ جلال یزدی شاہ عباس کا شاہی منجم اگرچہ مشہور نقطوی یوسفی ترکش دوز کے تخت نشین کرانے اور پھر اس کو قتل کرانے میں شریک تھا مگر وہ بھی کھل کر اس جماعت کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا[٤] ۔ عبدالقادر بدایونی اکبر کی مذہبی پالیسی سے سخت نالاں تھا ۔ وہ نقطویوں کو بھی اکبر کی بےدینی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے، اس لئے ان کو اپنی کتاب «منتخب التواریخ» (۱۰۰۲ھ) میں بہت سخت سست کہتا ہے[۵] ۔ ۱۰۳٦ ہجری کے ایک تذکرہ نگار ناظم تبریزی کے یہاں ایک آدھ جگہ اس تحریک کا ذکر آگیا ہے ۔ مگر وہ بھی صراحتاً اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا[٦] ۔

اوپر اشارہ ہو چکا ہے کہ نقطوی مذہب کی ترویج و اشاعت میں شروع میں جن لوگوں کی کوشش کا دخل تھا ان کی تفصیل سے ہم قاصر ہیں ۔ البتہ دسویں صدی کے نصف آخر کے بعد ایک بڑی جماعت اس مذہب کی پیروی کے الزام میں ماخوذ ہوتی ہے ۔ شاہ طہماسپ صفوی کے دور حکومت میں ۹۷۳ ہجری میں ایک نقطوی ادیب ابوالقاسم امری شاہی حکم کے مطابق اندھا کر دیا جاتا ہے ۔ «عرفات عاشقین[۷]» کے مطابق امری ابوتراب کا بھائی تھا اور طہماسپ کے دربار میں بڑا درجہ حاصل کر چکا تھا ۔

---

(۱) مطبوعہ نسخہ میں کسی نقطوی کا ذکر نہیں مگر علی گڑھ یونیورسٹی کی قلمی نسخی کی ورق ۲۸۹ ـ ۲۹۰ پر کچھ ذکر آگیا ہی ۔

(۲) مثلاً ملاحظہ ہو جلد ۳ صفحہ ۷۹۲

(۳) جلد اول صفحہ ٤٧٣—٤٧٦

(٤) ملاحظہ ہو وقائع سال ہزار و یک

(۵) جلد سوم صفحہ ۲۸٦ ـ ۲۸۸ وغیرہ

(٦) مثلاً ملاحظہ ہو ورق ۲۲۵ الف ـ

(۷) نسخۂ خطی ـ اوراق ۱۲۵ الف ۱۲٦ الف

وہ تمام علوم میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا - مگر ان کمالات کے باوجود وہ محمود کے علماء مردود و امناء مطرود میں تھا - سنہ ۹۸۳ھ میں اس جرم میں اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی- اندھے ہونے پر بھی اس کی کوششوں میں کمی واقع نہ ہوئی- سنہ ۹۹۹ھ میں شاہ عباس نے میرزا خان کو شیراز کا حاکم بنایا تو اس نے امری کو لوگوں کے احتجاج پر قید کردیا - چند دنوں بعد وہ قتل کرڈالا گیا - «دشمن خدا» سے اس واقعہ کی تاریخ نکلتی ہے - مولف «عرفات» کو بھی امری سے سخت اختلافات تھے چنانچہ دونوں میں کئی بار علمی مناظرہ بھی ہوچکا تھا -

والہ داغستانی نے «ریاض الشعرا» میں لکھا ہے[1] کہ چونکہ شاہ طہماسپ کو شریعت میں کمال رسوخ حاصل تھا اور اہل عصر مولانا پر الحاد کی تہمت لگاتے تھے، اس لئے شاہ نے مولانا کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی - ۹۹۹ ھجری میں خاص و عام نے ھجوم کرکے اس کو شہید کر ڈالا - «دشمن خدا» اس نامراد کے قتل کی تاریخ ہے - علوم غریبہ اور نقطہ کے اسرار و اعداد میں بے نظیر تھا - اس کے منظومات بہت ہیں - منجملہ ان کے رسالۂ ذکر و فکر اور جواب مرآت الصفا ہے - ایک قصیدہ کے چند شعر[2] یہ ہیں -

چون بفضل ایزد بیچون بحق دانا شدم
آگہ از کنہ رموز علم الاسماء شدم
بر براق تن چو بر معراج جان کردم عروج
عارف اسرار «سبحان الذی اسرا» شدم
جبرئیل نطق چون از عرش دل آورد وحی
واقف کیفیت اسرار «مایوحی» شدم
طعن بے چشمی مزن اے مدعی بر من کہ من
چشم چون در راہ حق دادم بحق بینا شدم
غور بودم پیش ازین از تابش خورشید عشق
پختہ گشتم اندک اندک تا کنون حلوا شدم

---

(۱) نسخۂ خطی لکھنؤ ورق ۳۳ ب - علی گڑھ صفحہ ۷۲ - ۷۳ -

(۲) پہلی شعر میں قران کی آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت آدم کو تمام آشیاء کا علم دینی کا بیان ہے - دوسرو میں واقعۂ معراج کا ذکر ہے -

کہتے ھیں کہ شہادت کے موقعہ پر خواجہ[1] محمود دھدار کے لئے لکھا تھا -

آفتاب قدم از مطلع انوار دمید
پردۂ ظلمت جہل از سر خفاش کشید
کاملان بحر محیط اند و سگان جہال اند
کے شود بحر محیط از دھن کلب پدید
صبح صادق دم امری ست برو اے خفاش
کہ ازین پس نتوانی تو درین غصہ پرید

شاہ طہماسپ کے لئے ایک رباعی ملاحظہ ہو -

شاہا ز لباس نور عورم کردی
و ز درگہ خود بجور دورم کردی
سی سال[2] ھمین مدح تو گفتم شب و روز
این جائزہام بود کہ کورم کردی

مولف «ھفت اقلیم»[3] اور «ماثر رحیمی»[4] اس بات میں «عرفات عاشقین» سے متفق ھیں کہ امری کو اندھا کردیا گیا۔ مگر اس کے قتل کئے جانے کے متعلق خاموش ھیں۔ مولف «ماثر رحیمی» اس کو بڑے درجہ کا موحد اور نقطوی تہمت کو دشمنوں کی افتراپردازی قرار دیتا ھے -

شاہ طہماسپ کے عہد میں ۹۸۳ ھجری میں کاشان میں نقطویوں کے گرفتار ہونیکا واقعہ مرزا جعفر قزوینی «تاریخ الفی» میں یوں بیان کرتا ھے[5] :

«در ایران جمعے از اھالی انجدان و رستاق کاشان بمراد نامی کہ دعوت امامت میکرد اتفاق کردند و جمعے دیگر ھم دران نواحی بمتابعت محمود پسیخانی کہ دعوائے نبوت میکرد و یک صد و پنجاہ سال قبل ازین فوت شد متہم شدند و شہر یار ایران امیر خان موصلو

(۱) محمود دھدار وھی ھو جس کی بیٹی کی رسالہ کا حوالہ پہلی آچکا ھو -
(۲) اس کا مطلب یہ ھوا کہ سنہ ۹۴۳ سی امری صفوی دربار میں باریاب تھا - یہ رباعی «ھفت اقلیم» میں بھی نقل ھو - اس میں «مداح تو بودم» ھو -
(۳) نسخۂ لکھنؤ ورق ۳۳۰ ب -
(۴) جلد ۳ صفحہ ۱۴۹۷ -
(۵) ذیل واقعات نہصد و ھشتاد وسہ -

حاکم همدان[1] را بانجدان فرستاد و بدیع الزمان[2] والد راقم حروف را
بکاشان تعین نمود . . . . در سه روز قطع راه کرده جمیع آن مردم
را بدست آوردند و بدرگاه فرستادند» ۔

اس بادشاہ کے دور میں نقطویوں کا ایک گروہ قزوین میں گرفتار ہوا ۔
تقی کاشی[3] کے قول کے مطابق مولانا حیاتی کاشی نے بعض ملحدوں سے اختلاط پیدا
کیا اور نقطویوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں علم نطقه اور
اس کے تمام رسوم سے پوری واقفیت ہوگئی ۔ پھر وہ کاشان سے قزوین گیا اور کافی
عرصہ تک نقطوی علماء کی صحبت میں رہا ۔ بالآخر اس فرقه کی ایک جماعت کے ساتھ
پکڑ کر شاہ طہماسپ کے دربار میں بھیج دیا گیا ۔ دو سال تک قید میں رہنے کے
بعد رہائی پائی تو شیراز آیا اور یہاں بھی دو ایک سال مقیم رہا ، پھر ۹۸۶ ہجری میں وطن
واپس ہوکر بالاخر ہندوستان چلا آیا اور «خلاصة الاشعار» لکھتے وقت[4] (۹۹۳ ہجری میں)
احمد نگر[5] میں موجود تھا ۔ اس دور کے ایک واقعہ کی تفصیل اسکندر منشی نے اس
طرح پیش کی ہے[6] :

«درویش خسرو قزوین کے محله درب کوشک کے نچلے طبقه کا
ایک شخص تھا ۔ اس نے باپ دادا کا پیشه ترک کرکے درویشی
و قلندری کا جامه پہنا ۔ مدتوں سیر و سیاحت کی اور نقطویوں
کی صحبت میں اپنی وسعت مشربی کے لئے مشہور ہوگیا ۔ پھر
قزوین واپس آیا اور مسجد کے ایک گوشه میں مقیم ہوگیا ۔ رفته رفته
درویشوں کی ایک جماعت اس کے پاس جمع ہوگئی اور اس نے

---

(۱) امیر خان موصلو ترکمان کے حالات کے لئے دیکھئے «عالم آرای عباسی» ص ۱۳۵ ، ۱۳۹ ، ۱۶۹ ، ۱۷۵ ، ۱۹۸ ، ۲۲۷ ، ۲۸۰ ، ٤۷۰ وغیرہ ۔

(۲) آقاوملادواتدار قزوینی کا بیٹا ، نورجہاں کا حقیقی ماموں اور کاشان کا وزیر تھا ۔

(۳) «خلاصة الاشعار» (دیوان ہند نمبر ٦٦۸) ورق ۷۲ ۔

(٤) ۹۹۳ ہجری کے لکھے ہوئے نسخه (دیوان ہند نمبر ٦٦۷) میں بھی «الحال» ہے اور ۱۰۱۲ ہجری کے مجلس شورای ملی تہران کے نسخے میں بھی ، مگر آخر الذکر میں یه لفظ برمحل نہیں معلوم ہوتا ۔

(٥) «شمع انجمن» صفحه ۱۲٤ ۔ ۱۲۵ میں ہے که اگرچه علم نقطه میں دایرۂ نقطویان کا مرکز تھا ۔ مگر آخر میں تائب ہوگیا ۔ حیاتی کاشی ، حیاتی گیلانی سے الگ شاعر گزرا ہے ۔ لیکن خان آرزو نے «مجمع النفائس» میں دونوں کو ایک قرار دینے میں غلطی کی ہے ۔

(٦) «تاریخ عالم آرای عباسی» جلد ۱ صفحه ٤۷۳ ۔ ٤۷٦ ۔

اپنے طریقه کے مطابق ان کی تلقین شروع کردی - جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حالات دریافت کئے - اگرچه درویش خسرو نے مذہب حق کے ماننے سے انکار کیا لیکن حد شرعی کی زد سے محفوظ رہا - صرف اتنا حکم ہوا که وہ مسجد میں قیام نه کرے اور لوگ خواہ مخواہ اس کے پاس نه جائیں » -

سلطان محمد خدا بندہ (٩٨٥ - ٩٩٥ ہجری) کے زمانه میں بھی نقطویوں کے حالات ٹھیک نه ہوئے -- اس زمانے میں بعض لوگ نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں قتل بھی ہوئے - ان میں ایک شاعر افضل دوتاری ہے جو بقول مولف «خلاصة الاشعار[١]» ٩٩٤ ہجری میں ولی جان سلطان کے حکم سے نطنز اصفہان کے نواح میں قتل ہوا - بعض نقطوی شاعر و ادیب باوجود اس تہمت کے، مواخذہ سے بچے رہے جیسے فہمی کاشی[٢] اور بابا شاہی اصفہانی[٣] وغیرہ -

شاہ عباس کی تخت‌نشینی پر نقطویوں کے حالات بہت ابتر ہوگئے کیونکه یه بادشاہ اس معاملے میں اپنے پیشرووں سے زیادہ سخت واقع ہوا تھا - وہ درویشوں کے جامے میں ان کی خانقاہوں میں پہنچ جاتا اور نقطوی افکار و خیالات سے شناسائی پیدا کرتا - شہر قزوین باوجود دارالخلافه ہونے کے اس تحریک کا بڑا مرکز تھا اور درویش خسرو کی خانقاہ ان کا سب سے بڑا اڈا تھا - بادشاہ اکثر وہاں جاتا اور اہل خانقاہ سے گفتگو کیا کرتا - اس طرح اس کو بخوبی معلوم ہوگیا که درویش خسرو اور اس کے وابستگان، نقطوی دین و عقاید کی اشاعت بڑے منظم طریقے پر کر رہے ہیں - بادشاہ کی نظر میں ان سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا گروہ نه تھا - چنانچه ١٠٠٢ہجری میں اس کے حکم سے ہزاروں نقطوی موت کے گھاٹ اتار دئے گئے[٤] - اس قتل و غارت‌گری کا یه نتیجه ہوا که بہت سے نقطوی جان بچاکر ہندوستان بھاگ آئے -

اسی زمانه میں جلال یزدی نے پیشینگوئی کی که شاہ ایران کے لئے بڑے خطرے کا وقت قریب ہے- اس سے بچنے کی صرف یه تدبیر ہے که چند روز کے لئے وہ

---

(١) ٩٩٣ والی نسخی میں اس کی حالات نہیں، مجلس شوری کی نسخه سو ماخوذ ہیں -

(٢) ملاحظه ہو « خلاصته الاشعار » ذیل شعرای کا شان، نیز اسپرنگر ص ٢٤ نمبر ٢٦٤ -

(٣) ایضاً - ذیل شعرای اصفہان، ملاحظه ہو، اسپرنگر ص ٢٨ نمبر ٣١٨ -

(٤) تفصیل کی لئی ملاحظه ہو «عالم‌آرای عباسی» « تاریخ جلال یزدی » « خلاصة‌الاشعار » « عرفات عاشقین » « ماثر رحیمی » « میخانه » وغیرہ

حکومت سے دست بردار ہوجائے اور اس طرح نحوست کی گھڑی گزر جائے گی ۔ چنانچہ نقطویوں کے سردار یوسفی ترکش‌دوز کو تین روز تک تخت پر بٹھا کر قتل کر دیا گیا ۔ اس کے بعد درویش خسرو اور دوسرے نقطوی قزوین کے نواح میں قتل ہوئے ۔ شاہ عباس پھر اصفہان آیا تو نصرآباد کاشان[1] میں اہم‌ترین نقطوی سردار میر سید احمد کاشی کو اپنے ہاتھہ سے قتل کیا ۔ میر مذکور کے کاغذات میں بہت سے نقطویوں کے خطوط[2] ملے ۔ ان میں ابوالفضل کا بھی ایک خط ملا ۔ معاصر تاریخ نویس اسکندر منشی کا بیان یہ ہے ۔

« اس طائفہ کے سرداروں میں میر سید احمد کاشی تھا جس نے بہت سے بدبختوں کو گمراہی کی راہ پر ڈال رکھا تھا ۔ پاك اعتقاد بادشاہ نے نصرآباد کاشان میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا ۔ اس کی کتابوں میں جو رسالے ملے ان سے ظاہر ہوا کہ نقطوی، حکماء کے مذہب کے مطابق عالم کو قدیم مانتے ہیں اور حشراجساد اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ۔ ان کے نزدیک اعمال کے اچھے یا برے ہونے کے نتیجہ میں جو دنیاوی عافیت یا ذلت ملتی ہے وہی بہشت و دوزخ ہے ۔ درویش کمال اصفہانی و درویش ترابی[3] جو ان کے مقتدا تھے مع تین چار مریدوں کے خراسان کی راہ میں قتل ہوئے ۔ اس طرح جن لوگوں پر ذرا بھی نقطوی ہونے کا شبہ ہوا ان سب کا یہی انجام ہوا ۔ درویش خسرو کے بعض ترک مرید اس جرم میں قتل ہوئے ۔ اس طرح ظاہر ہوا کہ تمام ممالک محروسہ میں اس جماعت کی ریشہ دوانیوں کی جڑ بہت گہری ہے ۔ ہندوستان سے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ ابوالفضل پسر شیخ مبارك بھی جو ہندوستان کے فضلاء میں ہے اور دربار اکبری

---

(۱) صرف « میخانہ » نسخہ علی‌گڑھ ورق ۲۹۰ الف میں آیا ہے کہ وہ قزوین میں قتل ہوا مگر یہ غلط ہے ۔

(۲) اگرچہ ابوالفضل کے خطوں کا ذکر صرف « عالم‌آرای عباسی » ج ۲ ص ۳۲۵ ببعد اور « مآثرالامرا » ج ۲ صفحہ ۶۱۸-۶۱۹ میں آیا ہے لیکن خطوط و تحریرات کے برآمد ہونے کی بنا پر سید احمد کاشی کے ہزاروں متبعین کے قتل ہونے کا بیان معاصر تذکروں میں تفصیل سے ملتا ہے ملاحظہ ہو « عرفات عاشقین » ورق ۱۵۲ « میخانہ » ورق ۲۹۰ ,,مآثر رحیمی » جلد ۳ صفحہ ۷۹۲

(۳) ان ناموں کی قرأت میں اختلاف ہے ۔

میں بہت زیادہ تقرب حاصل کر چکا ہے، اسی مذہب کا پیرو ہے۔
اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع المشرب بناکر جادۂ شریعت سے
منحرف کر دیا ہے۔ اس کا یہ خط جو میر احمد کاشی کے نام
لکھا گیا تھا اور جو میر مزکور کے کاغذات میں دستیاب ہوا
ابوالفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے[1]۔ شریف آملی جو
جامع فضایل تھا اس فرقہ کے اکابر سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنے
زمانہ کی سخت گیریوں سے تنگ آکر ہندوستان چلا آیا تھا[2]۔
حضرت بادشاہ اکبر اس کی بڑی تعظیم کرتے اور اس کے ساتھ
پیر جیسا سلوک کرتے تھے»

شاہ عباس کی اس سختی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں سر زمین ایران نقطویوں سے خالی ہوگئی۔ اسکندر منشی[3] کے الفاظ یہ ہیں:

«القصہ از سیاست این جماعت اگر کے ازین طبقہ بود ازین دیگر
بیرون رفت، یا در گوشۂ خمول خزیدہ خود را بے نام و نشان ساخت
و در ایران شیوۂ تناسخ منسوخ گشت»

خوش قسمتی سے اس زمانے میں ہندوستان کے تخت پر اکبر جیسا وسیع النظر اور جلیل القدر فرمانروا جلوہ افروز تھا۔ اسکی مذہبی رواداری، علوم و فنون سے بے پناہ دلچسپی اور شعر و ادب کی غیر معمولی قدردانی کی بنا پر ہزاروں علماء و فضلاء ہندوستان کی طرف کھینچے چلے آرہے تھے۔ اس کے دور حکومت میں ہر شخص کو نہ صرف اپنے مذہب کی اعلانیہ طور پر تبلیغ کرنے کی آزادی ہی تھی بلکہ وہ دوسرے مذہب والوں سے بلا تکلف مناظرہ و مباحثہ بھی کرسکتا تھا۔ خود بادشاہ نے مذہبی و علمی مباحثہ کے لئے

---

(١) اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو «منتخب التواریخ» ج ٣ ص ٢٠٥ - ٢٠٦ اور «ماثرالامرا» ج ٢ ص ٦١٨ ٦١٩ اخرالذکر میں اس طرح شروع ہوتا ہی: «تکفیر شیخ زماں نزد خواص و عوام است، برخوبکیش برہمن پیغارہ زنند و بعضی آفتاب‌پرست گویندوجوقی دہریہ خوانند

(٢) مولف «عالم آراى عباسی» سی تسامح ہو گیا ہی اس لئی کہ ہم کو تحقیق سی معلوم ہی کہ میر ٩٩٠ھ سی قبل ہندوستان چلا آیا تھا جب کہ مولف «عالم آراى عباسی« ١٠٠٢ھ کو قریب میر کا ایران چھوڑنا بیان کرتا ہی اس تسامح کا ذکر «ماثرالامرا» جلد ٣ صفحہ ٢٨٥ پر موجود ہی - نیز ملاحظہ ہو «منتخب‌التواریخ بدایونی» ج ٢ ص ٢٨٨ - ٢٨٩ -

(٣) «عالم آراى عباسی» جلد ٢ صفحۂ ٣٢٦

ایک انجمن بنائی تھی جس میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہوتے - اگرچہ اکبر نے خود ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی مگر اس کی بنا پر دوسرے مذہب والوں کی آزادی سلب نہیں ہوئی - اس نے شاہ عباس صفوی کو جو فرمان لکھا ہے۔ اس میں نئے مذہب کی دعوت کے ساتھ ساتھ ایرانی بادشاہ کے بیجا مذہبی تشدد کے خلاف احتجاج بھی شامل تھا - اس فرمان کے چند اجزا کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے[1] :

«آپکو ملک کے انتظام اور عام لوگوں کی بھلائی کے لئے بڑی جد و جہد کرنی چاھئے- ھرچیز میں انتہائی دور اندیشی سے کام لینا چاھئے - اور فتنہ پردازوں کے بہلاوے میں آکر پریشان خاطر نہ ہونا چاھئے- بردباری اور چشم پوشی کو اپنا شعار بنانا چاھئے - آدمیوں کو قتل کرنے اور خدا کی بنیاد ڈھانے میں حد درجہ احتیاط عمل میں لانی چاھئے کیونکہ خود غرض دشمنوں کی حیلہ سازی سے جانی دوستوں کو شربت ھلاھل نوش کرنا پڑا ھے اور بہت سے دوست نما دشمنوں نے عقیدت کا لباس پہنکر حکومت کی بنیاد کھود ڈالی ھے ... آدمیوں کے اسرار و ضمائر کو جاننے کی برابر کوشش کرتے رھنا چاھئے اور اس زندگانی بے بقا کی چند روزہ اقامت کو خدا کی رضا اور خوشنودی سے وابستہ رکھنا چاھئے - عام انسانوں پر جو خدا کی امانت ھیں شفقت کی نظر ڈالنا چاھئے اور انکی تالیف قلب کرتے رھنا چاھئے - تمام انسانون کو بغیر اختلاف مذہب و نسل عام رحمت میں شریک کرنا چاھئے اور انتہائی کوشش کے ساتھ صلح کل کے سدا بہار گلشن کو حاصل کرنا چاھئے - اپنی حکومت کا نصب العین یہ ہونا چاھئے کہ جب خدا ہر مشرب و ملت کے لوگوں پر فیض کا دروازہ کھولکر انکی پرورش کرتا ھے تو بادشاہ چونکہ خدا کے سائے ھیں ان کے لئے یہ ضروری امر ھے کہ اس روش کو ھاتھ سے نہ جانے دیں -

(۱) « دفتر ابوالفضل » ص ۳۰—۳۱ چونکہ اس فرمان میں مرزا جانی بیگ کی شکست اور ملک سندہ اور ٹھٹہ کی فتح اوز مرزا پر نظر عنایت کا ذکر ھی اس سی یہ بات پایۂ یقین کو پہنچ جاتی ھی کہ یہ فرمان سنہ ۱۰۰۱ ھجری کی بعد اسوقت لکھا گیا جب شاہ عباس نی نقطویوں کا قتل عام کردیا تھا جس کا ذکر اس سی پہلی ھوچکا ھی -

خدا نے تو انکو دنیا کے انتظام اور خلق کی پاسبانی کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ عام انسان عزت کی زندگی بسر کرسکیں - لوگ دنیا کے ناپائیدار اور فانی کام میں دیدہ و دانستہ غلطی کے مرتکب نہیں ہوتے تو دین و مذہب کے باقی رہنے والے کام میں تساہلی کیونکر برتیں گے - پس یا تو وہ حق بجانب ہونگے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انکی پیروی کی جائے اور اگر ان سے غلطی ہوگئی ہو اور وہ نادانی کررہے ہوں تو ان پر شفقت کرنا چاہئے، شورش اور سرزنش جائز نہیں»

ہندوستان میں ہر طرح کی مذہبی آزادی اور ہمسایہ ملک ایران کی مذہبی سختی و تنگ نظری کے نتیجے میں غیر مذہب والوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنی جائے پناہ بنائیں- گیارھویں صدی ہجری کے بہت سے بھاگے ہوئے ایرانیوں کی ملاقات «دبستان مذاہب» کے مولف سے ہوئی - چنانچہ اس نے اس سلسلے میں بہت سی مفید اطلاعات فراہم کردی ہیں - بہت سے نقطوی جو مذہبی سختیوں سے تنگ آکر ہندوستان چلے آئے تھے یہاں آزادی سے اپنے مشرب کی تبلیغ کرنے لگے - ان میں سب سے اہم میر شریف آملی تھا - اس نے اکبر کے دربار میں دوسرے مذہبی علماء سے مباحثہ کیا اور شاید اس مباحثہ میں کامیاب ہوجانے پر اکبر نے اس کو ایک بڑی خدمت پر مامور کیا - میر شریف نے محمود پسیخانی کی تحریروں سے ثبوت پیش کرکے اکبر کو دین نو کے اختراع کرنے کی ترغیب دی - اس نے محمود کی پیشینگوئی بیان کی کہ سنہ ۹۹۰ ہجری میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل کو مٹاکر دین حق قائم کریگا - عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے[1] :

«اس سنہ (۹۹۰ ھ) میں ذلیل عالم نما جاہلوں نے اس بات پر دلائل پیش کئے کہ وہ صاحب زماں جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے بہتر[2] فرقوں کے اختلافات رفع کرنے والا ہے وہ آپکی ہی ذات ہے، اور شریف نے محمود پسیخانی کے رسائل سے اس طرح شہادت پیش کی کہ اس نے ۹۹۰ ہجری میں صاحب دین حق کے رونما

---

(۱) «منتخب التواریخ» جلد ۲ ص ۲۸۸—۲۸۹ ذیل عنوان چگونگی پیدائش دین الٰہی -

(۲) ایکن حدیث «تفترق امتی علی ثلاث و سبعین کلھم فی النار الا ملة واحدہ» میں جن ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا ذکر ہو، ان سو مراد صرف مسلمانوں کی فرقی ہیں ہندوؤں کی نہیں -

ہونے کی بشارت دی ہے اور صاحب دین حق سے بجز بادشاہ کے اور کوئی ذات مراد نہیں - مولانا شیرازی جفرداں مکے سے ایک رسالہ لے آیا جس میں تحریر تھا کہ احادیث صحیح کے بموجب دنیا کی سات ہزار سالہ مدت ختم ہوگئی اور اب مہدی موعود کے ظاہر ہونے کا وقت آگیا ہے - اس نے بعد میں ایک رسالہ خود مرتب کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا - بعض لوگوں نے ناصر خسرو علوی (۳۹۴-۴۸۱ ھ) کی طرف منسوب کر کے یہ رباعی پڑھی -

در نہصد وهشتاد و نه از حکم خدا
ایند کواکب از جوانب یکجا
در سال اسد، ماه اسد، روز اسد
از پرده برون خرآمد آن شیر خدا »

« ماثر الامرا »[1] کا بیان جو بدایونی سے ماخوذ ہے، یہ ہے -
«شریف آملی نے تصوف و حقائق میں الحاد شامل کر کے «همه اوست» کا دعوی کیا - وہ علانیہ طور پر علماء سے بحث و جدل کرتا تھا اور محمود کے رسائل سے ثبوت پیش کرتا کہ سنہ ۹۹۰ ھجری میں دین حق کو قائم کرنے والا ظاہر ہوگا - حکیم فیروز نے ناصر خسرو والی رباعی پڑھکر کہا کہ میں نے ناصر کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ شیر خدا کون ہے، اس نے جواب دیا کہ جلال الدین محمد اکبر»

ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ دین الہی کی بنیاد میں نقطویوں کا دخل ضرور تھا - مگر دسویں اور گیارھویں صدی کی اکثر تاریخوں میں اس موضوع کے بارے میں کوئی خاص اطلاع نہیں ملتی، اور مورخوں نے عموماً سکوت اختیار کیا ہے - خافی خاں نے « منتخب اللباب »[2] میں ذکر کیا ہے کہ بدایونی کا بیٹا «منتخب التواریخ» کے انہیں انکشافات کی بدولت جہانگیر کے معرض عتاب میں آگیا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد جہانگیری کے تاریخ نویسوں نے ان واقعات کے ذکر سے عمداً چشم پوشی کی ہے -

(۱) جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ -
(۲) ملاحظہ ہو ایران کودہ ۱۳ - ص ۳۲ حاشیہ ۴ -

حیاتی کاشی اور میر شریف[1] آملی کے علاوہ چند ایرانی پناہ‌گزیں نقطوی ادیب کی اطلاع ہم تک پہنچی ہے مثلاً ۔

(۱) میر تشبیہی کاشی: اسکا نام علی‌اکبر تھا وہ کاشان کے ایک معزز سادات خاندان کا رکن تھا ۔ بدایونی کے قول کے مطابق[2] اسنے الحاد سے متعلق رسائل لکھے ۔ وہ بادشاہ کو شخص معہود جانتا جو عدد (شخص) کے مطابق سنہ ۹۹۰ ہجری میں ظاہر ہوگا ۔ وہ دو تین بار ہندوستان آیا گیا ۔ آخری بار آیا تو نقطوی مذہب میں بڑا راسخ العقیدہ ہوگیا ۔ اس نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جسکا ماحصل یہ تھا کہ اہل تقلید کو ختم کردیا جائے تاکہ حق ایک مرکز پر قائم ہوجائے ۔ اسنے ابوالفضل کے نام نقطوی مذہب کے مطابق ایک رسالہ لکھا جسکا دیباچہ اسطرح تھا ۔

«بالله المحمود فی کل فعاله استعین بنفسک الذی لااله الا هو . . . .

سوال — خلق که گفته شود کدام است

جواب — خلق که گفته میشود الله»

«خلاصة[3] الاشعار» کے مطابق تشبیہی نے بچپن ہی میں شعرا کی صحبت اختیار کی اور کم عمری میں شاعری میں نامور ہوگیا ۔ پھر ہندوستان چلا گیا تو تجرد اور درویش پیشہ ہوگیا ۔ لیکن اہل «نقطه» کی پیروی میں گمراہی کی وادی میں جاپڑا ۔ ذیل کی رباعی سے اس کے خیال کا پتہ چلتا ہے ۔

بحر کرمم، نسبت جود که برم ؟
محو عدمم نام وجود که برم ؟
گویند سجود پیش حق باید کرد
چو من همه حق شدم سجود که برم ؟

اس رباعی کا جواب غیرتی شیرازی نے اس طرح دیا

آنکس که بشرع نیست قائل ز کجا
اثبات کند که گشت واصل بخدا ؟

---

(۱) میر شریف کی متعلق «عرفات عاشقین» میں بھی ہے ۔

«در اوایل قلندرانه و مجردانه سیاحت می نمود ۔ چون بملازمت اکبر شاه رسید به سلطنت و امارت قیام نمود ۔ گویند از امنای پسیخانی بوده» ۔ البته «خلاصة الاشعار» میں میر کا تذکرہ شامل نہیں ہے ۔

(۲) «منتخب التواریخ» جلد ۳ ۔ صفحہ ۲۰۴ ۔ ۲۰۷ ۔ یہاں اوراق بے ترتیب ہیں ۔

(۳) نسخۂ دیوان ہند نمبر ۶۶۸ اوراق ۵۳ ۔ ۵۴

واللہ کہ ہست ثم باللہ کہ ہست
در مذہب ما ریختن خونش روا

«میخانہ» کے مطبوعہ نسخہ میں تشبیہی کا تذکرہ شامل نہیں البتہ اسکے دو خطی[۱] نسخوں میں اسکا ذکر آیا ہے - اگرچہ ان میں تشبیہی کو نقطوی نہیں بتایا گیا ہے لیکن حسب ذیل منقول ابیات سے اس کے نقطوی ہونے کا گمان ہو سکتا ہے :

چوں شمع تا بمہر تو ار زندہ گشتہ ایم
سر دادہ ایم و باز ز سر زندہ گشتہ ایم
ما را کہ کشتہ اند بصد ضربت فراق
دیگر ز یمن فیض نظر زندہ گشتہ ایم
ما را چو آفتاب مساوی ست مرگ و زیست
گر شام مردہ ایم سحر زندہ گشتہ ایم
تشبیہی ار بتیغ سر ما بریدہ اند
سردادہ ایم و باز ز سرزندہ گشتہ ایم

ناظم تبریزی[۲] نے ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ آخر میں جب اسکے عقیدہ میں خلل پیدا ہوا اور وہ وادی الحاد و گمرہی میں جاپڑا تو پھر خاموشی اختیار کرلی اور بیس سال تک خاموش رہا - یہ تذکرہ ۱۰۳۶ ہجری میں مکمل ہوا اس لئے تشبیہی کے خاموش رہنے کی زندگی تقریباً ۱۰۱۶ ہجری سے شروع ہوئی ہوگی -

(۲) وقوعی نیشاپوری[۳] صاحب «مجامع الاخبار»[٤] اکبری کے متعلق بدایونی کا بیان ملاحظہ ہو -

«اسکا نام محمد شریف ہے مگر اسکا الحاد ہر شخص کے الحاد سے بڑھا ہوا ہے - نہ وہ محض پسیخانی ہے اور نہ صباحی بلکہ دونوں

(۱) نسخۂ کتابخانۂ ملک (تہران) اور نسخۂ کتابخانۂ علی گڑھ (مسلم یونیورسٹی) = «میخانہ» کی قلمی نسخوں کی زاید مطالب راقم حروف کی طرف سی «اورینٹیل کالج میگزین» لاہور کی تین شماروں (نومبر ۵٦، فروری ۵۷ مئی ۵۷) میں شایع ہوچکی ہیں - تشبیہی کا حال آخری شمارو کی صفحات ۱۰۷ تا ۱۰۹ پر ملی گا - «عرفات عاشقین» (ورق ۱٦۵) کی اس عبارت میں اس کو «ملامتی» بتایا گیا ہی :

«ہمیشہ در گورستان بسر بردی، و پیوستہ در زمرۂ ملامتیہ بر آمدی، و سنگ طعنۂ اطفال بر پشت و پہلوی سلوک خوردی»

(۲) «نظم گزیدہ» ورق ۲۲۵ الف (۳) «منتخب التواریخ» جلد ۳ ص ۸۷۳ ۹۷۳ -

(٤) اس تاریخ کا ایک روٹوگراف مسلم یونیورسٹی شعبۂ تاریخ میں موجود ہی

کے بین بین ہے - وہ تناسخ کا قائل ہی نہیں بلکہ اسمیں بہت راسخ ہے - ایک مرتبہ میرے مکان پر آیا اور پتھر کے تودوں کو دیکھکر حسرت سے کہا کہ افسوس یہ بیچارے منتظر ہیں کہ کب قالب انسانی میں آئیں »

(۳) مولانا صوفی مازندرانی - اس کے بارے میں تقی کاشی[1] کا بیان یہ ہے :

«ابتدآے جوانی میں اسکو سیاحت کا شوق غالب ہوا تو عراق آیا اور صوفیوں سے بڑا ربط و ضبط پیدا کیا - کچھ دنوں سلوک میں مصروف رہنے کے بعد شاعری کی طرف متوجہ ہوا - اور اس میں نام پیدا کیا - ساتھ ہی پیری و مریدی کا سلسلہ قائم رکھا - اس کے بعد وہ شیراز میں سکونت پذیر ہو گیا - یہاں اسکے معتقدوں کی تعداد کافی بڑھ گئی لیکن ان ہی ایام میں کفر و الحاد اور نقطوی ہونے کا الزام لگایا گیا - اور اس کی بدنامی کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی بھی اس سے ملتا وہ لوگوں کی نظروں میں کھٹکنے لگتا - اس کے اشعار سے اس کے نقطوی ہونے کا بخوبی ثبوت ملتا ہے - آخر بدنامی اور سزا کے خوف سے وہ شیراز سے نکل کھڑا ہوا اور اب[2] ہندوستان میں اپنے ہم مشربوں اور دوستوں کے ساتھ اپنی زندگی اطمینان سے بسر کر رہا ہے[3] »

« میخانہ » میں مولانا کے نقطوی ہونے کا ذکر تو نہیں ہے مگر وطن سے نکلنے کی جو وجہ لکھی ہے اس سے اس کے نقطوی ہونے کا قطعی گمان ہوتا ہے اس زمانے کے بعض مصنفوں کی طرح « میخانہ » کا مولف بھی نقطوی فرقہ کے متعلق کھل کر گفتگو نہیں کرنا چاہتا - مثلاً لکھتا[4] ہے :

---

(۱) « خلاصۃ الاشعار » کی ۹۹۳ ھجری والی نسخی میں مولانا محمد کا حال نہیں ہی - البتہ اور تمام نسخوں میں موجود ہی، مثلاً ملاحظہ ہو نسخۂ دیوان ہند نمبر ٦٦٧ ورق ١٥٧١ ب ببعد

(۲) تقریباً ۱۰۱۰ ھجری

(۳) مولف « عرفات » نی احمد آباد گجرات میں مولانا سی ملاقات کی تھی « « عرفات » سی معلوم ہوتا ہی کہ اخر میں اسکی تعلقات نظیری سی یہانتک نا خوشگوار ہوگئی تھی کہ وہ نظیری کی مرض موت میں بھی نہیں گیا البتہ جنازہ میں شریک ہوا تھا - (فہرست بانکی پور جلد ۳ ص ٦١) البتہ ناظم تبریزی نی (« نظم گزیدہ » ورق ۲۷٦) اسکی نقطوی ہونی کا ذکر نہیں کیا ہی -

(٤) مطبوعہ ص ۳٤٥

«ابتدائے زندگی میں شوق سیاحت کا غلبہ ہوا تو مولانا محمد صوفی وطن سے سے شیراز آگیا اور ایک مدت تک یہاں سکونت اختیار کی۔ یہیں اس کی شاعری کو فروغ ہوا۔ آخر کار ایک ایسی تقریب کی بنا پر جسکا ذکر نا منا سب ہے وہاں سے بھی نکل کھڑا ہوا»

(٤) باقر کاشی کے نقطوی ہونے کی داستان بڑی دلچسپ ہے اور ہم عصر تذکروں میں پوری تفصیل درج ہے۔ جسکو مختصراً ذیل میں پیش کیا جاتا ہے عرفات[1]:۔

«راقم حروف شاہ عباس کے ساتھ قزوین سے اصفہان جا رہا تھا۔ جب کاشان پہنچا تو میر سید احمد کاشی سر گروہ پسیخانی کو مع اسکے مریدوں کے شاہی حکم کے مطابق قتل کر ڈالا۔ اس زمانہ میں درویش خسرو اور یوسفی وغیرہ اس جرم میں قتل ہوئے۔ سید[2] احمد کاشی کے خطوں میں باقر کا بھی ایک خط نکلا جس سے اسکا نقطوی ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ جب اسکے قتل کی باری آئی تو اس نے شاہ سے معذرت شروع کی کہ میں اس گروہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور ایک نقطوی پر عاشق ہوں اور میرا عشق اسوقت تک بار آور نہیں ہوسکتا تھا جب تک اس جماعت سے عقیدتمندی کا اظہار نہ کرتا۔ بادشاہ نے اس کا خون معاف کر دیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد وہ ہندوستان چلا آیا اور بیجاپور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی سے وابستہ ہو گیا»۔

میخانہ[3]:۔ «باقر جوانی میں سید احمد کاشی کے لڑکے پر عاشق ہوا چنانچہ جب سید مذکور نقطوی مذہب کی پیروی کے جرم میں پکڑا گیا تو باقر بھی زد میں آگیا۔ جب باقر کے قتل کی باری آئی تو اس نے محمود پسیخانی کی خدمت میں ایک قطعہ شاہ عباس کی خدمت میں پیش کیا پھر باقر نے میر کے لڑکے کے ساتھ اپنے ارتباط کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

---

(۱) ورق ۱۵۳ الف

(۲) «مجمع النفائس» اور «صحف ابراہیم» میں بھی میر کا ذکر ضمناً آگیا ہے اور دونوں جگہ اسے محمود ملحد کا پیرو (امناء) بتایا گیا ہے۔

(۳) نسخۂ خطی ورق ۲۹۰ بعد

، اگر از در الحاد نمی آمدم راهم بسوئے مطلوب نمیداد بنا بران درمیان این فرقه در آمدم،

بادشاه کو باقر کی بیگناهی کا پورا یقین هو گیا - اس کی جان بخشی هوئی بالاخر وه دکن ابراهیم عادل شاه کے دربار سے منسلک هوگیا - »

ماثر رحیمی[1] : ایک بار ایک ایسی تهمت کی بنا پر جو باقر جیسے لوگوں پر کبھی صحیح نہیں هو سکتی اور اس طرح کے موحدون کو ملحد ٹھرانا بڑی نادانی هے شاه عباس کے حکم سے راقم حروف کے بھائی آقا خضر حاکم کاشان کے پاس ایک سال تک قید میں رها - کمترین اکثر اس کے پاس آمدورفت رکھتا - یہاں تک که اس کی بیگناهی پوری طرح عیاں هوگئی اور وه عنایات شاهی سے بہرہور هوا - کچھ دنوں بعد وه هندوستان چلا آیا - »

ان تینوں بیانات کی تفصیلات میں جزئی اختلاف هے - مگر یه بات پوری طرح ثابت هے که باقر دین نقطوی کے جرم میں ماخوذ هوا اور منجمله اور وجوه کے هندوستان چلے آنے کی یه بھی ایك وجه هو سکتی هے -

(٦) حکیم عبادالله کاشانی[1] وه مجموعه فضائل کے ساتھ نقطوی بھی تھا - سنه ۱۰۰۵ هجری کے قریب هندوستان آیا - اور اکثر اوقات لاهور میں مقیم رها - تقریباً سنه ۱۰۲۵ میں جهانگیر کے دربار میں حاضر هوا تو سرکاری وظیفه اسکے نام جاری هوگیا جو اسے برابر ملتا رها -

(۷) عبدالغنی یزدی[2] «عرفات» کے بیان[3] کے مطابق عبدالغنی ۱۰۲۲ هجری میں آگره آیا اور الله مرکبی کے نام سے موسوم هوا - اسکی وجه یه تھی که وه رندمشرب تھا اور یزد میں نقطویون کی صحبت میں پڑ گیا - جب جهانگیر کے دربار میں حاضر هوا تو سلام کے بجائے اس کی زبان پر «لااله‌الاالمرکب‌المبین» جاری هو گیا -

(۱) جلد ۳ صفحه ۷٦۲ - ناظم تبریزی نی اس‌کو نقطوی تو نہیں بتایا هی مگر طریق انصاف و حسن خلق میں اسکی کجی و کوتاهی کا ذکر کیا هی (« نظم گزیده » ورق ۲۲۱ الف) « خلاصة الاشعار » میں باقر کاشی کا تذکره شامل نہیں - البته اس نام کا ایک اور شاعر شامل هی - خان آرزو نی « مجمع‌النفائس » (ورق ۵۷ - ۵۸) میں باقر کی ماخوذ هونی کی داستان بڑی تفصیل سی بیان کی هی جو عموماً « عرفات » کی بیان کی مشابه هی -

(۲) « عرفات عاشقین » ورق ۵۰۰ الف

(۳) ورق ۲۲۵ الف

بادشاہ بہت متعجب ہوا تو لوگوں نے محمود پسیخانی کے اسرار سربستہ کا ذکر کرتے ہوئے عبدالغنی کو پسیخانی جماعت کا ایک فرد بتایا - مگر تحقیق کے بعد اسکا نقطوی ہونا مشتبہ قرار پایا -

(۸) میر مومن ادائی[1] : اس کے متعلق «تذکرۂ نصر آبادی» میں ہے :

«وہ خوش فکر شاعر ہے خصوصاً رباعی بہت اچھی لکھتا ہے - تیس سال سے ہندوستان میں مقیم ہے - ترک وطن کی وجہ تہمت الحاد ہے مگر حاجی مطیعا نے اس کے زہد اور اتقا کی تعریف کی - »

تذکرۂ نصرآبادی (۱۰۸۵ ہجری) میں مرتب ہوا اس اعتبار سے تقریباً سنہ ۱۰۵۵ میں عہد شاہجہانی کے وسط میں ادائی ہندوستان آیا ہوگا -

(۹) تقی پیرزاد کے بارے میں ماثر رحیمی[2] میں ہے کہ اسکی اصل تو مازندران سے ہے مگر اسکا باپ مشہد میں متوطن ہوگیا تھا - تقی بہت وسیع المشرب تھا - اس لئے اس پر الحاد کا الزام لگاتے ہیں -

اگرچہ میر مومن اور تقی پیرزاد کو صراحۃً نقطوی نہیں بتا گیا ہے لیکن چونکہ اس زمانہ میں نقطویوں کو عموماً ملحد و بے دین کہتے تھے - اس لئے گمان ہوتا ہے کہ یہ الحاد زندقہ و دین نقطہ کے علاوہ کچھ نہ رہا ہوگا -

صرف اتنے ہی نقطویوں اور دین نقطوی کی پیروی کے ملزموں کے نام ہم تک پہنچتے ہیں جو ایران سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوگئے لیکن اگر تاریخوں، تذکروں اور دسویں، گیارھویں اور بارھویں صدی کی دوسری تحریروں کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو بہت سے اور نقطویوں کا حال ہم کو معلوم ہوجائے گا -

اس گفتگو کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اس اہم تحریک کی طرف منعطف کرانا مقصود ہے جس کی بابت ہماری معلومات بہت کم ہیں لیکن جس کی اہمیت ہندوستان کی تاریخی و تمدنی مطالعے میں کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتی -

ماخذ

جہاں تک مجھے علم ہے سوائے ڈاکٹر صادق کیا، استاد دانشگاہ تہران کے

---

(۱) اس تخلص کا ایک اور شاعر ناظم تبریزی کا دوست تھا جو سنہ ۱۰۳۰ ہجری میں ہندوستان آیا اور دکن میں مقیم ہوگیا تھا «نظم گزیدہ» ورق ۲۱۷ «ریاض الشعرا» نسخہ علی گڑھ نمبر ۱۳۷ ص ۵۹ پر ہو کہ میر مومن ادائی الحاد کی باوجود سورت میں زہد و اتقاکی زندگی بسر کر رہا تھا -

(۲) جلد ۳ ص ۱۰۵۷ -

رسالہ « نقطویان یا پسیخانیان » (ایران کوده شماره ۱۳ ـ ۱۳۲۰) کے کوئی دوسری کتاب کسی زبان میں اس موضوع پر نہیں پائی جاتی ـ ہم سب لوگ ڈاکٹر موصوف کے نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ایک اہم تحریک سے علمی دنیا کو روشناس کیا ـ میرا اصل ماخذ وہی رسالہ ہے ـ ڈاکٹر کیا نے اپنے ماخذ کے سلسلے میں ۳٤ قلمی و مطبوعہ کتابیں گنائی ہیں ان میں سے بیشتر میرے مطالعہ میں بھی آچکی ہیں ـ لیکن میں نے خصوصیت سے صرف ۱۵ کتابوں سے استفادہ کیا ہے ـ ان کے علاوہ ڈاکٹر موصوف کے ماخذ میں پانچ اور کتابوں کا اضافہ ہوا ہے یعنی «نظم گزیدہ» تالیف ناظم تبریزی، «میخانہ» تالیف عبدالنبی فخرالزمانی، «مجمع النفائس» تالیف خان آرزو، «لغت نامۂ دهخدا» اور « دیوان حافظ » ان کی مدد سے ڈاکٹر موصوف کے فراہم کئے ہوئے مواد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے ـ «ریاض الشعرا» تالیف والہ داغستانی، رسالۂ «نقطویان یا پسیخانیان» کے ماخذ میں شامل نہیں البتہ ڈاکٹر کیا نے اپنی دوسری تالیف «واژه نامه گرگانی» میں اس سے استفادہ کیا ہے ـ مجھے اس مقالہ کی تیاری میں « ریاض الشعراء » سے بھی مدد ملی ـ خطی نسخوں میں «خلاصة الاشعار» کے چار نسخے ڈاکٹر کیا کے ماخذ میں ہیں یہ چاروں نسخے میرے مطالعہ میں بھی آئے ان کے علاوہ مجھے اس تذکرہ کے ایک ہندوستانی نسخہ کے بھی مطالعہ کا موقع مل گیا ۔

محمود شاہ تغلق کے ایک فرمان کی بابت آزاد بلگرامی کی شہادت

قدیم فرامین و دستاویزات وغیرہ کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں - ویسے قلمی کتابیں کافی پرانے زمانے کی دستیاب ہوچکی ہیں مگر قدیم عہد کے فرمان بہت کم مل سکے ہیں - اس سے اندازہ ہو تا ہے کہ سرکاری کاغذات کے محفوظ اور عام کرنے کی طرف ہمارے بزرگوں کی توجہ کم ہوئی - خیال ہوتا ہے کہ بعض خانگی امور اور سرکاری مصالح ان کاغذات کے منظر عام پر لانے میں مانع رہے ہوں گے - بہر حال ان امور کے نتیجے میں دنیا کے کتب‌خانوں اور عجائب‌خانوں میں قدیم فرامین، سجلات، قبالہ جات اور دوسرے سرکاری کاغذات کی تعداد بہت کم ملتی ہے -

☆ ☆ ☆ ☆
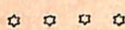
ہندوستان میں قصبۂ بلگرام نہایت قدیمی قصبہ ہے جس کا سراغ اسلامی عہد سے پہلے ملتا ہے - اسلامی دور کی علمی اور تہذیبی ترقی میں اس قصبے کا اہم حصہ رہا ہے - یہاں کے بعض گھرانوں میں قدیم زمانے کے سرکاری کاغذات اب تک محفوظ ہیں - اور اگر مولف «شرائف عثمانی»[1] اور دوسری اور شہادتوں پر اعتماد

(۱) مولف غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی نے ۱۱۵۹ ہجری میں آزاد بلگرامی کی کتاب «مآثرالکرام» کے جواب میں یہ کتاب لکھی تھی، اگرچہ «مآثرالکرام» کے خاتمے کی تاریخ ۱۱۶۶ ھ ہے مگر اس کا مسودہ ۱۱۵۰ ہجری میں تیار ہو چکا تھا - اور مولف کے حج پر جانے کی وجہ سے نظر ثانی نہ ہوسکی بعد حج دکن میں نظر ثانی ہوئی - معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۶۶ ھ سے قبل ہی کوئی نسخہ دکن سے بلگرام آگیا جس کے جواب میں فرشوری نے «شرائف عثمانی» لکھی - یہ اہم کتاب اب تک قلمی شکل میں ہے -

کیا جائے تو ۴۲۱ ھجری (عہد محمود غزنوی) کے دو فرمان بارھویں صدی ھجری کے بہت بعد تک بلگرام میں موجود تھے اور گمان یہ ھے کہ اب بھی موجود ہوں گے - یہ فرمان بخط کوفی یا شبیہ بکوفی تھے، جو «شرائف عثمانی» میں نقل کر دئے گئے ھیں۔ اسی کتاب میں ایک اور فرمان کا ذکر ھے جو ۴۰۹ ھجری کے کچھ ھی بعد لکھا گیا تھا - ان کاغذات کے علاوہ جو نہ صرف تاریخی اعتبار سے نہایت درجہ اھم ھیں، بلکہ فارسی خط کے قدیم ترین نمونے[۱] ھونے کی بنا پر خط کی تاریخ کے متعین کرنے میں مفید ھوسکتے ھیں، بعض اھم کاغذات بلگرام میں عرصے تک موجود تھے - ان میں دو سجل مرقومہ ۴۳۸ ھجری و ۵۹۰ ھجری جو جناب شریف الحسن صاحب بلگرامی (ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ) کے پاس منجملہ اور نہایت قیمتی کاغذات کے محفوظ ھیں، خصوصیت سے قابل ذکر ھیں - ان کے متعلق آیندہ کسی صحبت میں گفتگو کی جائے گی۔

✡ ✡ ✡ ✡

حال ھی میں راقم کے مطالعے میں امین احمد رازی کی مشہور کتاب «تذکرۂ ہفت اقلیم» (تالیف ۱۰۰۴ ھ) کا وہ قلمی نسخہ رھا جو مسلم یونیورسٹی لائبریری کی ملک ھے - یہ نسخہ بعض لحاظ سے بہت اھم ھے :

(۱) اس کا تعلق بلگرام کے مردم‌خیز قصبے سے رھا ھے -

(۲) یہ نسخہ نوازش علی بن عظمت اللہ بن لدھا شاہ کی خواھش پر مختلف کاتبوں کی کوشش سے مکمل ھوا، ۱۱۴۶ ھجری میں اس کی کتابت شروع ھوئی اور ۱۱۵۰ ھجری سے پہلے تیار ھوگیا - خود نوازش علی کے ھاتھ کا ترقیمہ یہ ھے :

> «الحمدللہ و المنۃ کہ این کتاب مسمی «ہفت اقلیم» از فضل رب‌الارباب مطابق خواھش فقیر حقیر نوازش‌علی[بن] عظمت‌اللہ بن لدّھا شاہ قدس سرہ بخط مختلف بسرحد انجام رسید. اجزای اوّل قریب شانزدہ جز از خط شیخ عباداللہ ملا و باقی قریب چہل و پنج جز از خط صاحبی مشفقی میر سید احمد عبداللہ و جاوبجا صفحۂ ورقی از خط دیگران الخ»

(۳) میر نوازش علی بلگرام کے سادات واسطی سے تعلق رکھتے تھے - ۱۱۲۴ ھجری میں پیدا ھوئے - ۱۱۶۷ ھجری میں وفات پائی، بڑے ذی‌علم بزرگ تھے،

(۱) فارسی خط کی قدیم ترین دستیاب کتاب «کتاب الابنیہ» ھے جس کا ایک نسخہ ۴۴۷ ھجری کا ویانا میں موجود ھے دوسری کتاب «شرح تعرف» ھے جس کا ایک نسخہ ۴۷۳ ھجری کا پیشاور میں ھے -

علمی فضیلت کے ساتھ شاعری میں بھی دستگاہ بہم پہنچائی تھی، «فقیر» تخلص کرتے تھے - آزاد بلگرامی نے «ماثرالکرام» کی دونوں جلدوں میں میر مذکور کا حال لکھا ھے -

(٤) میر عظمت‌اللہ بڑے پائے کے صوفی اور شاعر تھے، «بیخبر» تخلص کرتے تھے، آزاد بلگرامی کے عزیز قریب اور دوست تھے، دونوں نے بلگرام سے دھلی کا سفر ساتھ ساتھ کیا تھا - ان کی تصانیف میں ایک تذکرہ «سفینۂ بیخبر» ھے - ٢٤ ذی‌قعدہ ١١٤٢ ھجری کو دھلی میں وفات پائی اور سلطان المشائخ کے مزار کے جوار میں مدفون ھوئے - ان کا کلام مدون ھو چکا تھا، کل اشعار کی تعداد تقریباً ٧ ھزار بیت تھی، «ماثرالکرام» کے دونوں حصوں میں میر عظمت‌اللہ کا تذکرہ شامل ھے -

(٥) شاہ لدھا کا نام میر لطف اللہ بلگرامی تھا، یہ اپنے دور کے بڑے باکمال عارف تھے، آزاد بلگرامی نے ١١٣٧ ھجری میں انھیں کے ھاتھ پر بیعت کی تھی اور «انیس‌المحققین» میں دراصل انھیں کی سیرت کا خاکہ پیش کیا گیا ھے - «ماثرالکرام» کی جلد اول میں شاہ صاحب کے حالات مندرج ھیں - ١٤ جمادی‌الاول ١١٤٣ ھجری میں فوت ھوئے -

(٦) حصۂ دوم کے کاتب میر سید احمد عبداللہ غالباً سید احمد بلگرامی بن سید عبداللہ، سید غلام مصطفیٰ کے بھائی اور شاہ لدھا کے بھتیجے تھے، اس طرح میر نوازش‌علی مالک نسخۂ «ھفت اقلیم» کے، رشتے کے چچا ھوتے تھے، احمدشاہ ابدالی کے ھاتھوں ١١٦١ ھجری میں سہرند میں شہید ھوئے، شاعر تھے اور «احمدی» تخلص کرتے ان کے حالات «ماثرالکرام» جلد دوم میں مندرج ھیں -

٭٭٭٭

«ھفت اقلیم» کے اس نسخہ کے خاتمے پر بقدر ٦ سطروں کے ایک تحریر ھے جو اس وقت الگ سے دوسرے ورق پر پیوست ھے - اس صفحے کی تحریر حسب ذیل ھے:

فرمان محمود شاہ بن محمد شاہ بن فیروزشاہ کہ ازروی فرامین سلاطین ماضیہ بابت عشر پرگنۂ بلگرام بسادات عظام‌تحریر السابع والعشرین من ربیع الآخرسنہ خمس و ثمان مائۃ - وطغرای آن این عبارت است -
«الواثق بتائیدالرحمن ابو المحامد محمود شاہ بن محمد شاہ بن فیروزشاہ السلطان»

بتاریخ دوازدہم جمادی الآخر روز یکشنبہ خمسین و مائۃ والف ، بندہ سید غلام علی و سید محمد یوسف بچشم خود مشاہدہ کردہ سنہ و تاریخ تحریر فرمان و عبارت طغرا درینجا ثبت نمودم « اللھم صل علی محمد و آلہ »

اس تحریر کے سلسلے میں چند قابل توجہ باتیں حسب ذیل ھیں :

(۱) یہ تحریر علامۂ آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ - ۱۲۰۰ھ) کے ھاتھ کی ھے - اگرچہ اس میں صرف ان کا نام سید غلام علی درج ھے مگر اس سے سوائے آزاد کے کوئی دوسرا شخص مراد نہیں - اس قیاس کے قراین حسب ذیل ھیں -

(الف) یہ نسخہ آزاد کے ھم وطن اور معاصر میر نوازش علی نے تیار کرایا تھا - میر مذکور سے آزاد مرحوم کے دیرینہ خاندانی تعلقات تھے -

(ب) آزاد کی دوسری تحریر سے یہ تحریر بالکل مشابہ ھے -

(ج) آزاد نے « ماثرالکرام » میں اسی فرمان کا ذکر اس طرح کیا ھے :

و فرمان عشر از سلطان شمس الدین [التتمش] حاصل کرد ، و از آن عہد تا زمان سلطان سکندر لودی محصول «دہ یکی» در پرگنۂ بلگرام معمول بود - و از عہد بابر بادشاہ سررشتہ قدیم برھم خورد و فرمان محمود شاہ بن محمد شاہ بن سلطان فیروزشاہ فرمانروای دھلی بابت عشر بلگرام راقم الحروف بچشم خود مشاہدہ کرد - این عبارت از آن فرمان است کہ 'چنانچہ درعہد سلاطین ماضیہ عشر عین غلہ دادہ اند ھم برآن جملہ بدھند ' در آخر فرمان تاریخ تحریر چنین درج است :

فی السابع والعشرین من ربیع الآخر ۸۰۵ خمس و ثمان مائۃ ،

(۲) سید محمد یوسف جن کو آزاد نے بطور گواہ کے پیش کیا ھے وہ آزاد کے خالہ زاد بھائی اور ھم عمر تھے - ۱۱۱۶ ھجری میں پیدا ھوئے ، ان کے والد سید محمد اشرف اور نانا میر عبدالجلیل بلگرامی تھے ، آزاد اور سید محمد یوسف نے درسی کتابیں میر طفیل محمد بلگرامی سے اور لغت و حدیث و سیر ، میر عبدالجلیل سے اور عروض ، میر سید محمد بلگرامی سے سیکھا - پھر دونوں شاہ لدھا سے مرید ھوئے - میر مذکور نے علم ریاضی میں بڑی دستگاہ بہم پہنچائی تھی اور مذھبیات سے بھی کافی دلچسپی تھی چنانچہ ۱۱۶۲ ھجری میں ایک کتاب « الضرع النابت من الاصل الثابت » نام سے لکھی - آزاد بلگرامی نے اسکی تاریخ کہی تھی - میر کے حالات « ماثرالکرام » کی

دونوں جلدوں میں مندرج ہیں -

آزاد بلگرامی کا ایسے مخلص دوست کو اپنی تحریر میں بطور شاہد کے پیش کرنا بالکل فطری ہے -

(۳) آزاد بلگرامی کی یہ تحریر ۱۲ جمادی الآخر ۱۱۵۰ ھجری کی ہے، اس تاریخ میں وہ بلگرام میں موجود تھے - خود ان کے اپنے قول کے مطابق وہ بروز دوشنبہ ۳ رجب ۱۱۵۰ ھجری کو بلگرام سے بغرض حج روانہ ہوئے، گویا اس تحریر کے بیس روز بعد وہ بلگرام سے چلے گئے اور غالباً درمیان میں کبھی ایک بار آئے ہوں تو ہوں باقی عمر دکن ہی میں گذاردی اور وہیں کی زمین کے پیوند ہوگئے -

(٤) طغرا میں جو الفاظ ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو دکن کے بعض فرامین میں پائے جاتے ہیں - ڈاکٹر یوسف حسین خاں، پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰-۸۲۵ ھ) کا جو فرمان شائع کررہے ہیں اس کے طغرا کے الفاظ یہ ہیں :

'الواثق بتائید الرحمان ... السلطان'

(٥) اس فرمان اور «ماثرالکرام» کی مندرجۂ بالا تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ بلگرام میں دسواں حصہ لگان لینے کا رواج قدیم عہد سے تھا - بابر بادشاہ نے اس رواج کو ختم کیا -

(٦) تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود شاہ کا لقب ناصرالدین تھا - یہ بادشاہ تغلق خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ۷۹٦ ھجری میں تخت نشین اور ۸۱٤ ھجری میں فوت ہوا - اس کا نام اور لقب وہی تھا جو غلام خاندان کے خداترس بادشاہ ناصرالدین بن سلطان التتمش کا تھا جس نے ٦٤٤ ھجری سے ٦٦۳ ھجری تک حکومت کی - مگر اس لقب کے برخلاف فرمان مذکور میں محمود تغلق کا نام ابوالمحامد سے شروع ہوتا ہے -

✿ ✿ ✿ ✿

اگرچہ محمود شاہ نام کے کئی بادشاہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں گذرے ہیں مگر زیر نظر فرمان میں سلطان محمود شاہ سے مراد تغلق خاندان کا بادشاہ ہے جو سلطان فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۹ ھ) کا پوتا تھا - اس قیاس کی بنیاد ان امور پر ہے -

(۱) «ماثرالکرام» میں واضح طور پر اس کا نام اس طرح پر آیا ہے :

'محمود شاہ بن محمد شاہ بن سلطان فیروز فرماں روای دہلی'

فرماں روائے دہلی سے واضح ہے کہ یہ تغلق خاندان کا بادشاہ تھا -

(۲) اس نام کا کوئی اور بادشاہ ۸۰۵ ھجری میں سریرآرائے سلطنت نہ تھا - محمود شاہ بہمنی (۸۸۷-۹۲۷ ھ)، محمود شاہ خلجی (۸۳۹-۸۷۳ ھ)، محمود شاہ گجراتی (۷۶۷-۹۲۷ ھ) بعد کے بادشاہ ھوئے ھیں -

(۳) کسی ھمنام بادشاہ کے باپ دادا کا یہ نام نہ تھا -

(٤) بادشاہ کا شمالی ھندوستان سے تعلق «ماثرالکرام» کے صریحی بیان کے علاوہ اس سے بھی ظاھر ھے کہ بلگرام کا تعلق سلطنت دھلی ھی سے ھوسکتا ھے دکن، مالوہ یا گجرات سے نہیں -

☆ ☆ ☆ ☆

محمود شاہ تغلق کا دور بڑے انتشار و اختلال کا دور تھا، شروع کے دو تین سال اطمینان سے گذرے ھوں تو ھوں لیکن تیمور کے حملے سے اے کراس کی وفات تک کی ۱۳، ۱٤ سال کی مدت نہایت غیر اطمینانی سے بسر ھوئی - تیمور کی واپسی کے بعد سلطنت کے سارے صوبےدار خود مختار ھوگئے اور اپنی منمانی حکومت کرنے لگے - ۸۰٤ ھجری میں محمود شاہ، ظفر خاں سے رنجیدہ ھوکر مالوہ چلاگیا مگر ملو اقبال خاں کے التماس پر دوبارہ دھلی آیا اور صرف برائے نام بادشاہ رھا - امور بادشاھی میں ملو اقبال خاں کا اتنا دخل تھا کہ بادشاہ کچھہ بھی نہیں کرسکتا تھا - اسی سال مبارک شاہ جونپور میں فوت ھوا، ملو اقبال خاں موقع سے فائدہ اٹھاکر جونپوری فوج پر حملہ آور ھوا، مگر باوجود اس کے کہ خود محمود شاہ، ملو اقبال خاں کے ھمراہ تھا دھلی کی فوج ناکام رھی - محمود شاہ ملوکے بڑھتے اقبال سے خائف تھا ھی، وہ ابراھیم شاہ سے جو مبارک شاہ کا جانشین ھوا تھا اور جسکی قابلیت کی وجہ سے دھلوی فوج کو شکست ھوئی تھی، خفیہ طور پر شکار کے بہانے سے جاملا - مگر ابراھیم نے بادشاہ کے ساتھہ نہایت خراب برتاؤ کیا جس سے محمود کی ساری امیدیں ختم ھوگئیں - مجبوراً سلطان قنوج کی طرف آیا اور وھاں سے ابراھیم شاہ کے حاکم کو نکال کر اس پر متصرف ھوگیا - یہ واقعہ ۸۰۵ ھجری میں رونما ھوا - اس سے صاف ظاھر ھے کہ زیر بحث فرمان کے لکھتے وقت محمود شاہ قنوج ھی میں مقیم تھا - قنوج اور بلگرام آمنے سامنے ھیں اور ان کے درمیان صرف دریائے گنگا حائل ھے -

فارسی کا مستقبل ہندوستان میں

اکثر پوچھا جاتا ہے کہ فارسی کا مستقبل ہندوستان میں کیا ہے - یہ سوال اس پوشیدہ جذبے کی غمازی کرتا ہے جسکی تہ میں فارسی کے زوال کا خطرہ روپوش ہے - یہ خطرہ کسی حد تک بجا ہے اسلئے کہ جو زبان کئی صدیوں تک ہندوستان میں نہ صرف سرکاری زبان رہی ہو بلکہ جس نے علم و تہذیب کے جملہ شعبوں کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہو جس کے جاننے والے ہر دور میں لاکھوں کی تعداد میں موجود رہے ہوں جس سے واقفیت مہذب ہونے کی دلیل سمجھی جاتی رہی ہو وہ اس ہندوستان میں اجنبی ہوتی جاتی ہے اسکے جاننے والوں کی تعداد انگشت شمار ہوگئی ہے اسکا معیار پست ہوتا جارہا ہے اور اسکے انحطاط کی رفتار مسلسل اور مربوط ہے - آج کی صحبت میں اس موضوع پر چند باتیں پیش کی جارہی ہیں مگر یہ بہت اہم موضوع ہے اور اس بنا پر اس سلسلے میں تقریراً و تحریراً بہت کچھ کہنے کی ضرورت ہے - اس کا افسوس ضرور ہے کہ جو لوگ معاملے کی نزاکت سے واقف ہیں وہ بھی بد دل ہوچکے ہیں - وہ انحطاط کے اسباب کے دفعیے کو مشکل بلکہ ناممکن تصور کرتے ہیں - مگر میرا خیال ہے کہ صورت حال کا اگر صحیح جائزہ لیا جائے تو ابھی کام کرنے اور معاملے کو سلجھانے کا موقع نہیں گیا ہے - اگر بجا طور پر کوشش کی گئی تو تنزل کی رفتار رک سکتی ہے اور اگر اس طرف معقول توجہ نہ کی گئی اور مسئلے کو حل کرنے کی تدبیر نہ سوچی گئی تو اس سے ناقابل تلافی ملکی قومی لسانی اور تہذیبی نقصان ہوگا - اسکی ذمہ داری بیشتر ہمارے سر ہوگی اور علمی دنیا ہماری کوتاہی کو کبھی نہ معاف کریگی - فارسی زبان کا مسئلہ صرف زبان تک محدود نہیں یہ تہذیبی قومی اور ملکی مسئلہ بن چلا ہے -

فارسی کا مستقبل خود اسکے ماضی کی روایات کی تشریح و توضیح پر منحصر ہے - یوں تو ہندوستان اور ایران کے روابط کا نشان حضرت عیسیٰ سے کئی ہزار قبل

سے ملتا ہے لیکن اس سلسلے کی تحقیقات ابھی نامکمل ہیں اسلئے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی البتہ اتنا مسلم ہے کہ اوستائی دور میں ان دونوں ہمسایہ ملکوں کے تعلقات استوار ہوچکے تھے - خود اوستا میں ہندوستان کا ذکر ملتا ہے اور لسانی اعتبار سے اوستا کا قدیم ترین حصہ گا تھا وید سے اتنا مشابہ ہے کہ دونوں کی زبان کے ایک ہی رشتے میں منسلک ہونے میں کسی قسم کا شک ہی نہیں رہ جاتا - ہخامنشی دور میں سندھ ایرانی حکومت کا جز تھا اور ہندوستانی سپاہی ایرانی لشکر میں شامل تھے - اسی میل جول کا نتیجہ اشوک کی لاٹ کے کتبے معلوم ہوتے ہیں جو ہخامنشی دور کی میخی تحریروں کی یادگار ہیں - اس دور کی تعمیرات کی صدائے بازگشت ہندوستان کی نئی کشف کی ہوئی عمارتوں میں ملتی ہے - ساسانیون کے دور میں دونوں ملکوں کے تعلقات کا بخوبی ثبوت فراہم ہوتا ہے - جندے شاپور کے مدرسے میں ہندی اطبا کی خاصی تعداد موجود تھی - خلفاے عباس کے دربار کے ہندی مترجمین کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جن کی کوششوں سے ان دونوں ملکوں کے علمی روابط مستحکم ہورہے تھے -

ایران اور ہندوستان کے علمی و تہذیبی تعلقات اسوقت مستحکم ہوئے جب ایرانی قافلہ درہ خیبر کی راہ سے بغرض فتوحات ملکی ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہوا - محمود غزنوی ہو یا محمد غوری دونوں نے ہندوستان پر گہرے نقوش چھوڑے - ان کے سرداروں نے ملک کے دوسرے حصوں میں قیام کرکے فارسی کو مقبول بنانے میں نمایاں کام انجام دئے - جہاں ایک طرف یہ ملک گیر تھے وہیں دوسری طرف خواجہ معین الدین چشتی اور شیخ عثمان ہجویری مع اپنے رفقا کے سرزمین ہند میں اخوت اور اخلاص کا درس دے رہے تھے - ان امور کے نتیجے میں ہندوستان کے شمالی مغربی حصے فارسی کے مرکز بن گئے اور بعض دوسرے علاقوں میں یہ زبان مقبول ہونے لگی - اس دور میں مسعود سعد سلمان عبداللہ النکتی ابوالفرج رونی وغیرہ نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں سے خراج تحسین وصول کیا - قطب الدین ایبک نے جب دہلی میں مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی تو پھر شعرا و فضلا کو یہاں قیام کرنے کا موقع ملا اور اس طرح اس علاقے میں فارسی زبان و ادب کا احیا ہوا -

ہندوستان میں فارسی کے تسلط کی مدت کم و بیش سات سو سال ہے - اس طویل مدّت میں اسکو سرکاری اور تہذیبی و علمی زبان ہونے کا فخر حاصل ہوا - اس کے نتیجے میں اس زبان نے یہاں کی زندگی پر نہایت گہرے اثرات چھوڑے - ان ہی اثرات کی تفصیل پر فارسی کے مستقبل کا داد و مدار بڑی حد تک ہے -

ہندوستان میں فارسی کے اثرات سیاسی و قومی - تہذیبی و علمی اور لسانی سطح پر جانچے جاسکتے ہیں - سیاسی اثرات کی شکل یہ ہے کہ سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے سارے کاروبار اسی زبان کے توسط سے عمل میں آتے تھے - سرکاری فرامین دستاویز اور دوسرے اہم کاغذات فارسی میں لکھے جاتے تھے - اگرچہ ہمارے وہاں کاغذات کو محفوظ کرنے کا خیال بہت بعد میں ہوا پھر بھی اسی طرح کے کاغذات لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں - اگر کوئی شخص نیشنل آرکائز میں جاکر بچشم خود ملاحظہ کرے تو اس کو اس زبان کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ ہوگا - حالانکہ جو کاغذات مختلف آرکائز میں موجود ہیں وہ سارے کاغذات کا ہزارواں حصہ ہوں گے - اِن کی اہمیت وہ لوگ بتا سکیں گے جو ایمانداری اور خلوص سے ہندوستان کے مستقبل کا منصوبہ تیار کررہے ہوں گے - ان کو پوری طرح احساس ہوگا کہ ان کاغذات کو نظر انداز کردینے کے بعد جو منصوبہ تیار ہوگا وہ ناقص اور نامکمل ہوگا - ان فرامین اور دستاویز کی فراہمی ملکی اور قومی تعمیر میں بڑی مفید ہوگی - اس طرح کے کام سے اہل مغرب پوری طرح متاثر ہوں گے - وہ ہمارے انکشافات کے منتظر ہیں - سائنس اور دوسرے علوم میں وہ ہم سے بہت آگے ہیں ہم ان کی سطح پر نہیں پہنچ سکتے لیکن اگر یہ ریکارڈ محفوظ کرلئے جائیں تو ایک طرف تو یہ قیمتی ملکی و قومی سرمایہ فنا ہونے سے محفوظ ہوجائے گا اور دوسری طرف علمی دنیا ہماری ممنون احسان ہوگی -

فارسی کے علمی و ادبی اثرات کی نوعیت بہت متنوع ہے - اس لئے دور تسلط میں کیا کیا کتابیں لکھی گئیں کتنا علوم میں اضافہ ہوا کتنا تہذیبی سرمایہ بڑھایا گیا ان سب کا احاطہ کرنا نہایت دشوار ہے - اس دور میں ہزاروں ایسے شاعر اور ادیب پیدا ہوئے جن کے کارنامے تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں - مختلف فنون میں جو کتابیں لکھی گئیں وہ بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں - اس دور کی لغت کی کتابیں اہل ایران

کے لئے موجب افتخار ھیں - قواعد کی کتابیں شعرا کے تذکرے عارفانہ تصانیف غرض کونسا ایسا شعبہ ھے جس میں سیکڑوں اھم کتابیں ایسی موجود نہیں ھیں چنکا بدل خود ایران پیش نہیں کرسکا - اس علمی و ادبی سرمائے کی اھمیت کا اندازہ لگانا آسان نہیں - اس سرمائے کو قدر کی نگاھوں سے دیکھنا چاھئے - افسوس ھے کہ یہ سارا سرمایہ ملک بھر میں بکھرا پڑا ھے اس کو جمع کرنے اور کتاب خانے قایم کرنے کی اشد ضرورت ھے - وضاحتی فہرستیں اور کتابیات چھاپنا چاھئے - اعلیٰ معیار پر کتابیں ایڈٹ کی جائیں تاکہ دنیا کے سارے اھل علم اس قومی سرمائے کی اھمیت سے واقف ھوں -

فارسی کے تہذیبی اثرات میں اتنا تنوع ھے کہ ان پر سیر حاصل بحث کرنا ناممکن ھے - اس کے زیر اثر ھماری معاشرت اور ھماری زبانوں نے نئی شکلیں اختار کیں - اردو ھی پر موقوف نہیں ھندوستان کی دوسری زبانیں فارسی سے بے نیاز نہ رہ سکیں مرھٹی پر فارسی نے جو اثرات کئے ان کی تفصیل ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی ایک کتاب میں پیش کی ھے - گجراتی بنگالی ھندی راجستھانی پنجابی تلنگی وغیرہ زبانوں پر جو اثرات ھوئے ان پر گہری تحقیق کی ضرورت ھے - خوشی کی بات یہ ھے کہ ان زبانوں کے ماھرین کو اس بات کا احساس ھو چلا ھے اور وہ زبانوں کے مطالعے میں اس عنصر کو نظر انداز نہیں کرنا چاھتے -

اگر ھمارے ملک میں ھر چیز تاجرانہ انداز میں نہ دیکھی جاتی تو فارسی کے زوال کی کوئی وجہ نہ تھی سرمایہ اتنا قیمتی ھے کہ کسی حال میں نظر انداز نہیں ھو سکتا - لیکن ھمارے وھاں وقتی فائدے ملازمتوں کا حصول معمولی شہرت ظاھری منفعت پر بہت جلد نظر جاتی ھے- یہ نقطہ نظر صحیح نہیں - اس کی اصلاح کی ضروت ھے - اصلاح ھوجائے تو ھمارا اندیشہ بھی رفع ھو جائے - لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں اس وقت تک ھم اپنے کام کو اگر ملتوی رکھیں تو ھم پر تا تریاق والی مثل صادق آئے گی - تعجب ھے کہ ان امور میں ھمارا نقطہ نظر علمی نہ ھو اور اھل یورپ ھمارے علوم کا مطالعہ خالص علمی طور پر کریں - یورپ کے مختلف ملکوں میں علوم مشرق کی طرف جو توجہ ھے وہ ھمارے لئے باعث عبرت ھے- وہ ھماری ھی چیزوں کے لئے ھم سے زیادہ قدردان ھیں - ھم انہیں پستی کی نشانی اور وہ وجہ افتخار سمجھتے ھیں -

یہ ہمارے ماحول کی پستی پر دلالت کرتا ہے - یہ تصور قومی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے اور اس سے یونیورسٹی اور اعلی تعلیم کے مقاصد کی ہم آہنگی نہیں ہو سکتی ایسے مخالف حالات میں فارسی کی اہمیت و افادیت ثابت کئے بغیر ہم اس زبان کو مقبول بنانے اور اسکا جائز حق دلوانے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوں گے -

فارسی زندہ زبان ہے - کئی کڑوڑ انسانوں کے اظہار خیال کا ذریعہ ہے - ایران افغانستان انگلستان تاجکستان وغیرہ کی مادری زبان فارسی ہے - آزادی کے بعد ہندوستان کے روابط دوسرے ممالک سے بڑھ رہے ہیں - اس لئے ایسے لوگ جو فارسی بول سکیں اور اچھی فارسی لکھ سکیں ہمارے ملک کی سیاسی ضرورت کیلئے درکار ہیں - ہمارے سفارت خانوں اور نشر گاھوں میں ان کی بڑی ضرورت ہے - ایسی صورت میں ہمارے تعلیمی اداروں کا فرض ہے کہ ایسے طلبا پیدا کریں جو ملکی و قومی ضرورت کو پورا کر سکیں مگر بد قسمتی سے ہمارے ادارے ایسے طلبا نہیں پیدا کرتے جو جدید فارسی پر قدرت رکھتے ہوں اسکی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اساتذہ جدید فارسی کا علم نہیں رکھتے - ان کو فارسی بولنے والے ممالک سے کسی قسم کا واسطہ نہیں - وہ ان ملکوں کی ادبی و علمی تحریک سے واقف نہیں لیکن وہ معذور ہیں - اسلئے کہ نہ ان کی تعلیم ہی نئے انداز سے ہوئی ہے نہ معاشرے پر فارسی کا غلبہ ہے اور نہ فارسی زبان والے ممالک سے رابطہ پیدا کرنے کے مواقع و ذرایع ہی ہیں - درسری وجہ یہ ہے کہ ہمارا نصاب کلاسیکی انداز پر مرتب ہوا ہے - ہمارے یہاں سعدی و حافظ وغیرہ سے فارسی شروع کی جاتی ہے حالانکہ عام اصول یہ ہے کہ ابتدائی درجات میں جدید زبان پڑھائی جائے - طلبا کے زبان پر قدرت پانے کے اعتبار سے قدیم مصنفوں کو درسیات میں شامل کرنا چاھئے - انگریزی نصاب میں شیکسپیر اور ملٹن ابتدائی درجات میں نہیں پڑھائے جاتے - اس سلسلے کی بڑی دشواری اساتذہ کی کمی ہے - پس نصاب تعلیم میں ضروری تبدیلی کرنے سے پہلے ایسے اساتذہ پیدا کرنے چاھئیں جو جدید فارسی تعلیم کے تقاضوں کو پورا کر سکیں -

فارسی میں ریسرچ کے وسایل بہت زیادہ ہیں - اس سلسلے میں حسب ذیل تین امور خصوصیت سے قابل توجہ ہیں -

۱ــقلمی کتابوں کی فراھمی اور کتابخانوں کی تنظیم -
۲ــوضاحتی فہرستیں اور کتابیات کی ترتیب -
۳ــاھم قلمی اور مطبوعہ نسخوں کا معیاری اڈیشن -

کتاب خانوں کی تنظیم

اوپر ذکر ہو چکا ھے کہ فارسی صدیوں تک ھندوستان کی تہذیبی و علمی اور سرکاری زبان رھی ھے - اس بنا پر ھمارا بہت سا قیمی مواد سارے ملک میں منتشر ھے - اور اسکے یکجا کرنے کے سلسلے میں کوئی معقول اقدام نہیں ھوا - یہ مواد روز بروز تلف ھوتا جارھا ھے - اگر اعداد و شمار حاصل ھو سکتے تو ھم یقیناً اس نتیجے پر پہنچتے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں گذر تا جس میں فارسی کا کوئی اھم ریکارڈ تلف نہ ھو تا ھو - اس لئے اس بکھرے ھوئے مواد کی فراھمی کی سخت ضرورت ھے اور بغیر کسی تاخیر کے اس کام کو شروع کر دینا چاھئے - زمینداری اور تعلقہ داری اور دیسی ریاستوں کے خاتمے کے بعد یہ مسئلہ اور بھی سنگین ھو گیا ھے - ھندوستان میں کتابخانہ شان امارت و ریاست میں داخل تھا - امیررں کی بدحالی سے کتابوں اور کتابخانوں کا حال بہت سقیم ھوگیا ھے - خوشی ھے کہ حکومت کو احساس ھو چلا ھے کہ اس قومی سرمائے کو بربادی کے ھاتھوں سے بچایا جائے - لیکن یہ احساس ایسے وقت میں ھوا جب ھمارے پاس اچھا عملہ نہیں - پھر بھی حکومت مختلف افراد اور اداروں کا تعاون حاصل کر کے مخطوطات کی فراھمی کا ایک منصوبہ ملکی سطح پر بنائے تو یہ سرمایہ تلف ھو نے سے بچ جائے -

ایک قابل توجہ بات یہ ھے کہ مخطوطات میں صرف نادر نسخے ھی اھم نہیں ھوتے - سارے خطی نسخے اپنی جگہ پر عمارت تحقیق کے ٹھوس پتھر ھیں - کوئی قلمی نسخہ ایسا نہیں ھوتا جو دوسرے سے مختلف نہ ھو - بالفاظ دیگر ھر نسخے میں کچھ نہ کچھ نئی اور نادر معلومات ضرور ھوتی ھیں - اس بنا پر ھندوستان کے بکھرے ھوئے نسخوں کو یکجا کرنے کی کوشش نہایت سود مند اقدام ھے جس سے ھنوستان کا نام علمی دنیا میں روشن تر ھوسکتا ھے - ایسے بیش قیمت سرمائے کی طرف عدم توجہی بڑی بدنصیبی ھے -

فارسی کے قلمی نسخے ایک اور لحاظ سے قابل توجہ ہیں - اہل مغرب اپنے یہاں کے فارسی سرمائے کا جائزہ لے چکے ہیں - ان میں سے اکثر زیور طبع سے اراستہ ہوکر عام ہوچکے ہیں جو باقی بچے ہیں ان کے بارے میں توضیحی نوٹ چھپ چکے ہیں - اب اہل یورپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اپ علمی دنیا کے سامنے کیا تازہ مواد پیش کررہے ہیں - ان کو ہندوستان کے بیش بہا خزاین کا اندازہ ہے جو صرف اپ ہی کی کوشش سے دریافت کیا جاسکتا ہے - وہ اپ کی تلاش و تحقیق کے نتائج کے منتظر ہیں - وہ لوگ آپ کی سائنسی معلومات فلسفہ دانی اقتصادی تحقیقات اور نفسیاتی مطالعات سے بہت کم متاثر ہوں گے - آپ کے بڑے سے بڑے کتاب خانے وہاں کے اوسط درجے کے کتاب خانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے - اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے کتاب خانے انہی کے یہاں کی مطبوعات سے مزین ہیں - لیکن آپ کے مخطوطات کا کتاب خانہ ان کو بخوبی متاثر کرسکے گا - وہ اس کی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف ہیں - اس بنا پر قلمی نسخوں کے ذخائر کی دریافت، خطی کتاب خانوں کی تنظیم نہ صرف متعلقہ ادارہ کی شہرت و نیکنامی کی ضامن ہے بلکہ اس کی بنا پر قومی وقار میں اضافہ ہوگا -

مطبوعات کے کتاب خانوں کی ترتیب بھی اس لئے ضروری ہے کہ اس سے تحقیق کا معیار بلند ہوگا - یورپ کے علاوہ ایران افغانستان ترکی تاجیکستان ازبکستان وغیرہ میں فارسی کی عمدہ اور نایاب کتابیں مخطوطات کی فہرستیں، مجلات وغیرہ شایع ہوتے رہتے ہیں - ان سے بے تعلق ہوکر فارسی میں تحقیق کا کام آگے نہیں بڑھ سکتا - فارسی بولنے والے ملکوں کی یونیورسٹیوں سے رابطہ قایم کرنا چاہئے - ان کے موضوعات تحقیق اور درسیات کی کتابوں سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے - اچھے کتاب خانے کی ہی بدولت تحقیق کا معیار بلند ہوسکتا ہے - ہندوستان میں تحقیقی کام کرنے والوں کا بہت زیادہ وقت مواد کی فراہمی کی تدبیر نکالنے میں صرف ہوجاتا ہے - یہاں ایسے کتاب خانے نہیں ہیں جو کام کرنے والوں کو دوسرے اور کتاب خانوں سے بے نیاز کردیں - اس لئے ہمارے یہاں کام کا معیار ان ملکوں کے عالموں کے معیار تک کہاں پہنچ سکتا ہے جہاں کام کرنے والوں کو مواد کی فراہمی کے سلسلے میں اتنی آسانیاں میسر ہوں جو ہم کو خواب میں بھی حاصل نہیں ہوسکتیں - معلوم نہیں اس قومی خسارے کی تلافی کب اور کیونکر ہوگی -

وضاحتی فہرستیں اور کتابیات

ہمارے ملک میں ایک بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ کتاب خانوں کی وضاحتی فہرستیں موجود نہیں ہیں - ان کی عدم موجودگی سے کتاب خانوں سے استفادہ نہیں ہوسکتا - یہی کیا کم بدنصیبی ہے کہ ہزاروں کتاب خانے چھوٹے بڑے ملک بھر میں ایسے پھیلے پڑے ہیں کہ جن کا ہم کو مطلق علم نہیں - پھر اس پر مستزاد یہ کہ جو کتاب خانے معلوم ہیں ان سے بھی استفادے کے وسایل فہرستوں کے نہ ہونے کی وجہ سے محدود ہیں - فارسی ادب کے احیا کی تدبیر سوچنے والوں کا فرض ہے کہ وہ قلمی کتب خانوں کی فہرست تیار کرائیں - بے ترتیب اور بے تنظیم کتاب خانوں کا وجود اور عدم وجود برابر ہے -

فارسی میں کتابیاتی (Biblio) کام کم ہوا ہے - اسٹوری نے پرشین لٹریچر کے عنوان سے جو چیز لکھی ہے وہ قران تاریخ اور تذکرے پر مشتمل ہے - اول تو یہ کام ابھی مکمل نہیں ہے - ادبیات کے سارے ذخایر کی ابھی وضاحت نہیں ہوسکی ہے - علاوہ بریں خود تاریخ و تذکرے والے حصے میں سیکڑوں کتابیں شامل نہیں ہوسکیں - خصوصاً ہندوستان کے کتب خانوں کی فہرستیں موجود نہ ہونے کی بنا پر یہاں کے بیشتر خزاین تک لائق مصنف کی رسائی نہیں ہوسکی ہے - ضرورت ہے کہ اس کی کتاب کا تتمہ شایع کیا جائے جس میں ہندوستان کے کتب خانوں کی وہ سب کتابیں شامل ہوں جو بربنائے مجبوری شامل ہونے سے رہ گئیں - اس کے علاوہ خود ہندوستانی فارسی کی ایک مکمل و مفصل کتابیات ہو جس میں اس طرح کی فارسی کتابیں شامل ہوں جن کے مصنف ہندووستانی ہوں یا جو ہندوستان میں لکھی گئی ہوں یا ہندوستاں کے علوم کے بارے میں ہوں - اس طرح کی کتابیات سے ہم اپنے ادب کی عظمت کا سکہ اہل علم کے دلوں پر بٹھاسکیں گے -

کتابوں کی اشاعت

ایک اہم کام جس سے فارسی کی افادیت پوری طرح مسلم ہوجائیگی وہ مخطوطات کی اشاعت کا کام ہے - ابھی ہمارے ملک میں اس کی باقاعدہ ترقی نہیں ہوئی ہے حالانکہ یورپ ایران افغانستان ترکی وغیرہ میں یہ کام بڑے اعلیٰ معیار پر پہنچ گیا ہے -

بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں ایڈیٹنگ ادنیٰ درجے کا کام سمجھا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر تحقیق کی ابتدا ہی نہیں ہوسکتی - اور خود تحقیقی اعتبار سے اڈیٹنگ کا مرتبہ بہت بلند ہے - یہی وجہ ہے کہ دوسرے ملکوں میں یہ کام بڑی سرعت کے ساتھ ہورہا ہے - اہم کتابیں متعدد بار ایڈٹ ہوکر شایع ہورہی ہیں - متن کی تصحیح کے سلسلے میں قدیم سے قدیم نسخے تلاش کئے جاتے ہیں - پھر ان پر عالمانہ مقدمہ لکھا جاتا ہے - حواشی میں اختلاف نسخ درج ہوتی ہیں اور تاریخی، علمی، لسانی اور ادبی نکتے بطور تعلیقات اضافہ کئے جاتے ہیں - ترکی میں عموماً اچھے مخطوطات کا پورا عکس چھاپ دیا جاتا ہے تاکہ متن کی تصحیح کے سلسلے میں غور و فکر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے - حال ہی میں ایران میں سیکڑوں ایسی کتابیں چھپی ہیں اور ہنوز چھپائی کا سلسلہ جاری ہے جو ایڈیٹنگ کے اعلی معیار پر پوری اُترتی ہیں - مرزا محمد قزوینی، عباس اقبال اشتیانی، آقاے مجتبی مینوی ملک الشعرا بہار - پروفیسر سعید نفیسی - ڈاکٹر محمد معین - ڈاکٹر مہدی بیانی - عبدالعظیم قریب - دبیر سیاقی - مدرس رضوی وغیرہ نے اس فن میں بڑی شہرت حاصل کی ہے - ترکی میں احمد آتش نے کئی کتابیں چھاپی ہیں ان میں ترجمان البلاغہ کی اشاعت ایک اہم کارنامہ ہے - ہمارے یہاں بھی محض قابل قدر کتابیں ایڈٹ کی ہوئی ہیں لیکن مواد کی وسعت کے اعتبار سے جو کام ہوا ہے بہت ہی کم ہے -

ایڈٹ کرنے کا کام بادی النظر میں بہت آسان معلوم ہوتا ہے حالانکہ اس سے زیادہ مشکل کام اور کیا ہوگا کہ آپ کئی سو سال پہلے کے مصنف کے کلام کو من و عن پیش کرنا چاہتے ہیں - اس کام میں اصل تخلیق سے کئی گنا زیادہ محنت درکار ہے - کوئی ایسا مصنف نہ ہوگا جس کے کلام میں دوسرے کا کلام شامل نہ ہو - ایسی حالت میں اصل کلام کا تعین جس درجہ مشکل ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں - اول مصنف کے دور کی زبان، اس کے مزاج، اس کے طرز کے خصائص اور اسکی شخصیت سے پوری واقفیت حاصل کی جائے - ساتھ ہی روزمرہ، محاورے ضرب الامثال، متروکات وغیرہ پر اہل زبان کی طرح قدرت ہو - پھر قدیم سے قدیم نسخے حاصل کئے جائیں - ان احتیاط کے باوجود جو چیز پیش ہوگی اسکے متعلق

قطعی طور پر فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مصنف ہی کی بعینہ تصنیف ہے ۔ ایک کتاب کے متعدد ایڈیشن اصل کلام تک پہنچنے کی کوشش کا نتیجہ ہیں ۔

ایڈیٹنگ کے سلسلے میں جو نزاکتیں ہیں اور ان سے خاطرخواہ طور پر عہدہ برا ہونے سے جو قابل توجہ نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کی ایک مثال فارسی کی قدیم لغت فرس کی مختلف اشاعتیں ہیں ۔ راقم نے اپنے ایک مضمون تاریخی تحقیق کے بنیادی مسایل میں اس کی تفصیلی بحث پیش کی ہے ، ایک دوسری مثال فزونی استرآبادی کی فتوحات عادلشاہی سے پیش کی جاتی ہے ، یہ عادلشاہوں کی تاریخ ہے جس کے دو نسخے برٹش میوزیم میں ہیں ، ابراہیم عادلشاہ ثانی کے حالات کے بعد اس کے دور کے شعرا و فضلا پر ایک باب ہے جس میں تین ذیلی سرخیاں ہیں ۔

(الف) گفتار اندر ہنرمندا نے کہ ہر یک وحید زمان خود بودہ در عہد این بادشاہ عادل شاہ ۔ ازجملہ خوش نویسا نے کہ در خدمت ایں بادشاہ می بودند شاہ خلیل اللہ بت شکن است ... ...

(ب) بیان حالات شعراے فرخ بیان ومداحان بلند قدر این دودمان عالی شان ...
اس کے ذیل میں ملک قمی ۔ ظہوری ۔ حیدر ذہنی ۔ باقر کاشانی کے حالات درج ہیں ۔

(ج) ذکر شعراے سخندان و مداحان این آستان
اس کے ذیل میں آتشی اور مرزا مقیم کا ذکر ہوا ہے ۔

دراصل پہلی اور دوسری سرخی کا تعلق ابراہیم عادل شاہ کے دور سے ہے اور تیسری کا اس کے بیٹے محمد عادل شاہ کے عہد سے جس کے دربار سے اس کتاب کا مولف بھی وابستہ تھا ۔ لیکن فتوحات عادلشاہی سے استفادہ کرنے والے لوگوں نے تیسری سرخی کو ابراہیم عادل شاہ ہی سے متعلق سمجھ کر آتشی اور مقیم کو بھی اسی دربار کا شاعر قرار دیا ہے ، راقم حروف کو اس سلسلے میں دو تین مضامین لکھنا پڑے جن میں اس غلطی کے ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ غلط فہمی میں

مبتلا ہوجانے والوں میں ڈاکٹر ریو - پروفیسر باسو - ڈاکٹر زور - نصیر الدین ہاشمی وغیرہ جیسے فاضل ہیں -

ان مثالوں سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بغیر ناقدانہ ایڈیشن کے نہ ادب کی تاریخ اور اس کا عہد بعہد ارتقا سمجھا جاسکتا ہے اور نہ زبان کی تاریخ ہی متعین کی جاسکتی ہے - ممکن ہے کہ بعض اوقات بغیر ایسے ناقدانہ ایڈیشن کے جس میں مصنف کے دور کی زبان، طرز انشا، املا کا باقاعدہ تعین ہوا ہو، تاریخی نتائج کے برآمد کرنے میں چنداں دقت نہو - اور اسی وجہ سے اعتراض کیا جاسکتا ہو کہ پھر اتنی چھان بین اور ایسی کدوکاوش کی کیا ضرورت ہے، میرے نزدیک صرف نفس مضمون ہی اہم چیز نہیں بلکہ جس زبان اور جس انداز میں وہ خیالات پیش ہوئے ہیں وہ اتنے ہی اہم ہیں جتنے وہ مضامین - پس ہر حال میں ناقدانہ ایڈیشن امر ناگزیر ہے -

یہ تو تاریخی و ادبی کتابوں کا ذکر ہے - ذرا طب کی کتابوں کی طرف توجہ فرمائیے جس کے ایک لفظ کے غلط پڑھنے میں نہ جانے کتنے جانی نقصان کا خطرہ لاحق ہے - اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی مثال دلچسپی سے خالی نہ ہوگی - اختیارات بدیعی طب کی ایک کتاب ہے جو نول کشور پریس میں چھپ گئی ہے - چھپے ہوئے نسخے میں ایک مفرد دوا کے ضمن میں نسخے میں «پنج درم» ہے جو دراصل «بیخ وی» کو غلط پڑھنے کا نتیجہ ہے - ظاہر ہے «جڑ» کی بجائے پانچ درم کے استعمال سے جو نقصان ہوگا وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں -

اس سلسلے میں اتنا اور اضافہ کردینے کی ضرورت ہے کہ عیوقی کی دونوں بیت پاول هارن کے نسخے میں بھی نہیں ہیں -

اس تفصیل سے ایڈیٹنگ کی ان نزاکتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن سے عہدہ برا ہونا ہر اڈیٹر کا فرض ہے - ان کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے جو غلط نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کے اثرات نہایت مضر اور دور رس ہوتے ہیں - اس

بنا پر اڈیشن کا کام نہایت ہی اہم اور ذمہ دارانہ ہے مگر ہمارے یہاں بدقسمتی سے یہ بہت آسان اور کبھی کبھی بے سود خیال کیا جاتا ہے -

اڈٹ کرنے کا کام صرف خطی نسخوں تک محدود نہ رکھنا چاہئے - بعض اوقات چھپی ہوئی کتابوں کے دوبارہ چھاپنے سے بڑے سودمند نتیجے برآمد ہوتے ہیں- لغت فرس کی مثال سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے - اور غالباً اس ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب تیسری بار ایران سے شایع ہوئی - اس سلسلے میں ایک اور کتاب کا ذکر فایدے سے خالی نہ ہوگا -

ابوبکر محمد ابن ابراہیم بخاری کلاباذی (م ۳۸۰ھ) کی کتاب «التعرف المذہب التصوف» تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں ہے - اس کی ایک شرح کلاباذی کے شاگرد ابو ابراہیم بن اسماعیل بن عبداللہ المستملی البخاری (م ٤٣٤ھ) نے لکھی تھی - یہ شرح مع متن آقاے صدیق خجندی نے نول کشور میں چھپواکر اپنے وطن ماورالنہر میں عام کردی تھی - یہ چھپا ہوا متن اس کی قدامت کے منافی ہے - خصوصاً فارسی شرح سے مترشح نہیں ہوتا کہ وہ چوتھی صدی ہجری یعنی دور سامانی کی زبان ہوگی - اس کی املائی خصوصیت بھی زیادہ قدیم نہیں معلوم ہوتی - افغانی عالم آقای عبدالحئی حبیبی کو جناب سید فضل سمدانی پیشاوری کے کتاب خانے میں شرح التعرف کا ایک عجیب و غریب نسخہ ملا جس کی کتابت سنہ ٤٧٣ھ تھا - آقای حبیبی نے قلمی اور چھپے ہوئے نسخوں کی کافی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہوجاتی ہے کہ چھپے ہوئے نسخے میں اتنی تعریف ہوئی کہ اصل عبارت سے اسکا تعلق بہت کم باقی رہ جاتا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں -

نمیدانم کہ این کار مسخ را برین کتاب مظلوم کے روا داشتہ و در کدام عصر این متن متین قدیم را لباس جدیدی پوشانیدہ اند - چوں بعد از دورہ مغول برخے از علما و صوفیا چنین کار را در بارہ کتب قدیم روا میداشتہ‌اند و می خواستند عبارت قدیم را بسبک معاصر شان بمقصد حسن تفاہم تغیر دہند بنا بران این کتاب نیز بہمیں سرنوشت

شوم گرفتار آمده چنانچه مشہور است که مولانا جامی عین ہمین کار را در نفحات کرد و کتابی که خواجه عبدالله انصاری ہروی در شرح احوال عرفا بسبک قدیم نوشته بود جامی آنرا بمقصد افاده بعبارات معمول زمان خود در آورد -

(ارمغاں علمی ص ٥١ تا ١٤)

آقای حبیبی کی اس نئی دریافت سے قدیم ادب کے بعض بنیادی مسایل میں بڑی مدد ملتی ھے مثلاً

١ــبعض محققین نے کتاب اللمع ابونصر سراج طوسی (م ٣٧٨) کو تصوف کی قدیم ترین کتاب بتایا ھے - آقائے حبیبی کا یہ خیال بالکل درست ھے کہ جب کلا بازی کی وفات بقول حاجی خلیفہ ٣٧٠ھ میں ھوئی تو کتاب التعرف بھی کتاب اللمع کی بالکل ھم عصر ھوگی -

٢ــعلی ھجویری کی کشف المحجوب فارسی کی قدیم ترین تصوف کی کتاب سمجھی جاتی ھے - علی حجویری کی وفات ٤٦٥ھ میں ھوئی - اس اعتبار سے مستملی کی شرح کشف المحجوب سے کافی قدیم ٹھرتی ھے - اول الذکر کا تعلق دور غزنویہ سے ھے جبکہ شرح تعرف سامانی دور کی یاد گار ھے -

٢ ــفارسی کا قدیم ترین مکشوف مخطوطہ کتاب الانبیہ کتاب خانہ ویانا میں بخط علی ابن اسدی طوسی مولف لغت فرس موجود ھے جس نے ٤٤٧ھ میں خط نسخ شبیہہ بکوفی میں لکھا تھا - بعض محققین کو اس کی صداقت میں شبہہ ھے - اس لئے ہدایت المتعلمین[1] کا مخطوطہ محفوظہ بادلی آکسفورڈ مکتوبہ ٤٧٨ھ قدیم ترین مکشوف نسخہ تصور کیا جاتا ھے - شرح تعرف کا یہ نسخہ ھدایت المسلمین کے نسخے سے پانچ سال قدیم ھے- اس اعتبار سے اس کو فارسی کا قدیم ترین مخطوطہ سمجھنا چاھئے -

---

١ ــ اس کا مولف ابوبکر ربیع بن احمد بخارائی ھو -

٤ــدور سامانی کی موجودہ نثری تصانیف میں جن کی تعداد دس سے متجاوز نہیں ہوتی ایک اہم اضافہ ہوا ۔

اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب کے چھپنے کے بعد بھی کام کرنے کی گنجائش باقی رہتی ہے ۔

ہندوستان میں ایسے نسخوں کی کمی نہیں ہے جن کا تعارف اور اشاعت اہل ایران و یورپ سے خراج عقیدت حاصل کرسکتے ہیں ۔

سنائی کے مکاتیب کا کوئی مکمل نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہوسکا ہے ۔ کابل کے ایک ناقص نسخے کا تعارف جناب آقای سرور کریا نے مجلہ آریانا کے پہلے سال کے شمارے میں کرایا تھا ۔ ان خطوط کی کمیابی کا اندازہ اس سے ہوسکے گا کہ کلیات سنائی جو پہلی بار مدرس رضوی اور دوسری بار مظہر مصفا کی کوششوں سے ضخیم حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع ہوا ہے اس میں صرف تین رقعے شامل ہیں ۔ ان میں سے دو رقعے آقای اقبال اشتیانی نے مجلہ شرق میں بھی چھاپے تھے ۔ ایران کے مشہور محقق آقای مجتبی مینوی نے ترکی میں ایک اور زائد رقعے کا پتا چلایا ہے ۔ علی‌گڑھ میں مکاتیب سنائی کا ایک قابل توجہ نسخہ موجود ہے ۔ دوسرا قابل قدر مجموعہ کلیات سنائی مخطوطۂ عمامیہ یونیورسٹی کتابخانہ میں محفوظ ہے ۔ اس کتاب کی اشاعت سے قدیم نثری ادب میں ایک نہایت ہی قابل قدر اضافہ ہوگا ۔ دیوان حافظ کا قدیم ترین نسخہ ۸۲۷ ھ کا ملا ہے ۔ ہندوستان میں اس سے دو قدیم نسخے موجود ہیں ، ایک آصفیہ میں جو ۸۱۸ ھجری کا مکتوبہ ہے اور دوسرا گورکھپور میں ہے جو ۸۲٤ میں لکھا گیا ۔ ان نسخوں سے بعض نہایت قابل توجہ نتائج برآمد ہوئے ہیں ۔ ابن یمن کا ایک نسخہ سالار جنگ کے کتابخانے میں جو مصنف کی حیات میں تیار ہوا تھا ، مذکر احباب ایک کمیاب تذکرہ ہے جسکا ایك ایسا نسخہ حبیب گنج میں موجود ہے جو مصنف کی زندگی کا ہے ۔ چہار مقالے کا دوسرا قدیم ترین نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتابخانے میں ہے ۔ تذکرۂ نظم گزیدہ کے صرف ایک نسخے کا علم ہے اور وہ ہماری یونیورسٹی میں ہے ۔ فارسی کا قدیم ترین تذکرہ لباب الالباب ہے ۔ پروفیسر براؤن

اور مرزا محمد قزوینی نے دو ناقص نسخوں کی مدد سے اسکو شایع کیا ہے۔ حال ہی میں پروفیسر نفیسی نے اس کو ایران میں شائع کیا ہے مگر ان کو بھی کوئی اور نسخہ نہیں ملا۔ اس اہم کتاب کا دنیا کا تیسرا نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتاب خانے میں موجود ہے بیرونی کی کتاب صیدنہ نہایت درجہ کمیاب ہے۔ اس کے فارسی ترجمہ کا ذکر سروری کاشانی نے مجمع الفرس کی ایک ایسی روایت میں کیا تھا جس کا ایک ہی نسخہ معلوم ہے۔ اس ترجمے کا ایک اہم نسخہ لنڈن لائبریری میں موجود ہے۔ اس طرح آداب الحرب و الشجاعہ۔ دیوان نظامی۔ دیوان شرف شفرویہ۔ وغیرہ ایسے نوادر ہیں جنکی اشاعت اہم کارنامہ ہوسکتی ہے۔ اس طرح کے سیکڑوں نایاب و نادر فارسی نسخے رامپور، بانکی پور، کلکتہ، حیدرآباد، لکھنؤ، علی گڑھ وغیرہ میں موجود ہیں جن کی دریافت اور اشاعت ہندوستان کے لئے موجب افتخار ہوگی اور جنکی وجہ سے ہندوستان کے علمی وقار میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

ہندوستان میں فارسی کے وسایل کے سلسلے میں جو باتیں عرض ہوئیں اُن سے اندازہ ہوا ہوگا کہ اس سلسلے میں جلد از جلد مؤثر اقدام کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس طرف بروقت توجہ نہ ہوئی تو فی الحال جو ناقابل تلافی نقصان ہوگا وہ ہندوستان کے دور وسطی کی تاریخ کے معیار کی پستی ہے۔ اس دور کی ساری تاریخیں فارسی میں ہیں۔ ان میں کچھ تو چھپ گئی ہیں مگر بیشتر قلمی شکل میں ہیں۔ جو چھپی ہیں ان میں زیادہ ایسی ہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو قلمی شکل میں ہیں ان کے ایڈٹ کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض کی عبارت کافی دقیق اور پیچیدہ ہے۔ اس لئے ان کے ایڈیشن میں اور بھی زیادہ دقت کا سامنا ہے لیکن بہر حال یہ کام کرنے کا ہے۔ مگر فارسی کے جاننے والے ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ ان کتابوں کا صحیح ایڈیشن نہ ہو سکے گا۔ اگر چند دنوں اور غفلت برتی گئی تو پھر جب فارسی جاننے والے عُنقا ہو جائیں گے تو ان خزاین سے استفادے کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے گی۔ سیاسی تاریخوں کے علاوہ تذکروں کی تلاش و اشاعت اتنی ہی اہم ہے۔ اگر ان کتابوں کا مطالعہ زبان دانی کے معیاری اصول کے مطابق نہ ہوگا تو اس کا بحالت موجودہ سخت اندیشہ ہے کہ ہمارا معیار روز بروز پست ہوتا جائے گا۔

علم تصوف بھی خطرے کی زد سے باہر نہیں ہے - اگرچہ بنیادی طور پر تصوف صرف فارسی ہی کا رہین منت نہیں ہے - لیکن ہندوستان (اور بڑی حد تک ایران) کے تمام صوفیون کے اظہار خیال کا ذریعہ یہی زبان رہی ہے - ان کے ملفوظات فارسی ہی میں مرتب ہوئے ہیں - ان کے تذکرے اسی زبان میں لکھے گئے ہیں - ان کی بیشتر تصانیف اسی زبان میں ہیں، اس بنا پر ہندوستان کے صوفیا و عرفا کے حالات کی تحقیق، ان کے کارناموں کا تجزیہ اور پھر علم تصوف کی تاریخ، تمام تر فارسی ہی کی رہین منت ہے - اس لئے فارسی کے زوال کے نتیجے میں اس فن کا زوال یقینی ہے - یہ بہت بڑا نقصان ہوگا جسکی تلافی ممکن نہ ہوگی -

اردو کا معیار بھی خطرے سے خالی نہیں - ابھی زمانہ قریب تک اُردو کے نامور ادیب فارسی میں مشق سخن کرنا اپنا طغرائے امتیاز قرار دیتے تھے - غالب اور اقبال اردو کے محبوب ترین شاعر ہیں مگر پہلے وہ فارسی کے شاعر ہیں بعد میں اردو کے - جو شاعر مجموعۂ اردو کو « بیرنگ خود » کہتا ہو اس کے صرف اردو کلام سے اس کی شاعری کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا - تاریخیں، تذکرے اور دوسری علمی و فنی تصانیف فارسی ہی میں ہیں - اردو کے ابتدائی دور کے کارنامے بھی فارسی کے مطالعے کے بغیر صحیح طور پر جانچے نہیں جا سکتے - ان وجوہ کی بنا پر فارسی کے زوال کے نتیجے میں اردو کا معیار یقیناً پست ہوگا - اس کی طرف سے غفلت نہ برتنا چاہئے -

میرا خیال ہے کہ کوئی ذی ہوش قوم ایسے تہذیبی نقصان کو کسی حالت میں گوارا نہیں کر سکتی - اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ اس مسئلے کی طرف ذمہ‌داری کے ساتھ توجہ کی جائے گی -

---

سلاطین گجرات کی ایک نادر تاریخ

از

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سال رواں کی ابتدا میں مسلم یونیورسٹی لائبریری نے راقم حروف کی سفارش پر مولانا احترام الدین شاغل صاحب سے گجرات کی تاریخ کا ایک چھوٹا سا قلمی نسخہ خریدا ہے جو میری معلومات کی حد تک نہایت ہی نادر[1] کتاب ہے۔ بظاہر اس کا ذکر تاریخ کی بعض[2] کتابوں میں آیا ہے مگر اس کے کسی نسخے کا پتا اب تک نہیں چلایا جا سکا ہے۔ سلاطین گجرات کی یہ تاریخ تین طبقوں میں منقسم تھی، خود مولف کے الفاظ میں اس کی تفصیل سنئے:

«اما بعد واضح باد که در طبقهٔ اوّل از تاریخ گجرات حالات ظفر خاں المخاطب به سلطان مظفر شاه گجراتی که اوّل صوبه دار گجرات بود و به آخر بنای سلطنت گجرات نهاده، سلطان والا شان گردید، از سنه هفت صد و چهل و سه تا چهارم ماه ربیع‌الآخر سنه هشت صد و چهارده، نوشته ایم، و در طبقهٔ دوم از هشت صد و پانزده آغاز نموده تا سنه هشت صد و شصت و سه، حالات سلطان احمد شاه گجراتی و سلطان محمد شاه بن

---

۱ - سٹوری کی کتاب «پرشین لٹریچر» میں اس کا کوئی ذکر نہیں - سید اکبر علی ترمذی صاحب (اسسٹینٹ ڈائرکٹر نیشنل آرکایوز) نے اسلامک کلچر اپریل ۱۹۵۸ میں گجرات کی تاریخوں پر جو بصیرت‌افروز مقالہ شائع کیا ہے، اس میں بھی یہ کتاب شامل نہیں

۲ - «تاریخ فرشتہ» میں اس کا ذکر ہے، تفصیل آگے آئے گی، امین احمد رازی نے «ہفت اقلیم» میں ایک بار (ورق ۵۰ ب) لکھا ہے: در طبقات محمود شاهی آمده که در شصت و نه هجری به بصره سه روز طاعون شد، دوسری بار ورق ۹۵ ب پھر لکھا ہے؛ صاحب طبقات محمود شاهی آورده که در سنه اربع و اربعین و اربع مائة به خوزستان و توابع آن زازلہ دست داده، مگر اس کتاب سے پیش نظر کتاب ہرگز مراد نہیں، اس لئے کہ اس تاریخ میں صرف گجرات کے مسلمان بادشاہوں کا تذکرہ شامل ہے «طبقات اکبری» ص ۳ پر «طبقات محمود شاہی» کا نام آیا ہے، مگر کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے ظاہر ہو کہ اس سے مراد تاریخ گجرات ہی ہو اسی طرح «تحفة‌الکرام» (۲ : ۲۵۲) میں «طبقات محمود شاہی» کا ذکر ہے مگر وہ یقیناً دوسری کتاب معلوم ہوتی ہے -

احمد شاہ گجراتی و سلطان قطب الدین بن محمد شاہ و سلطان داودشاہ بن احمد شاہ گجراتی نگاشتہ ایم ، و اکنون بہ طبقۂ سوم می پردازیم و احوال سلطان محمود شاہ گجراتی بن سلطان محمد شاہ برادر کوچک سلطان قطب‌الدین گجراتی ، المعروف بہ شاہ محمود بیگرہ می نگاریم و ماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم »

خاتمے کی اس عبارت سے تاریخ کے عنوان کا اندازہ ہوتا ہے :

« الحمدللہ و المنة کہ این صحیفۂ گرامی الموسوم بہ طبقۂ سوم از تاریخ گجرات باتمام رسید » ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ پوری تاریخ کا ایک وہ جزو ہے جو شاہ محمود کے دور سے متعلق ہے اور غالباً اس طبقے کا نام «طبقہ (سوم) محمود شاهی » رہا ہوگا ۔ اور پوری تاریخ کا عنوان «(طبقات) تاریخ گجرات» زیادہ مناسب ہوگا ۔

مولفِ تاریخ کا ذکر کاتب کے الفاظ میں اس طرح ہوا ہے :

« مخفی مباد کہ این مبیضۂ است از مسودۂ تاریخ گجرات طبقۂ سوم مصنفۂ اوستای و ملاذی حضرت مولانا العظیم شرف‌الدین محمد بن احمد بن عیسی بن علی‌البخاری المتوفی فی شهر صفرالمظفر بتاریخ دہم سنہ نہ صد و بست و یک ، و آن موصوف از اجلۂ دانشوران عصر بود و وابستۂ دولت شاهزادۂ مظفر کہ الآن بر تخت دولت ابد مدت آبای خویش جلوہ فرماست، ادام اللہ ملکہ و سلطنة ، بقلم محمد بن نصیر کرخی در نہصدوبست و سہ بتاریخ دوم شعبان المعظم بوقت عصر در بلدۂ احمد آباد بر منصۂ قرطاس جلوہ افروز شد»

خاتمے کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خود مولف کے شاگرد نے مولف کی وفات کے دوسال کے اندر تیار کیا تھا ۔ تاریخ ہذا ۹۱۷ ھجری تک کے واقعات پر مشتمل ہے ۔ اسی سنہ میں محمود شاہ نے وفات پائی تھی اور مولف ۹۲۱ ھجری میں فوت ہوا تھا ۔ اس سے صراحةً واضح ہے کہ یہ کتاب ۹۱۷ اور ۹۲۱ ھجری کے درمیان مرتب ہوئی ہوگی (یعنی محمود شاہ کی وفات کے بعد اور مولف کی وفات کے پہلے) پس پیش نظر نسخہ یا اس کا منقول عنہ قدیم ترین نسخہ متصور ہوگا جس کی بنیاد مصنف ہی کا مرتب کیا ہوا نسخہ رہا ہوگا کیونکہ اس نسخے کے ترقیمۂ مصنف میں یہ الفاظ موجود ہیں : «از خوانندگان دعای مغفرت دارم»

اس نسخے کے آخری صفحہ پر کسی کتابخانے کی تاریخ داخلہ ۹۹۷ ھجری خط عربی میں اس طرح درج ہوئی ہے :

«۲۰ اوراق

چہاردھم شہر رمضان المبارک سنہ سبع و تسعین و تسع مائۃ

سجل شدہ داخل کتابخانہ شد، عمل حبیب احمد،»

اور اس کے مقابل میں دائیں طرف یہ الفاظ جلی خط نستعلیق میں درج ہیں:

«ملاحظ کردہ شد، عبدالرحیم»

گجرات کی تاریخ ہونے کی بنا پر اس کا امکان ہے کہ ترقیمہ گجرات میں لکھا گیا ہو اور دوسری تحریر سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید اس نسخے کا تعلق عبدالرحیم خان خاناں سے ہو اور یہ نسخہ اس کے ملاحظے سے گذرا بھی ہو کیونکہ بہرحال یہ معلوم ہے کہ ۹۹۷ ھجری میں خان مذکور گجرات کا حاکم تھا - لیکن اگر یہ جملہ بھی مذکورۂ بالا تاریخ میں گجرات ھی میں تحریر ہوا تو اس کی نسبت خان خاناں کی طرف صحیح نہو گی - اس کی وجہ یہ ہے کہ آخر ربیع الثانی ۹۹۶ ھجری میں خان مذکور میر فتح اللہ شیرازی کے[1] ساتھ اکبری دربار میں واپس آچکا تھا اور محرم ۹۹۸ ھجری[2] یعنی تبدیلی حکومت گجرات تک اس کا دوبارہ گجرات جانا ثابت نہیں ہے - اس کا بھی گمان ہو سکتا ہے کہ گجرات میں یہ کتاب دستیاب ہوئی ہو اور خانخاناں کے کتابخانے کے لئے شمالی ھندوستان بھیج دی گئی ہو - ایسی صورت میں مقام اور تاریخ کے اعتبار سے یہ تحریر خان مذکور کی طرف منسوب ہو سکتی ہے لیکن یہ امر کسی قدر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ خان خاناں کے ملاحظے سے ہر قسم کی کتاب گذرے - اگر کوئی غیر معمولی نسخہ ہوتا تو امکان تھا کہ وہ مرزا کے ملاحظے میں پیش کیا جاتا، لیکن معمولی نسخوں کا اس کے سامنے پیش ہونا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا - البتہ یہ بات ممکن ہے کہ خان خاناں کے متوسلین میں کسی کی یہ تحریر ہو جس کا تعلق کتابخانے سے رہا ہو - اتفاق سے اس کے مامورین ھیں ایک خوشنویس عبدالرحیم نامی تھا، اس کا ذکر «ماثر رحیمی» جلد سوم جزو[3] دوم اسطرح پایا جاتا ہے:

«ملا عبدالرحیم عنبرین قلم ھروی از خوش نویسان روزگار است ونسخ تعلیق را بغایت نیکو می نویسد و در اوائل سن کہ از خراسان بھندوستان شتافت بدربار این سپہ سالار

۱- «طبقات اکبری» ۲ : ۴۰۶

۲- «طبقات اکبری» ۲ : ۴۱۰، «ماثر رحیمی» (۲ : ۲۴۵) میں ۹۹۹ ھجری غلط ہے -

۳- ص ۱۶۷۸.

آمد و به یمن شاگردی و تربیت این سپه سالار ترقی تمام در خطش پدید آمد و آوازهٔ خوش نویسی او هندوستان را فرو گرفت و اکثر کتب این سرکار بخط آن نادرهٔ زمان است و مدتها ملازم و چاکر ایشان بود و در این کتابخانه تربیت او می کردند کسب آداب می کردتاآنکه سپه سالار اورا بنظر خلیفه الهی برده در سلک ملازمان بادشاهی در آورد ۔ الحال در هندوستان بعد از ملا محمدحسین کشمیری بهتر از وی نیست و رعایتهای کلی و انعامهای نمایان در ایام ملازمت یافت و الحال بدعا گوئی مشغول است »

«آئین اکبری»[1] میں بھی محمدحسین کشمیری کے ذکر کے بعد چند خطاطوں کا نام آیا ھے جو نستعلیق میں سرآمد روزگار تھے ، ان میں ملا عبدالرحیم بھی شامل ھے ۔ «ماثر رحیمی» سے[2] معلوم ھوا کہ خواجہ حسین ثنائی نے عبدالرحیم خوش نویس سے اپنے دو قصیدے لکھوا کر خان خاناں کے کتابخانے میں پیش کیا تھا ۔ یہ خوش نویس وھی ھے جس کا ذکر اوپر ھوا ھے ۔

اس تفصیل سے یہ قیاس ھوتا ھے کہ زیر نظر کتاب کے نسخۂ اصل پر غالباً ملا عبدالرحیم خوش نویس ھی کا دستخط ھے ۔

لیکن در اصل جو نسخہ میرے پیش نظر ھے وہ جدید ھے ، اس کے کاتب نے عمداً نسخۂ اصل کی ساری عبارتیں جو اس نسخے کی اھمیت ظاھر کرتی تھیں ، نقل کردی ھیں ، اگر ان کے بعد کاتب اپنا نام اور تاریخ کتابت لکھ دیتا تو پھر یہ عبارتیں اس کے جعل کو ظاھر نہ کرتیں لیکن بحالت موجودہ کاتب کے جعل ھی پر محمول ھوں گی ۔ اس جعل سے اتنا فائدہ تو ھوا کہ نسخۂ اصل کی اھمیت واضح ھوگئی اور یہ بات معلوم ھوگئی کہ غالباً وہ نسخہ خان خاناں کے کتابخانے میں شامل تھا ، پیش نظر نسخے کے کاتب نے اپنا جعل چھپانے کی غرض سے کتابخانے میں داخلہ کی عبارت عربی خط میں غالباً نسخۂ اصل کی پیروی میں لکھی ، عبدالرحیم کا دستخط جلی نستعلیق میں اور پوری کتاب خفی اور روشن نستعلیق خط میں لکھی ، اور غالباً نسخۂ اصل کی صفحہ بہ صفحہ نقل کی تاکہ تعداد اوراق میں فرق نہ آنے پائے ۔ یہ بھی ممکن ھے سطر بسطر نقل ھو ، بہر حال اتنی احتیاط کے باوجود اس کا جعل ظاھر ھوگیا ، اور ظاھر کیوں نہ ھوتا آخر تیرھویں یا چودھویں صدی کی سیاھی ، کاغذ ، خط وغیرہ دسویں صدی کی کیونکر تصور کرلی جاتیں ۔ مگر ان تمام امور

۱۔ ص ۸۱ — ۸۲ .

۲۔ ج ۳ جزو اول ص ۳۶۰ .

کے باوجود یہ بات مسلم ہے کہ یہ نسخہ اپنی ندرت کے اعتبار سے نہایت ہی اہم اور قابل توجہ ہے۔

مصنف کی بابت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم، کاتب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا خاندان بخارا سے آیا تھا، اور ہم کو معلوم ہے کہ بخارا کے علم پرور خطے کے بہت سے خاندان گجرات میں مقیم رہے تھے، انھیں میں سے مصنف کا بھی خاندان رہا ہوگا۔ وہ شاہ محمود بیگرہ کے عہد میں گجرات میں موجود تھا اور خصوصیت سے شاہزادۂ مظفر سے وابستہ تھا، کاتب نے یہ نہیں لکھا کہ جب مظفر بادشاہ ہوا تو مولف جو خود کاتب کا استاد اور مشفق تھا، اس کے مرتبے مں کیا ترقی ہوئی، بہر حال یہ مسلم طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مولف یعنی شرف الدین محمد اپنے دور کے ممتاز علماء میں سے تھا۔

بظاہر محمد قاسم فرشتہ نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے «تاریخ فرشتہ» کے ماخذ مں ایک کتاب «طبقات محمود شاہی» ہے۔ اس کا نام کم از کم چار بار آیا ہے، ماخذ میں «طبقات محمود شاہی گجراتی»، اور متن میں تین بار «طبقات محمود شاہی» (بحذف گجراتی) ملتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے ہیں۔ گجراتی کا اضافہ اس بنا پر ہوا ہوگا کہ محمود شاہ گجراتی (متوفی ۹۱۷ ہجری) اس دور کے دو اور بادشاہوں یعنی محمود بہمنی (متوفی ۹۳۴ ھ) اور محمود خلجی مندوی (متوفی ۹۴۷ھ) سے ممتاز ہوسکے، بظاہر یہ اضافہ فرشتہ کی طرف سے ہوا ہوگا۔ متن میں ایک بار جلد[1] اول میں سید خضر خاں بن ملک سلیمان کے ذکر میں اس تاریخ کا نام آیا ہے اور دو بار محمود شاہ بیگرہ کے حالات کے ذیل میں۔ آخر الذکر دونوں واقعات کا میرے پیش نظر تاریخ سے مقابلہ کرنے پر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ فرشتہ نے «طبقات محمود شاہی» سے یہی تاریخ مراد لی ہے جس کا نسخہ میرے پیش نظر ہے۔ تاریخ فرشتہ اور تاریخ گجرات مولفۂ شرف الدین محمد کی عبارتیں بالمقابل درج کی جارہی ہیں:

«تاریخ فرشتہ»	«تاریخ گجرات»
در «طبقات[2] محمود شاہی» مسطوراست کہ در سنہ اثنی وسبعین و ثمان مائۃ سلطان	سنہ ہشتصد و ہفتاد و دو، شبی سلطان محمود در خواب چشمان سر را از جمال

۱۔ جلد اول ص ۱۶۱۔

۲۔ جلد دوم ص ۱۹۶۔

« تاریخ فرشته »

محمود جمال جہاں آرای آفتاب فلک رسالت صلی اللہ علیہ و الہ وسلم را در خواب دید که چاشنی گیر مرحمتش از خوان احسان خود دو طبق باو ارزانی فرمود و تعبیرش آن بود که او را در آن مدت دو موہبت عظمی و دو نعمت کبری نصیب گردید ، یکی فتح ولایت دون و نارد و دوم فتح کرنال

صاحب[1] «طبقات محمود شاهی» میگوید که سلطان محمود باوجود بنیه ضعیف و نازک بدنی از حداست، من تا وقت وفات در ایام سفر و روز نبرد جوشن آهنین که پیل تنی باید که به هزار حیله بردارد، می پوشد و ترکشی پر از سیصد و شصت تیر بر کمر می بست و شمشیر و نیزه ضمیمهٔ آں می ساخت . . .

« تاریخ گجرات »

جہان آرای سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم منور ساخت و از سعادت عظمی زیارت مشرف گردید و دید که آن سرور صلی اللہ علیہ دو طبق طعام از خوان فیض بنیان خویش او را مرحمت فرموده اند و چاشنی آنها چشانیده ، معبران دانشور تعبیر کردند که دوقلاع مع ولایت بر دست سلطان چنان فتح خواهند شد که بر ربع مسکون مثالی نه داشته باشند ، سلطان قاصد فتح کرنال شد الخ

و در شجاعت و جلادت بی نظیر ، باوجود نحیف و نازک اندام در سفر و روز نبرد جوشن آهنین که برای تحمل او پیل تنی باید در برداشت و شمشیر و نیزه و کمان با ترکش پر از سی صد و هشت تیر در کمر الخ

ان عبارتوں کے مقابلے سے یہ قیاس[2] بہت قوی ہو جاتا ہے کہ فرشتہ نے «طبقات محمود شاهی» سے پیش نظر کتاب مراد کی ہوگی ، ذیل کی مثالوں سے مزید اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے :

« تاریخ فرشته »

اهل حل و عقد با عمادالملک وزیر سراز حبیب اتحاد بر آورد ، داؤد خاں را که هفت روز سلطنت کرده بود معزول ساختند و بصلاح دید عمادالملک برادر کوچک سلطان قطب الدین را که محمود خاں نام

« تاریخ گجرات »

داود شاه . . بر سریر دولت متمکن شد اما بوجه نالایقی خود زاید از هفت روز سلطنت نتوانست کرد که اهل حل و عقد سلطنت اورا معزول نموده بصلاح دید عمادالملک متفق شده برادر کوچک سلطان قطب الدین

---

۱ - جلد ۲ ص ۲۰۵

۲ - لیکن بعض امور سے اس قیاس کی صریحی مخالفت ہوتی ہے جیسا آگے بیان ہوگا ۔

« تاریخ فرشته »

داشت در چهارده سالگی براورنگِ سلطنت متمکن ساختند و روز جلوس خلایق . . . از بحر انعام او بهره مند گشتند و خارج اسپان تازی و عراقی و ترکی و خلتهای قیمتی و کمر شمشیر و خنجرهای زر افشاں و یک کرور تنکه نقد بسادات و علما و صلحا واصل گشت .

« تاریخ گجرات »

را که محمود خاں نام داشت بعمر چهارده سالگی بر اورنگ سلطنت گجرات متمکن ساختند . . روز جلوس ، سلطان محمود خلایق را به انواع نوازشات بیکران بهره مند ساخت و امرا و اعیان مملکت را به خلعتهای گراں‌بار احسان خود نمود و ملازمان دولت را به انعامات وافر بنواخت و برسادات عظام و علمای کرام بالخصوص دست داد و جود در از نمود که علاوه اسپان تازی و عراقی و ترکی و خلعتهای گران بها و شمشیر و خنجرهای جوهر دار و جوهرنگار و کمرهای مرصع کار ، یک کرور تنکه انفاق کرد

مطالب کی یکسانیت کے علاوہ جملوں ، فقروں اور لفظوں کی تکرار سے قیاس ہوسکتا ہے کہ فرشتہ نے تاریخ گجرات مولفہ شرف الدین احمد سے نہ صرف استفادہ بلکہ اس کی باقاعدہ نقل کی ہوگی یہ صرف ایک واقعہ پر منحصر نہیں ، محمود شاہ کے سارے حالات کا یہی حال ہے ، چنانچہ چند اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

« تاریخ فرشته »

حل و عقد سلطنت و قبض و بسط داد و ستد برای زرین عمادالملک وزیر مفوض گشته مهمات پادشاهی رواج و رونق تمام پیدا و جمیع خلایق از وضیع وشریف دل بر سلطنت او نهاده

لیک بعضی از کوته‌اندیشان مانند عضدالملک وصفی‌الملک و حسام‌الملک که از شان صاحب‌اقتدار بودند . . . اتفاق نموده گفتند که ما از تسلط و استیلای عمادالملک

« تاریخ گجرات »

و کسی را از وضیع و شریف محروم نداشت . . قبض و بسط و حل و عقد مملکت بدست عمادالملک سپرد و خود بتوجه خاص در آبادانی و رونق افزانی مملکت پرداخت

اما چنانکه دستور اهل طغیان و حاسدان اخوان‌الشیطان بوده است عضدالملک وصفی‌الملک و حسام‌الملک و برهان‌الملک که اعیان سلطنت بودند کنگاش کرده قرار دادند

« تاریخ فرشته »

و سخت‌گیری‌های او به‌تنگ آمده ایم اگر
سلطان اورا معزول سازد فهوالمطلوب والا
سلطان‌را از پادشاهی معزول ساخته برادرش
حسن‌خان را بپادشاهی بر میداریم

سلطان محمود باوجود صغرسن بفراست
دریافت که آنها همه بهتان و افتراست . . .
لیک ازانکه مبادا همگنان حمل بر بیمروتی
و بیوفائی من نمایند . . . پس عمادالملک
را در زنجیر کشیده بپا نصد نفر از مردم
معتمد سپرده تا سر بام دروازهٔ قلعه احمدآباد
محبوس ساختند

و در وقت سحر که نوبت سلطانی زدند
و مهتاب خوش بهم‌رسید برای دفع
کلفت و دلگیری بقصر برآمد و در دریچه
نشسته بهر سو نظر میکرد وناگاه گماشتهٔ
فیل‌خانه ملک عبدالله را دید که درپای
قصر ایستاده میخواهد چیزی عرض کند و
جرأت نمی نماید ، سلطان گفت هرچه می
خواهی عرض کن عبدالله غیر را در آنجا
ندیده معروض داشت که دولتخواهی مثل
عمادالملک سلطان ندارد و آنچه امرا بعرض
رسانیدند همگی بهتان و خلاف است

سلطان محمود نیز حقوق خدمات شایسته
او منظور داشته اورا معذور داشت و پسر
بزرگ او شهاب‌الدین‌احمد را خطاب
ملک‌الشرف داده از امرای کلان گردانید

« تاریخ گجرات »

که ما از تسلط و استیلای عمادالملک به تنگ
آمده ایم اگر معزول نماید فهوالمراد والاسلطان
را معزول سازیم و بجایش حسن‌خان برادرش
را بادشاه سازیم

سلطان محمود باوجود صغرسنی از
فراست خدا داد خود دریافت که منشای
شان چیست ، . . . . . . بد نام نه شوم که
بربی‌مروتی و بیوفائی و احسان‌ناشناسی‌من
محمول کنند . . . و عماد الملک بپاجولان
انداخته بپانصد مردمان معتمد حوالت کرد که
بر بام دروازهٔ قلعه محبوس دارند

تا بوقت نواخت نوبت سلطانی جهت
دفع ملال و رفع کلفت بیخوابی در قصر آمده
بدریچه نشست و بهر سو نظر همی کرد ناگاه
نظرش بملک عبدالله که گماشتهٔ فیل خانه
بود افتاد که درپای قصر ایستاده میخواهد که
چیزی عرض نماید ، اما جرأتی ندارد ،
سلطان تفقدی فرموده گفت ، بگو آنچه در
دل داری ، ملک عبدالله جا را از غیرخالی دیده
بصد ادب عرض نمود که خیرخواه دولت مثل
عمادالملک دربن مملکت کسی نیست امرا آنچه
گفته اند همه کذب و افتراست

سلطان حقوق و اخلاص اورامرعی
داشته هم رضاداد و اورا از خدمت معاف
فرموده پسر بزرگ اورا که شهاب‌الدین احمد
نام داشت خطاب ملک‌شرف عطا کرده از

« تاریخ فرشته »

و در پادشاهی مستقل شده بعدل وداد پرداخت

در سنه سبع و ستین و ثمان مائة باردیگر سلطان محمود خلجی بجانب دکن لشکر کشید و سلطان محمود گجراتی حسب الالتماس سلطان بهمنی باز بطرف دکن بقصد اعانت روان شد و سلطان محمود از شنیدن این خبر تا بدولت‌آباد تاخت کرد و غنیمت بسیار گرفته مراجعت نمود ۔

در سنه تسع و ستین و ثمان مائة سلطان محمود بالشکر بسیار بجانب قلعه باد رو بندر دون که مابین گجرات و کوکن واقع است روان گشت الخ ۔

در سنه سبعین و ثمان مائة جهت شکار بجانب احمد نگر رفت و در اثنای راه روزی بی سبب ظاهری بهاءالملک ابن الف خان یکی از سلاحداران را بکشت و از بیم قصاص بجانب ایدر گریزان شد ۔

در سنه ثلث و سبعین و ثمان مائة سلطان محمود غازی برسم شکار سواری فرموده اکثر ممالک خود را بنظر کیمیا اثر آورد و در معموری و آبادانی کوشید ۔

« تاریخ گجرات »

امرای کبار گردانید و خود در شغل استواری سلطنت و خیر خواهی رعایا وتفحص احوال امرا و سپاه مشغول شد ۔

سنه هشت صد و شصت و هفت تا هشت‌صد و شصت و هشت ، سلطان محمود خلجی باردیگر بر دکن لشکر کشید و سلطان محمود گجراتی بهم باالتماس نظام بهمنی بطرف دکن نهضت فرمود سلطان محمود خلجی تا بدولت‌آباد رسیده و آن نواحیه را غارت کرده و مال منال بسیار بر داشته باز گشت ۔

سنه هشت‌صد و شصت و نه ، درین سنه سلطان محمود بیگره بالشکر بیقیاس جانب قلعه بادرو بندر دون نهضت فرمود که مابین گجرات و کوکن واقع است الخ

سنه هشت صد و هفتاد ، درین سنه سلطان محمود گجراتی بعزم شکار بجانب احمد نگر سوار شد ، در اثنای راه بهاء الملک یکی را از سلاحداران شاهی بلاوجه بقتل رسانید و از خوف قصاص فرار شد ۔

سنه هشت صد و هفتاد و سه ، سلطان محمود برسم شکار سواری فرمود و اکثر ممالک خود را بنظر کیمیا اثر خود آورد و در معموری و آبادانی و فلاح رعایا کوشید ۔

لیکن ان امور پر جب تحقیق کی نظر ڈالی جاتی ھے تو یہ مشکل ھی سے تسلیم ھو سکے گا کہ فرشتہ نے «طبقات محمود شاھی» سے یہی تاریخ مراد لی ھے، اس لئے کہ جیسا عرض ھو چکا ھے تاریخ زیر نظر صرف گجرات کے مسلمان بادشاھوں کے حالات پر مشتمل ھے اور فرشتہ کی محولہ تاریخ میں ھندوستان کے اور جگہوں کے بھی واقعات شامل ھیں (تاوقتیکہ ھم سید خضرخاں کے ذیل کی «طبقات محمود شاھی» کو دوسری کتاب نہ سمجھ لیں جس کا بحالت موجودہ کوئی قرینہ نہیں) - پس «طبقات محمود شاھی» تاریخ گجرات مولفۂ شرف‌الدین محمد سے الگ ھوجاتی ھے - لیکن اس سلسلے میں بھی چند در چند اشکالات ھیں -

(۱) اگر یہ دونوں کتابیں جدا جدا ھیں تو طرز کی یکسانیت اور الفاظ و فقرات کی تکرار کی کیا وجہ ھے -

(۲) «طبقات محمود شاھی» ۹۰۵ ھجری تک کے واقعات پر مشتمل ھے، اور تاریخ گجرات مولفۂ شرف‌الدین محمد اور «تاریخ فرشتہ» کے مطالب ۹۱۷ ھجری تک عموماً مشابہ ھیں -

پہلے اشکال کے متعلق ایک بات یہ عرض کی جاسکتی ھے کہ ممکن ھے شرف‌الدین اور فرشتہ کا ماخذ ایک ھی ھو یعنی «طبقات محمود شاھی مولفۂ عبدالکریم» جو «طبقات عبدالکریم» کے نام سے بھی یاد ھوئی ھے، اور دونوں نے اپنے اپنے طور پر استفادہ کیا ھو، جملوں اور فقروں کی تکرار اسی کا نتیجہ ھو - مگر یہ عذر بھی بہت زیادہ معقول نہیں - شرف‌الدین، شاہ محمود کا معاصر ھی نہ تھا بلکہ شاھی دربار سے وابستہ بھی تھا - خصوصاً شاھزادہ مظفر (محمود کا بیٹا اور جانشین) اُس کا ممدوح تھا، اس وجہ سے خود محمود کے واقعات کے لئے اس کو کسی اور تاریخ کی اتنی مدد کی ضرورت نہ ھوئی ھوگی کہ اس کے نہ صرف مطالب سے استفادہ کیا جائے بلکہ اس کے فقرات و جملات بھی نقل کر لئے جائیں - ایک بات یہ بھی قابل ذکر ھے کہ شرف‌الدین نے اپنی کتاب محمود کی وفات کے چند ھی سال بعد لکھ ڈالی - اس سے خود اس مولف کے بیان کی اھمیت اظہرمن‌الشمس ھے اور غالباً اسی اھمیت کے پیش نظر خان‌خاناں کی توجہ میں یہ نسخہ آیا ھوگا اور اسکی لائبریری کی زینت رھا ھوگا -

دوسرے اشکال کے سلسلے میں یہ عرض ھے کہ «طبقات محمود شاھی» ۹۰۵ھجری تک کے واقعات پر مشتمل بتائی جاتی ھے، یہ اطلاع اس کے دو دریافت شدہ نسخوں کے

ذریعه حاصل هوئی هے - « گلزار ابرار » میں، اس میں ۹۱۷ تک کے واقعات بتائے گئے هیں۔ سید اکبرعلی ترمذی صاحب کا خیال هے که ممکن هے مصنف نے بطور تتمه ۹۰۶ تا ۹۱۷ هجری کے واقعات بعد میں شامل کردئے هوں - بهر حال یکسانیت مطالب و طرز اور تکرار الفاظ و فقرات سے امکان باقی رهتا هے که فرشته نے تاریخ گجرات دیکھی هو -

صرف فرشته[1] هی پر موقوف نهیں، بلکه اور دوسرے مورخوں کا، شرف‌الدین محمد کی تاریخ سے استفاده کرنے کا گمان هوتا هے - ذیل میں « طبقات اکبری» مولفهٔ نظام‌الدین احمد کا ایک بیان نقل کیا جاتا هے[2]، اس سے اندازه هوگا که صاحب « طبقات اکبری » کے پیش نظر غالباً یه کتاب موجود رهی هوگی -

> « چوں روز یکشنبه غرهٔ شعبان سنهٔ ثلاث و ستین و ثمان مائة محمود شاه بن محمد شاه بصلاح واستصواب امرا بر تخت گجرات جلوس کرده جانشین آبای خود شد طبقات خلایق را علی اختلاف مراتبهم از انعام عام خود بهره مند گردانید، و گویند دران روز غیر اسپان تازی و عراقی و ترکی و خلعتهای قیمتی و کمر و شمشیر مرصع و خنجرهای زرفشان یک کرور تنکه نقد بخشش فرموده بود »

ایک امر جس کی طرف اشاره ضروری هے یه هے که اس موقع پر فرشته کے یہاں بھی « علی اختلاف مراتبهم » موجود هے اور یه فقره تاریخ گجرات سے « ذیرحاضر » هے- اس سے یه خیال هوتا هے که شاید فرشته نے یه فقره « طبقات اکبری » هی سے لے لیا هو کیونکه بهر حال یه تو معلوم هی هے که اس کے سامنے « طبقات اکبری » بھی موجود تھی- ممکن هے دونوں نے « طبقات محمود شاهی » مولفهٔ عبدالکریم سے لیا هو -

« طبقات اکبری » کے علاوه صاحب « مرآت سکندری » اور صاحب «مآثر رحیمی» کے پیش نظر شرف‌الدین محمد کی تالیف کا هونا بالکل قرین قیاس هے، مثلاً آخرالذکر کا حسب ذیل[3] بیان گو بظاهر « طبقات اکبری » سے ماخوذ هے پھر بھی اس کا امکان ختم نہیں

---

۱ - « طبقات محمود شاهی‌کی علاوه فرشته نی محمود بیگره کی ذیل میں نظام الدین احمد (موالف « طبقات اکبری ») اور شیخ سکندر (موالف «مرآت سکندری») کا ذکر کیا هی (جلد ۱، ص ۱۹۷ اور ۱۹۸) حالانکه آخرالذکر کتاب شاید تاریخ فرشته کی دو ایک سال بعد هی مکمل هوئی هو -

۲ - جلد ۳ ص ۸۳۵ اور جیسا که معلوم هی که نظام‌الدین نی «طبقات‌محمود شاهی» سی استفاده کیا هو مگر یه قطعی نهیں که طبقات سی اس کی مراد زیر بحث تصنیف هی هو -

۳ - جلد ۲ ص ۱۳۹

ہوتا کہ جو مورخ فرشتہ سے تقریباً ٦ - ٧ سال پہلے اور نظام‌الدین سے تقریباً بیس سال بعد اپنی کتاب مرتب کر رہا ہو، اس نے اپنے معاصر کے بیان کو اصل ماخذ سے مقابلہ نہ کر لیا ہو کیونکہ اس کتاب کا حاصل کرنا اُس وقت اتنا مشکل نہ رہا ہوگا -

«درغرۂ شعبان ثلاث و ستین و ثمان مائة باستصواب امرا زینت بخش تاج و افسر گردید و به تخت سلطنت گجرات بر آمد، و طبقات خلایق را علی اختلاف مراتبهم از فیض عام خود کامیاب گردانید، و در روز جلوس بغیر از اسپ و خنجر و شمشیر مرصع یک کرور روپیه احسان نمود» -

گجرات کی تاریخوں میں دو تاریخوں کا عنوان «طبقات محمود شاہی» معلوم ہوتا ہے، ایک کا مولف صدر جہاں فیض اللہ بن زین‌العابدین بن حسین بنبانی ہے، وہ ۹۰۷ھ میں محمودشاہ بیگرہ کے حکم سے بیدر میں بغرض سفارت گیا تھا اور وہیں یہ تاریخ بھی لکھ رہا تھا، یہ بڑی ضخیم عمومی تاریخ ہے جو اپنے زمانے تک کے حالات پر مشتمل ہے[1]، اس کا عنوان «تاریخ صدر جہان» ہے لیکن براون کالکشن کے مخطوطے کی ایک مشتبہ تحریر کی بنا پر اس کلکشن کے کیٹلاگ میں اس کا عنوان «طبقات محمود شاہی» غلط طور پر فرض کر لیا گیا ہے- اس بنا پر فرشتہ کی محولہ «طبقات محمود شاہی» سے یہ تاریخ ہرگز مراد نہیں لی جا سکتی - ثانیاً «تاریخ صدر جہان» کے مطالب ہماری پیش نظر تاریخ سے بالکل الگ ہیں- دوسری تاریخ کا نام «الطبقات‌المحمود شاہیہ» ہے- اس کا مولف عبدالکریم[2] تھا جو ۸۷۸ میں برہان پور میں اور ۸۸۷ میں محمود شاہ بہمنی کے جلوس کے موقع پر بیدر میں موجود تھا، ۸۹۲ میں بادشاہ ہرمز نے غالباً بادشاہ گجرات کے پاس بھیجا اور محمودشاہ بیگرہ کے حکم سے اس نے ایک عمومی تاریخ لکھی جس کے نویں طبقے اور خاتمے میں دکن، بالخصوص گجرات کے دلچسپ واقعات درج ہیں- سٹوری کا خیال[3] یہ ہے کہ فرشتہ نے «طبقات محمود شاہی گجراتی» سے یہی تاریخ مراد لی ہے :

"Firishta quotes the "*Tabaqa:-i-Mahmud Shahi*" more than once, but he does not mention the author."

---

١ - دیکھئو «پرشین لٹریچر» ص ١٠٩ - ١١٠

٢ - تفصیل کی لئی دیکھئو «پرشین لٹریچر» ص ١٠٩ ، ٧٢٦

٣ - «پرشین لٹریچر» ص ١٠٩ حاشیہ

مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے قطعی طور پر نہیں معلوم کہ فرشتہ کی مراد کون سی تاریخ ہے -

سٹوری نے یہ بھی قیاس[1] کیا ہے کہ غالباً ملا عبدالکریم مولف « طبقات محمود شاهیہ » وهی شخص ہے جس نے محمود گاواں کے حالات لکھے ہیں اور بقول[2] فرشتہ جو « تاریخ محمود شاہی » کا مولف اور بقول ریو یہی « تاریخ محمود شاہی » « مآثر محمود شاہی » ہے - ریو کے قیاس کی بنیاد سٹوری[3] پر واضح نہیں - میرے خیال میں اس نے فرشتہ کے حسب ذیل فقروں سے یہ قیاس کیا ہوگا :

« کتاب‌المآثر محمود شاہی گجراتی » (ج ۱ ص ٤)

« عبدالکریم همدانی صاحب تاریخ محمود شاہی » (ج ۱ ص ۳۵۷)

ظاہر ہے کہ یہ مسائل کافی اُلجھے ہوئے ہیں - بعض لوگوں[4] نے « طبقات محمود شاہی » اور « مآثر محمود شاہی » کو ایک ہی کتاب بتایا ہے - مگر سید اکبرعلی ترمذی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو «اسلامک کلچر» (اپریل ۱۹۵۸) میں شائع ہوا ہے یہ بات پوری طرح واضح کردی ہے کہ عبدالکریم همدانی صاحب « تاریخ محمود شاہی» اور عبدالکریم صاحب « طبقات محمودشاہی » دو الگ الگ شخص ہیں، اسی طرح انہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ « طبقات محمودشاہی » « مآثر محمود شاہی » سے الگ ہے اور دونوں کے مصنف دو الگ شخص ہیں -

میرے پیش نظر نسخے کے مطالب کی بابت یہ عرض ہے کہ اس مختصر نسخے میں مختلف سنوں کے ماتحت واقعات درج ہیں، یہی سنین ذیلی سرخی کا کام دیتے ہیں، پورے نسخے میں حسب ذیل سنین سرخ روشنائی میں جلی قلم سے ملتے ہیں -

طبقۂ سوم از تاریخ گجرات در احوال سلطان محمود شاہ بیگرہ از سنہ ۸٦۳[5] تا سنہ ۹۱۷ هجرت نبوی -

سنہ ۸٦۳	ورق ۲ ا	سنہ ۸٦۷ تا ۸٦۸	ورق ۵ ب
,, ۸٦٤ تا ۸٦۵	,, ٤ ب	,, ۸٦۹	,, ,,

۱ - دیکھئو « پرشین لٹریچر » ص ۱۰۹ ، ۷۲٦

۲ - تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۵۷

۳ - دیکھئو « پرشین لٹریچر » ص ۷۲٦

٤ - اس سلسلہ کی ساری تفصیلات اسلامک کلچر بابت اپریل ۱۹۵۸ میں ملیں گی،

۵ - ساری سنین فارسی میں ہیں اور لفظوں میں لکھے ہوئے ہیں -

سنہ	ورق	سنہ	ورق
,, ٨٧٠	ورق ٦ ا	,, ٩٠١	,, ١٧ ا
,, ٨٧١	,, ٦ ب	,, ٩٠٢ تا ٩٠٣	,, ,, ا
,, ٨٧٢	,, ,,	,, ٩٠٤	,, ,,
,, ٨٧٣	,, ٨ ب	,, ٩٠٥	,, ,,
,, ٨٧٤	,, ,,	,, ٩٠٦	,, ١٧ ب
,, ٨٧٥ تا ٨٧٨	,, ٩ ب	,, ٩٠٧ تا ٩١١	,, ,,
,, ٨٧٩	,, ١٠ ا	,, ٩١٢	,, ,,
,, ٨٨٠ تا ٨٨٦	,, ١١ ا	,, ٩١٣	,, ١٨ ا
,, ٨٨٧	,, ١٣ ب	,, ٩١٤	,, ١٨ ب
سنہ ٨٨٨ تا ٨٨٩	ورق ١٤ ب	,, ٩١٥ تا ٩١٧	,, ١٩ ا
,, ٩٠٠	,, ١٦ ا		

اس تاریخ میں کوئی ایسی بات مشکل ہی سے ملے گی جو بعد کی تاریخوں میں درج نہ ہو اور اس لحاظ سے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں، لیکن اس کی دریافت سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ بعد کی تاریخوں کے بیان اپنے ماخذ کی اہمیت و صداقت کی بنا پر بہت ہی قابل وقیع ہیں - یہی اس تاریخ کی اہمیت ہے اور یہ چھوٹی سی چیز تاریخی نقطۂ نظر سے نہایت درجہ قابل توجہ ہے -

---

دیوان حافظ کا ایک قدیم مخطوطہ

حافظ شیرازی کے دیوان کے متعدد ایڈیشن نکلے اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے مگر اس کثرت اشاعت کے باوجود اس کا دیوان، الحاق سے پاک نہیں چنانچہ فارسی کے شائقین اور حافظ کے دلدادگان نے ہمیشہ اس کے دیوان کے قدیم سے قدیم نسخوں کی تلاش جاری رکھی. اسی دوران میں عبدالرحیم خلخالی کو ایک ایسا نسخہ دستیاب ہوا جو حافظ کی وفات کے ۳۵-۳۶ سال بعد لکھا گیا تھا. اس مختصر نسخے میں ۴۹۵ غزلیں، ایک مختصر مثنوی (ابیات: ۲۸) ایک مختصر ساقی نامہ (ابیات: ۵۶) ۲۹ قطعات اور ۴۲ رباعیاں شامل ہیں. میرزا محمد قزوینی نے اس نسخے کی دریافت کو فارسی زبان کا ایک اہم کارنامہ قرار دیا اور اس پر ایک نفیس تبصرہ شائع کیا[1]. سنہ ۱۳۲۰ھ میں انہوں نے ڈاکٹر قاسم غنی کی شرکت میں «دیوان حافظ» کا ایک ناقدانہ ایڈیشن شائع کیا[2] جس کی بنیاد نسخۂ خلخالی پر تھی. قزوینی نے اس کے مقدمے میں خلخالی کے نسخے کے مطالب کے علاوہ سارے اور اشعار جو دوسرے نسخوں میں زیادہ ہیں الحاقی قرار دے دیا[3].

---

۱ میرزا محمد ابن عبدالوہاب قزوینی: بیست مقالہ ۲: ۹۱ — ۱۰۱

۲ چاپخانۂ مجلس تہران سے شائع ہوا، اس کا عالمانہ مقدمہ قابل دید ہو.

۳ مثلاً یہ جملہ دیکھیے: «هرچه در این نسخه نیست باحتمال بسیار قوی بلکه تقریباً بنحو قطع و بیقین الحاقی و اشعار دیگران است» مقدمه ص: (م)

---

* ڈاکٹر نذیر احمد. پروفیسر شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ.

دیوان حافظ کے قدیم نسخوں کی تلاش میں قزوینی کو ایک ایسے نسخے کی اطلاع ملی جس کی کتابت خود حافظ کی حیات ہی میں ہوئی تھی مگر وہ نسخہ ایران سے باہر چلا گیا اور باوجود تلاش کے اس کا سراغ نہ ملا[1] .

اتفاق سے جرمن مستشرق Professor Hellmut Ritter کو ترکی کے کتابخانے ایا صوفیہ میں دیوان حافظ کا ایک نسخہ ملا (نمبر : ۳۹۴۵) جس کی کتابت ۸۱۳ اور ۸۱۷ ہجری کے درمیان ہوئی تھی[2] . یہ نسخہ ان کے قول کے مطابق ۸۱۳ اور ۸۱۷ ہجری میں فارس میں اسکندر بن عمر شیخ[3] حکمران وقت کے حکم سے لکھا گیا[4] . یہ نسخہ اس وقت تک کے دریافت شدہ نسخوں میں سب سے قدیم قرار پاتا ہے .

دو سال بعد ترکی کے مشہور عالم پروفیسر احمد آتش نے « قونیہ کے بعض اہم مخطوطات » کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا[5] جس میں حافظ کے دیوان کے قدیم مخطوطے کا بھی ذکر بطور تمہید کے کیا مگر ان کے بیان کی رو سے اس مخطوطے کی کتابت کی تاریخ ۸۱۳ اور ۸۱۴ ہجری تھی . اس مضمون میں کتبخانۂ متحف قونیہ کے ایک ایسے نسخے کا تعارف کرایا ہے جو ۸۱۹ ہجری میں لکھا گیا . یہ نسخہ « گلشن راز » اور ابن یمین کے مقطعات کے ساتھ ایک مجموعے میں صفحات ۸۱ تا ۳۷۵ کے

---

۱ قزوینی : مقدمۂ دیوان حافظ ص : کسط

۲ *Islam Ansiklopedisi* (Istanbul, 1943) IV, p. 70

۳ اسکندر بن عمر شیخ ، تیمور کا پوتا تھا ، وہ نہایت علم پرور حاکم تھا ، فارسی کا مشہور شاعر ابو اسحاق اطعمہ اس سی وابستہ تھا . پہلو ہمدان کا حاکم تھا پھر سنہ ۸۱۲ میں شیراز کا والی مقرر ہوا مگر قسمت میں یکسوئی نہ تھی ، شاہ رخ سی لڑائی ہوئی جس میں اس کی شکست ہوئی. اس نی ۸۱۸ھ میں وفات پائی (براون : تاریخ ادبیات فارسی : ۳:۳٤٤—۳٤٥) مگر ڈاکٹر یار شاطر نی (شعر فارسی در عہد شاہرخ : ۳۷ ، ٤۳) میں بعض متضاد باتیں لکھی ہیں اور قتل کا سال سنہ ۸۲۹ درج کیا ہی جو غلط ہی دیکھیی ص : ٦۹ اور ۲٤۸

٤ میں ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحب (ناگپور یونیورسٹی) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نی مجھی ان مطالب سی روشناس کرایا .

٥ ڈاکٹر سید نعیم الدین نی جن کی توسط سی یہ مطالب حاصل ہوئی ہیں یہ اطلاع دی ہی کہ آقای تحسین یازجی اسسٹنٹ پروفیسر استنبول یونیورسٹی ان دونوں ترکی نسخوں کی مدد سی دیوان حافظ مرتب کر رہی ہیں.

حاشیے پر نقل ہے اس کی ابتدا « ألا یا أیها الساقی » والی غزل سے ہوتی ہے اور خاتمہ، قطعہ کی اس بیت پر ہوا ہے.

شاہ غازی خسرو گیتی ستان　　　آنکہ از شمشیر او خونی چکید

یہ قطعہ نسخۂ خلخالی میں تیسرے نمبر پر ہے جس میں ١٠ ابیات ہیں اور مندرجہ بالا بیت پانچویں نمبر پر ہے. طبع نول کشور میں اس بیت کا یہی نمبر ہے اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاید قونیہ کا نسخہ ناقص الآخر ہو. راقم کے پیش نظر ایک قدیم مخطوطہ ہے جس کا تعارف کرایا جارہا ہے. اس میں اس قطعے میں صرف چار بیتیں ہیں کیا عجب یہ آخری بیت ہو. قونیہ کا یہ مخطوطہ، خلخالی کے نسخے سے ٨ سال قبل کا لکھا ہوا ہے اور اس لحاظ سے نہایت ہی اہم ہے.

برٹش میوزیم کے ایک مجموعے میں جس کی تفصیل Charles Rieu نے فارسی مخطوطات کی فہرست میں دی ہے[١]، حافظ کی ١٥٢ غزلیں دو جگہ نقل ہیں (ص ٢٠٤ تا ٢٢٤) سکندر نامۂ نظامی کے حاشیے میں ١٤٥ غزلیں، ان میں ایک غزل دوبار درج ہوگئی ہے اور پھر ص ٢٣١-٢٣٢ پر دوسرے شاعروں کی غزلوں کے ساتھہ ٩ غزلیں ہیں جن میں دو غزلیں دوبار درج ہوگئی ہیں. پورا مجموعہ جمادی الاولیٰ ٨١٣ اور جمادی الثانی ٨١٤ ہجری کے درمیان مرتب ہوا ہے. اس کے دو کاتب تھے، ایک محمد الحلوائی جو سلطان جلال الدین اسکندر کا پروردہ تھا اور دوسرے کا نام ناصر الکاتب تھا. یہ مجموعہ جلال الدین اسکندر بن عمر شیخ ہی کے لیے تیار ہوا تھا.

یہ بات قابل غور ہے کہ ایا صوفیہ کے کتابخانے کا مخطوطہ بھی ٨١٣ اور ٨١٤ ہجری کے درمیان امیر تیمور کے پوتے جلال الدین اسکندر ہی کے لیے مرتب ہوا تھا کیا عجب برٹش میوزیم کا یہ مخطوطہ اور ایا صوفیہ کا نسخہ ایک ہی ہوں. بہرحال اگر دو ہیں تو اسکندر بن عمر شیخ کی حافظ سے غیر معمولی عقیدت کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بات بعید از

---

١ دیکھیے: Charles Rieu, *Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum* (London, 1881) ii, p. 868

قیاس بھی نہیں اس لیے کہ فارس کے علم دوست حاکم کی ایسے بے بدل شاعر کے ساتھ غیر معمولی عقیدت جو چند ھی سال پہلے فوت ھوا ھو فطری ھو گی .

برٹش میوزیم کے نسخے کی غزلیں ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری استاذ دانشگاہ تہران کے توسط سے ۱۳۳۷ شمسی میں تہران میں چھپ گیا ھے . مرتب نے یہ بھی لکھا[1] ھے کہ حافظ کے دیوان کے چار ایسے نسخے دریافت ھو گئے ھیں جو نسخۂ خلخالی سے قدیم ھیں مگر انھوں نے کسی کی تفصیل درج نہیں کی ھے .

کتابخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ایک اھم قدیم نسخہ موجود ھے جس کی کتابت سنہ ۸۱۸ ھجری میں ھوئی تھی . گویا بہ اعتبار قدامت اب تک کے دریافت شدہ نسخوں میں یہ دوسرا یا تیسرا ھے . سب سے قدیم ایا صوفیہ اور برٹش میوزیم کے نسخے ھیں جو ۸۱۳ اور ۸۱٤ کے درمیان لکھے گئے ، پھر آصفیہ کا ۸۱۸ کا لکھا ھوا نسخہ ، پھر قونیہ کا نسخہ جس کی کتابت ۸۱۹ میں ھوئی ، اس کے بعد نسخۂ خلخالی مکتوبہ ۸۲۸ھ . اس سے ایک اور قدیم نسخے کا ذکر ڈاکٹر زبیر صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) نے بھی کیا ھے .

آصفیہ کا نسخہ ایک مجموعے میں شامل ھے جس میں تین کتابیں ھیں :

(۱) کلیلہ و دمنہ (متن : ۱-٤٦۲) اس کے آخر میں یہ ترقیمہ ھے :

و فرغ من کتابتہ یوم الثلثاء ثانی‌عشر شہر ربیع الاول سنہ ثمان عشرو ثمانمائۃ و الحمد لولیّ الحمد .

(۲) منطق الطیر (حاشیہ : ۱-۲۷۲) خاتمے کی عبارت یہ ھے :

تم الکتاب بعون اللہ و حسن توفیقہ والصلوۃ والسلام علی محمد وآلہ واصحابہ

(۳) دیوان حافظ (حاشیہ : ۲۷۳-٤٦۲) خاتمے کی تحریر یہ ھے :

تمام‌شد دیوان مولانا شمس الدین محمد حافظ الشیرازی بحمداللہ و حسن توفیقہ

متن اور حاشیے کی تحریر کا قلم ایک ھی ھے اور دونوں کا ساتھ ساتھ لکھا جانا تقریباً یقینی ھے . تحریر ، سیاھی ، بین السطور وغیرہ

---

۱ غزلہای خواجہ حافظ : ص : یج ، تہران ، ۱۳۳۷)

ساری چیزوں کا تقاضا ہے کہ اس مجموعے کے سارے مندرجات ایک ہی کاتب اور ایک ہی زمانے کے سمجھے جائیں[1]. دیوان حافظ کے حاشیے پر نقل ہونے سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے اس لیے کہ قدیم دواوین میں بیشتر دواوین حاشیے ہی پر لکھے ہوئے ملتے ہیں. صفحہ ٤٦٢ کے حاشیے پر حافظ کا دیوان ختم ہوا ہے اور متن میں «کلیلہ و دمنہ» جس کے بعد خاتمے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۸۲۸ ہجری درج ہے.

آصفیہ کے کتابخانے کا یہ مجموعہ آخر آبان ۱۳۲۱ میں کتابخانے میں داخل ہوا تھا. اس پر بہت سی تحریریں تھیں جو مٹادی گئی ہیں. دوسرے ورق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہزادہ دانیال کی ملک میں تھا. پہلے ورق پر جو تحریریں باقی ہیں ان میں ۱۰۱٤، ۱۰۲۱، ۱۰٤٤ وغیرہ کے سنین پڑھے جا سکتے ہیں. اس مجموعے کا وہ حصہ جہاں سے دیوان حافظ شروع ہوتا ہے (ص ۲۷۳—٤٦۲) وہاں سے آخر تک حکومت حیدرآباد کی طرف سے ۱۹٤٦ع میں چھپ گیا ہے. «دیوان حافظ» تو حاشیے میں ہے اور متن میں «کلیلہ ودمنہ» کا آخری حصہ ہے. اس پر کسی قسم کی توضیحی عبارت نہیں جس سے اس بات کا اندازہ ہوسکے کہ متن کا یہ حصہ «کلیلہ و دمنہ» ہے. مجموعے کا یہ حصہ جو عکسی طور پر چھپا ہے غالباً شایع نہیں ہوا. سر ورق پر اس نسخے کی کتابت کا سنہ ۸۱۸ ہجری کے بجائے ۹۱۸ ہجری درج ہوگیا ہے.

دیوان حافظ کا نسخۂ آصفیہ حسب ذیل اجزا پر مشتمل ہے:

۱—غزلیات، (حاشیہ: ۲۷۳—٤۵۵) ہر صفحے پر عموماً ۱۵ ابیات ہیں چند صفحوں پر ۱٦ بھی ہیں، پہلا صفحہ ۱٤ اور آخری ۱۱ بیت پر مشتمل ہے.

۲—المقطعات مع رباعیات، قطعوں کی تعداد ۱۲ اور رباعیوں کی ۲۰ ہے. ان اجزا کی مزید تفصیل درج ذیل ہے:

[1] حوض کی سطح 16.2×9.2 سینٹی میٹر، حاشیہ 2.5 سینٹی میٹر چوڑا ہے، متن چار سطروں سے گھرا ہے. حاشیے کے باہر بھی دوہری سطریں ہیں، ہر غزل کے خاتمے پر «واہ» بین السطور میں بڑے اہتمام سے لکھا ہوا ملتا ہے حاشیے کے وسط میں پورے مجموعے میں ایک ہی قسم کا سنہرا پھول ہے ساری سطریں، پھول اور عنوان طلائی ہیں

غزلیات :

ردیف ا (حاشیہ : ۲۷۳)، ۱۰ غزلیں، خلخالی کے نسخے میں دو غزلیں نمبر ٤ اور ۱۲ زیادہ ھیں. ترتیب دونوں کی الگ الگ ھے. البتہ پہلی غزل دونوں میں ایک ھی ھے.

ردیف : ب (حاشیہ : ۲۷۸)، ایک غزل، خلخالی کے نسخے میں غزل نمبر ۱۳ زیادہ ھے[۱].

ردیف : ت (حاشیہ : ۲۷۸) ٦۸ غزلیں نسخۂ خلخالی کی ۱۳ غزلیں نمبر ۲۸، ۲۹، ۳۳، ۳۷، ٤۱، ٤۳، ٥٤، ٦۰، ٦۱، ٦۳، ۷۹، ۸٥، اور ۹۱ اس میں نہیں ھیں.

ردیف : ث، ج، ح میں کوئی غزل نہیں، خلخالی میں ھر ایک ردیف میں ایک ایک غزل ھے.

ردیف : ح (حاشیہ : ۳۱٥) ایک غزل ھے وھی خلخالی میں بھی ھے.

ردیف : د (حاشیہ : ۳۱٥)، ۱۰۱ غزلیں ھیں، خلخالی میں ٤۸ غزلیں زیادہ ھیں ان کے نمبر یہ ھیں: ۱۰۰، ۱۰٦، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱٤، ۱۱٥، ۱۱٦، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳٦، ۱۱۳، ۱۳۸، ۱٤۲، ۱٤٤، ۱٥۱، ۱٥٦، ۱٦٦، ۱٦۸، ۱۷۰، ۱۷٥، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸٤، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹٥، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰٤، ۲۰٥، ۲۰٦، ۲۱٤، ۲۱٥، ۲۲۰، ۲۲٦، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳٤، ۲۳٦، ۲٤۰، ۲٤۳، لیکن اس نسخے کی ایک سو ایک غزلوں میں ٤ خلخالی میں موجود نہیں ھیں ان میں سے تین، طبع نول کشور میں موجود ھیں لیکن یہ غزل اس میں نہیں ملی.

---

۱ ایک قابل توجہ امر یہ ھی کہ ردیف «ب» کی یہ غزل :

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب   ز تاب ھجر تو دارد شرار دوزخ تاب

نسخۂ خلخالی میں شامل نہ ھونی کی بنا پر قزوینی کی نزدیک الحاقی ھو، اتفاق یہ کہ یہ غزل آصفیہ کی بھی نسخو میں شامل نہیں. ایکن حافظ کی اھم معاصر جنھوں نی اس شاعر کی متعلق بڑی داچسپ معلومات اپنی ملفوظات اور مکتوبات میں فراھم کی ھیں، اس غزل کو ملفوظات میں حافظ کی نام درج کرکی اس کی صحت پر مہر صداقت ثبت کردی ھو. یہ غزل نول کشور کی مطبوعہ دیوان میں موجود ھو (ص : ۱٦)

ز دل بر آمدم و کار بر نمی آید   ز خود بدر شدم و یار در نمی آید

تین غزلیں جو طبع نول کشور میں ھیں وہ یہ ھیں:

داد گرا ترا فلک جرعہ کش پیالہ باذ

دشمن دل سیاہ تو غرقہ بخون چون لالہ باذ

مژدہ ای دل کہ مسیحا نفسی می آید

کہ ز انفاس خوشش بوی کسی می آیذ

مرا می دگر بارہ از دست برد   بمن باز آورد می دست برد

قزوینی نے ان چاروں غزلوں کو الحاقی قرار دے کر اپنے مرتب کیے ہوئے نسخے سے انھیں خارج کردیا ھے حالانکہ خلخالی نے «غزلیات منسوب» کے ضمن میں پہلی اور تیسری غزل کو نقل کیا ھے. ظاھر ھے کہ قزوینی کا یہ فیصلہ قطعی بے بنیاد ھے. یہ حافظ ھی کی غزلیں ھیں، لطف یہ ھے کہ برٹش میوزیم کے نسخے میں بھی غزل نمبر ٣ موجود ھے. غرض خلخالی کے مخطوطے کی قدامت کی بنا پر یہ غزلیں الحاقی قرار دی گئی تھیں تو اس سے قدیم نسخے میں شامل ھونے کی وجہ سے ان کی صحت متیقن ھوگئی.

ردیف : ر (حاشیہ: ٣٦٥)، دس غزلیں، نسخۂ خلخالی میں تین غزلیں نمبر ٢٥٠، ٢٥٣، ٢٥٦ زیادہ ھیں مگر اس نسخے کی حسب ذیل غزل جو طبع نول کشور ص ٢٨٦ پر موجود ھے، خلخالی کے نسخے سے خارج[1] اور بقول قزوینی الحاقی ھے:

ساقیا مایۂ شراب بیار   یک دو ساغر شراب ناب بیار

ردیف : ز (حاشیہ: ٣٧١) میں چھہ غزلیں، نسخۂ خلخالی میں چار غزلیں نمبر ٢٥٩، ٢٦٠، ٢٦٤ اور ٢٦٦ زیادہ ھیں اور اس نسخے کی حسب ذیل غزل جو طبع نول کشور کے نسخے میں ص ١٩٤ پر موجود ھے

---

١ یہ تینوں غزلیں «منسوب غزلوں» میں شامل ھیں، دیکھیے نمبر ٤٥، ٤٩ اور ٥٠ بالترتیب

نسخۂ خلخالی سے خارج اور قزوینی کے نزدیک الحاقی ہے :

صبا بمقدم گل راح روح بخشد ناز کجاست بلبل خوشگوی گو برآر آواز

ردیف : س (ح : ۳۷۴) میں ٤ غزلیں ، نسخۂ خلخالی کی نمبر ۲۶۹ ، ۲۷۱ اس میں نہیں ہیں لیکن حسب ذیل غزل جو طبع نول کشور میں ص ۲۰۱ پر منقول ہے ، خلخالی سے خارج اور قزوینی کے فیصلے کے مطابق الحاقی ہے . لطف یہ ہے کہ طبع خانلری میں جس کی بنیاد سنہ ۸۱۳-۸۱٤ ہجری کا مکتوبہ نسخہ ہے یہ غزل ص ۱۲۳ پر موجود ہے ، مگر مرتب نے نہ اس غزل کے اور نہ ردیف « د » کی ایک اور زاید غزل کے ضمن میں کوئی توضیحی نوٹ لکھا ہے :

جانان ترا کہ گفت کہ احوال ما مپرس بیگانہ گرد و قصۂ ہیچ آشنا مپرس

ردیف : ش (ح : ۳۷٦) میں ۱۲ غزلیں ، نسخۂ خلخالی کی ۸ غزلیں اس میں شامل نہیں جن کے نمبر یہ ہیں : ۲۷۲ ، ۲۷٤—۲۷۷ ، ۲۸۰ ، ۲۸۲، ۲۹۱ .

ردیف : ع (ح : ۳۸۱) دو غزلیں ، خلخالی کی غزل نمبر۲۹۲ موجود نہیں .

ردیف : غ کوئی غزل نہیں ، خلخالی میں ایک غزل ہے .

ردیف : ف (ح :۳۸۲) ایک غزل ، وہی خلخالی میں بھی ہے .

ردیف : ق (ح : ۳۸۳) دو غزلیں ، وہی خلخالی میں بھی ہیں .

ردیف : ک (ح : ۳۸٤) تین غزلیں ، وہی خلخالی میں بھی ہیں .

ردیف : ل (ح : ۳۸٦) تین غزلیں ، خلخالی میں ٤ غزلیں زاید ہیں جن کے نمبر یہ ہیں : ۳۰۲ ، ۳۰٦—۳۰۸

ردیف : م (ح : ۳۸۷) ٤۸ غزلیں ، خلخالی میں ۲۵ غزلیں زیادہ ہیں . ان کے نمبر یہ ہیں : ۳۱۱ ، ۳۱۲ ، ۳۱٤ ، ۳۲۳ ، ۳۲۵—۳۲۸ ، ۳۳۰ . ۳۳۲ ، ۳۳٤ ، ۳۳٦ ، ۳۳۷ ، ۳٤۲ ، ۳٤٤ ، ۳٤۵ ، ۳٤۷—۳۵۰ ، ۳٦۰ ، ۳٦۷ ، ۳٦۸ ، ۳۷۰ ، ۳۷۱

ردیف : ن (ح : ٤۱۱) ۱۵ غزلیں ، خلخالی میں ۸ غزلیں زیادہ ہیں ان کے نمبر یہ ہیں : ۳۸۳ ، ۳۸٤ ، ۳۹۱ ، ۳۹۳ ، ۳۹۸ ، ٤۰۰ ، ٤۰۳ ، ٤۰۵

ردیف : و (ح : ٤۱۹) ۱۰ غزلیں ، خلخالی میں ایک غزل نمبر ٤۱۳ زیادہ ہے .

ردیف : ہ (ح : ٤٢٤) ١٠ غزلیں ، خلخالی کی تین غزلیں نمبر ٤١٨ ، ٤٢٣ اور ٤٢٨ موجود نہیں ہیں .

ردیف : ی (ح : ٤٢٤) ٥٠ غزلیں ، خلخالی میں ١٩ غزلیں زیادہ ہیں جن کے نمبر یہ ہیں : ٤٣٠ــ٤٣٢ ، ٤٣٧ ، ٤٤٠ ، ٤٤٥ ، ٤٤٦ ، ٤٥٢ ، ٤٥٥ ، ٤٥٧ ، ٤٦١ ، ٤٦٦ ، ٤٧٢ ، ٤٧٥ ، ٤٨٢ ، ٤٨٤ ، ٤٨٩ ، ٤٩٠ ، ٤٩٦

لیکن زیر نظر نسخے کی حسب ذیل دو غزلیں نسخۂ خلخالی[1] میں سے خارج اور بقول قزوینی الحاقی ہیں . یہ دونوں طبع نول کشور میں موجود ہیں گو ایک ، ترکیب بند کے ذیل میں نقل ہوئی ہے .

ای ز شرم عارضت گل غرق خوی در عرق پیش حقیقت جام می

ساقی اگرت هوای ما هی جز باده میار پیش ما شی

المقطعات :

نسخۂ آصفیہ میں ١٢ قطعے ہیں اور نسخۂ خلخالی میں ٢٩ ، نسخۂ اول کے حسب ذیل ٥ قطعے نسخۂ دوم میں شامل نہیں ہیں :

که بحکمت قطره را گردانده لؤ لؤ در صدف

که بقدرت خارا را لعل بدخشان ساخته

(٢ بیت)

ای جهان و هر چه هست از آفرینش در جهان

کرده در فطرت طفیلت خالق کون و مکان

(٢ بیت)

دل منه اے مرد بخرد بر سخای عمرو و زید

کس نمیداند که کارش از کجا خواهد کشاذ

(٤ بیت)

حسن این نظم از بیان مستغنی ست بر فروغ خور کسی گوید دلیل

دریغا خلعت و حسن و جوانی گرش بودی طراز جاوذانی

(٤ بیت)

---

١ ۔ غزلیات منسوب میں شامل ہیں نمبر ٨٣،٧٧) مگر دوسری غزل کا پہلا مصرع اس طرح ہے :
ساقی اگرت هوا ست با می

رباعیات

زیر نظر نسخے میں ۲۰ رباعیاں ھیں جن میں حسب ذیل تین، نسخۂ خلخالی میں شامل نہیں[1] :

نام بت من که مه ز رویش خجل است   دو حرف ز نظم حافظ مرتحل است

———

چو جامه ز تن بر کشد آن مشکین خال   ماهی که نظیر خود ندارد بکمال

———

شیرین دهنان عهد به پایان نه برند   صاحب نظران به عاشقی جان نه برند

تفصیلات بالا سے صاف ظاھر ھے که آصفیه کا یه نسخه «دیوان حافظ» کا انتخاب ھے کیونکه دیوان کے کسی نسخے میں اتنے کم اشعار نہیں ملتے. قزوینی نے جن تین قدیم نسخوں کا ذکر کیا ھے ان میں خلخالی کے نسخے میں ۴۹۵ غزلیں، آقای مرآت کے نسخے میں ۴۸۵ اور آقای نخجوانی کے یہاں ۴۹۳ غزلیں ھیں. یه نہایت قابل قدر نسخے ھیں، اس لیے جس نسخے میں صرف ۳۵۷ غزلیں ھوں وہ یقیناً منتخب ھی دیوان ھوگا، یہی حال قطعات اور رباعیات کا بھی ھے .

اس سلسلے میں ایک قابل توجه بات یه ھے که جس طرح آصفیه کے نسخے کے علاوہ جو مطالب ھیں ان کے الحاقی قرار دیے جانے کا فیصله غلط ھوگا بالکل اسی طرح نسخۂ خلخالی کے علاوہ جو غزلیں، قطعے، قصیدے اور رباعیاں ھیں اور جن کے الحاقی ھونے کا فیصله علامۂ قزوینی کرچکے ھیں وہ غلط ثابت ھو جاتا ھے . علامۂ مذکور کے الفاظ یه ھیں[2] :

«چون نسخهٔ (خلخالی) که در سنهٔ ۸۲۷ کتابت شده عجالةً تا نسخهٔ قدیمتری از آن بدست نیامده آن را باید قدیم ترین نسخ موجودهٔ تاریخ دار دیوان حافظ در دنیا محسوب داشت . لهذا من خود را ملتزم و مقید کردم که در خصوص کمیت اشعار یعنی از لحاظ

---

۱ منسوب رباعیوں میں بھی شامل نہیں . پہلی رباعی « دیوان حافظ » طبع نول کشور میں نہیں ھے البته باقی دو رباعیاں موجود ھیں : (دیوان : ۴۳۳ ، ۴۳۹)

۲ قزوینی : مقدمه دیوان حافظ ص اط

عدّهٔ غزلیات و عدّهٔ ابیات هر غزلی از ابتدا تا انتهای کتاب فقط
و منحصراً همان نسخه را اساس کار خود قرار دهم و هرچه
در آن نسخه موجود است از غزلیات و مقطعات و مثنویات و رباعیات
تماماً بدون هیچ زیاده و نقصان آنها را چاپ کنم و هرچه در آن
نسخه موجود نیست خواه غزلیات مستقل و خواهٔ ابیات متفرقهٔ
بعضی غزلها یا غیر ذالک آنها را مطلقاً کالعدم انگاشته بکلی از
آن صرف نظر نمایم زیرا که چون این نسخهٔ (خلخالی) نسخهٔ کامل
تمامی ست از دیوان خواجه و خلاصه و انتحابی از آن نیست ،
پس هرچه درین نسخه نیست باحتمال بسیار قوی بلکه تقریباً بنحو
قطع و یقین الحاقی و اشعار دیگرانست که بعدها در دیوان خواجه
داخل کرده اند »

اس نتیجے کے غلط ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ نسخۂ آصفیہ جو
نسخۂ خلخالی سے ۹ سال قبل کا ہے اس میں ۹ غزلیں ، ۵ قطعے اور تین رباعیاں
زیادہ ہیں . ان زاید حصوں میں سے دو غزلیں خانلری کی ۱۵۲ غزلوں میں
بھی موجود ہیں ، ایک اور غزل ردیف « ب »[1] کی سید اشرف سمنانی
کے ملفوظات میں منقول ہے ، اس بنا پر ان زاید مطالب کی صحت و صداقت
میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں . گویا یہ حافظ کے دیوان کے حصے تھے
جو نسخۂ خلخالی میں شامل نہیں ہو سکے . دوسری بات قابل ذکر یہ ہے
کہ جب اس منتخب دیوان کے اتنے حصے نسخۂ خلخالی میں شامل نہیں
تو اس آخرالذکر نسخے کی کمی صرف اتنی ہی نہ سمجھنا چاہئے . مختصر یہ
کہ یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ نسخۂ خلخالی کے علاوہ جو مطالب
ہیں ان میں کچھ حصہ ایسا ہے جو یقیناً قابل اعتماد ہے اور جس کو
نظرانداز نہیں کیا جا سکتا .

---

۱ اس غزل کا مطلع جو نسخۂ آصفیہ میں بھی نہیں ہے، یہ ہے :

ز باغِ وصلِ تو یابد ریاضِ رضوان آب   ز تابِ هجرِ تو دارد شرارِ دوزخ تاب

کتابخانۂ حبیب گنج

حبیب گنج ضلع علی گڑھ میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو در اصل مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی نواب صدر یار جنگ مرحوم کے کمال علم و فضل کی یادگار ہے - یہیں مرحوم نے ایک کتابخانہ قائم کیا جو عربی و فارسی و اُردو کے قلمی نوادر کے اعتبار سے نہایت درجہ اہم ہے - چونکہ اس کی کوئی فہرست اب تک شائع نہیں ہوسکی ہے اس لئے اس کا مختصر ذکر اور اس کے بعض نوادر کا تعارف بے محل نہ ہوگا-

نواب صدر یار جنگ مرحوم کو قلمی کتابوں سے جس قدر دلچسپی تھی اور ہندوستان کے قلمی ذخائر کے جمع کرنے اور ان کو تلف ہونے سے بچانے کا جس قدر جذبہ ان کو تھا اس کا اندازہ ان کی اس اپیل[1] سے ہوجاتا ہے جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (بابت ۱۲ مارچ ۱۹۱۹ع) میں شائع ہوئی تھی- ویسے قلمی کتابوں کی طرف ان کی توجہ بہت کم عمری ہی سے ہوگئی تھی- رسالۂ معارف اعظم گڑھ بابت اکتوبر ۱۹۳۱ میں ان کا ایک مضمون بعنوان «حبیب گنج کا کتابخانہ کس طرح جمع ہوا» شائع ہوا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا میں کتابوں کی جمع آوری کا شوق ایک کتب فروش عبدالرحیم نامی کے ذریعے پیدا ہوا جس کے نتیجے کے طور پر لڑکپن ہی سے انھوں نے کتابیں جمع کرنا شروع کردی تھیں پہلے درسی کتابیں اکٹھا کرتے، پھر اردو دواوین کا شوق ہوا، ۱۸۸۳ ع تک سو سواسو کتابیں جمع ہوگئیں- ۱۸۸۵ ع میں پھر آگرہ بغرض تعلیم گئے- وہاں سب سے پہلے قاضی ابو زید مربوسی کا رسالۂ مساحت خریدا اور وہیں آگرہ یونیورسٹی کے نادر نسخۂ واقعات بابری کی نقل ۱۸۸۷ ع میں حاصل کی- اسی دوران میں علامۂ شبلی مرحوم سے ملاقات ہوئی اور نظر میں وسعت پیدا ہوئی- انھیں ایام میں دھلی جانا ہوا- وہاں مولوی سلیم الدین خاں سے بعض کتابیں

---

[1] مولانا مرحوم کے سارے مضامین جن کا ذکر اس مقالے میں ہوا ہے «مقالات شروانی» (شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ) میں شامل ہیں-

خریدیں - وہیں کچھ قطعات بھی خریدے اور رفتہ رفتہ قطعات کی خریداری کا شوق بھی غالب ہوگیا - مولانا شبلی کے توسط سے لکھنؤ کے قلمی کتب فروشوں سے شناسائی اور قلمی کتابوں کا سرمایہ بڑھانے کی صورت پیدا ہوئی اور چند دنوں میں اتنا سرمایہ ہوگیا کہ رھنے کے کمرے میں چاروں طرف متعدد الماریاں قلمی کتابوں سے بھر گئیں -

مولانا سید محمد علی صاحب اور علامہ شبلی کی تشویق سے بیرونی ممالک یعنی مصر شام اور یورپ سے بھی کتابیں آنے لگیں - ان کے علاوہ متفرق طور سے نادر کتابیں ھاتھ آتی رھیں مثلاً مباحث مشرقیۂ امام رازی کا نسخہ ایک بیوہ کے یہاں سے تین روپیہ کو ملا - گلستان کا ایک نادر مصور نسخہ ایک صاحب کے توسط سے ایک دوسری خاتون سے حاصل ہوا - نواب صاحب کے حیدرآباد سے متعلق ہونے پر عمدہ کتابیں وھاں سے ملیں اور کتابخانے میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا - ان کے بعض بزرگوں کے خاندانی کتابخانے کا بھی سرمایہ مل گیا - نواب مرحوم سفر حج کو گئے تو وھاں بھی کتابیں جمع ہوتی رھیں - بعض اعزہ و احباب نے بھی ھدیۃً کتابیں بھیجیں -

حبیب گنج کے کتابخانے کے لئے کتابیں فراہم کرنے میں زیادہ توجہ قیمتی کتابوں کی طرف رھی ، معمولی کتابوں سے تعداد بڑھانے سے ھمیشہ احتراز کیا گیا - اکتوبر ۱۹۳۲ تک کتابوں کی تعداد ٤۱۷۳ ہوگئی جن میں ۱۰۶۲ نادر قلمی کتابیں شامل تھیں - مئی ۱۹٤٤تک تعداد ٦۰۹۰ ہو گئی - اس وقت تعداد کہیں زیادہ ھے اور قلمی کتابیں ھزاروں کی تعداد میں ھیں -

کتابوں کی خریداری میں بعض دلچسپ واقعات پیش آئے - ایک واقعہ کا ذکر مولانا نے اپنے ایک مقالے میں کیا ھے - تذکرہ مخزن الغرائب کے ذیل[1] میں لکھتے ھیں کہ ملا احمد علی سندیلے کے باشندے ، گذشتہ صدی ھجری کی ابتدا کے فارسی اھل قلم میں سے ھیں - مرزا قتیل کے شاگرد تھے ، خادم تخلص تھا - انھوں نے فارسی کے شعرا کا ایک ضخیم اور حجیم تذکرہ لکھا ھے - تین ھزار سے زائد شعرا کا کلام اور حال ھے - ۱۲۱۸ ھجری میں ختم ہوا ، «ختم صحف» تاریخ اختتام ھے - حال میں ایک عزیز کے ھاتھ آیا ھے - خریداری لطیفہ ھے - گفت و شنود کے بعد فی شاعر ایک پیسہ قیمت ٹھہری - اس شرح سے کتاب تو چون روپے کی ہوگئی ، مگر شاعر بیچارے پیسہ اخبار کے اسٹاف میں بھرتی ہوگئے -

مولانا نے اس بات پر فخر کیا ھے کہ ان کے کتابخانے میں ایک نسخہ بھی ایسا نہیں جو سرقہ یا ناجائز طریقے پر حاصل کیا گیا ہو - انھوں نے یاقوت مستعصمی کا لکھا ہوا

---

۱ رسالہ معارف مارچ ۱۹۲٤ ، مقالات شروانی ص ۲٤۷—۲٤۸

قرآن مجید جس پر ظفر خاں شاہجہانی کی یہ یاد داشت تھی «بقلم یاقوت مستعصمی کہ بہتر ازین نوشتہ» جس طرح کھویا اس میں بقول مولانا شبلی ان کی شرافت ان کے شوق پر غالب آگئی تھی ۔ بوستان سعدی کا ایک نسخہ غالباً مشہور خطاط اسحاق کا لکھا ہوا کئی مغل بادشاہوں کی مہروں اور دستی عبارتوں سے مزین تین سو روپے میں مل رہا تھا مگر وہ کسی وجہ سے نہ خریدا جاسکا ۔ بعد میں ہرچند کوشش کی مگر جن کے توسط سے ملا تھا انھیں نے خرید لیا اور کسی طرح نواب صاحب کو نہ مل سکا ۔

اس کتابخانے میں ہر قسم کی منتخب کتابیں موجود ہیں چنانچہ مولانا نے اپنے ذوق کے مطابق ایک گوشوارہ تیار کیا تھا جس کے محض عنوان ہی سے اس کتابخانے کی عظمت کا حال معلوم ہوگا ۔

١ ــ الذھبیات : اس کے تحت ٩٩ وہ کتابیں ہیں جو طلائی کام کے لحاظ سے امتیاز رکھتی ہیں ، ان کی مدد سے ماوراءالنہر ، عرب ، ایران ، ترکی ، کشمیر ، ہندوستان وغیرہ ممالک کے ہنر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

٢ ــ الخطاطیات : اس کے تحت بڑے خطاطوں کے قلم کی ١٥ کتابیں درج ہیں مثلاً میر عماد ، میر علی کاتب وغیرہ ۔

٣ ــ الخطیات : اس کے تحت ٣٥ وہ کتابیں ہیں جو اعیان ملک کی لکھی ہوئی ہیں مثلاً آصف خاں ، شیخ عبدالحق دھلوی وغیرہ ۔

٤ ــ المجلدات : قدیم جلد سازی کے ١٦ نمونے ۔

٥ ــ السلطانیات : جن ٤١ کتابوں کا سلاطین اور وزرا سے خاص تعلق ہے وہ اس کے تحت درج ہیں ۔ مثلاً ابراھیم عادل شاہ کے کتابخانے کی صحیح بخاری وغیرہ ۔

٦ ــ الفتوحیات : وہ دو کتابیں جو سلاطین کے کتابخانوں میں فتح کے مال غنیمت سے داخل ہوئیں مثلاً گوے و چوگان ملا عارفی نوشتۂ میر علی کاتب جو عالم گیر بادشاہ کے کتابخانے میں گول کنڈہ کی فتح کے مال غنیمت سے داخل ہوئی ۔

٧ ــ المقامیات : جن ٩٦ کتابوں پر مقام تحریر درج ہے ۔

٨ ــ الختمیات : ٢٦٣ جن کتابوں پر مہریں ہیں ۔

٩ ــ الاقاربیات : جن ١٦ کتابوں کا تعلق نواب صاحب مرحوم کے رشتہ داروں سے تھا ۔

١٠ ــ الاستاذیات : جو ٢٤ کتابیں نواب صاحب کے استادوں کے سلسلے میں سے کسی بزرگ کی لکھی ہوئی ہیں یا محشی بقلم خاص ہیں ۔

(۱۱) الحسنیات : ان میں ٤١ وہ کتابیں ھیں جو بلحاظ خط نادر ھیں (غیر خطاطیات) -
(۱۲) القرطاسیات : اس کے ذیل میں کاغذوں کے ١١ اقسام دکھائے گئے ھیں -
(۱۳) العتیقات : اس کے ذیل میں ٢٣ قدیم کتابیں درج ھیں خصوصاً نویں صدیِ ہجر یا اس سے قبل کی کتابیں ، سب سے قدیم نسخہ پانچویں صدی ھجری کا ھے -
(١٤) الخطوط : اس میں ١٦ مختلف خطوں کی تشریح ھے -
(١٥) المصنفیات : اس میں ٣٨ وہ نسخے ھیں جو بخط مصنف ھیں یا نسخۂ مصنف سے منقول یا مقابلہ شدہ مثلاً الاجوبہ والاسوالۂ امام قشیری خود مصنف کے ھاتھ کا نسخہ ھے ، اور اسی طرح ارتیاح الاکباد مولفۂ حافظ سخاوی خود مولف کا لکھا ھوا مخطوطہ ھے -

اس فہرست سے ایک طرف تو نواب صاحب کے ذوق اور کثرت مطالعہ کا پتا چلتا ھے ، دوسری طرف کتابخانے سے استفادہ کرنے کا کام آسان ھو جاتا ھے - اس مختصر دستی فہرست کے علاوہ صدر یار جنگ مرحوم نے وقتاً فوقتاً اس کتابخانے کے نادر نسخوں کا جس طرح تعارف کرایا ھے اس سے ان کی بالغ نظری کا حال معلوم ھوتا ھے - فارسی کے دو نایاب دیوان (دیوان عرفی مرتبۂ محمد قاسم سراجا شامل مقدمۂ عبدالباقی نہاوندی و دیوان طالب آملی جو مولف کی تحریروں سے مزین ھے) کا تعارف رسالہ معارف ومبر ١٩٢٢ ، دسمبر ١٩٢٢ کے ذریعہ کرایا - اسی رسالے کے اکتوبر ١٩٢٢ کے شمارے میں اتفاقات حسنہ کے عنوان سے شیخ عبدالحق محدث دھلوی کی قلمی تحریر کو روشناس کرایا - فروری ١٩٢٩ کے شمارے میں صحیح مسلم کے ایک قلمی نسخے کی تفصیل درج کی جو بلگرام کے ایک صاحب ذوق بزرگ روح الامین کا لکھا ھوا تھا - یہ وھی نسخہ ھے جس کا ذکر علامۂ آزاد بلگرامی نے ماثرالکرام میں صاحب موصوف کے حالات کے ضمن میں کیا ھے - معارف ١٩٣٠ کے ذریعہ اپنے کتابخانے کے صحیح بخاری کے نسخے کو «صحیح بخاری کا ایک عتیق نسخہ» کے عنوان سے تعارف کرایا - یہ نسخہ اِبراھیم عادلشاہ بیجاپوری (م ١٠٣٧ھ) کے کتابخانے کا تھا جس پر یہ یادداشت موجود ھے :

> «جلد اول صحیح بخاری بخط نسخ عرب در آخر کتاب خط حضرت شیخ المحدثین عفیف الدین گازرونی است ، جلد سیاہ و ترنج سرخ و جدول طلا نوبستہ بابت فتح شہر محمدآباد المعروف بہ بیدرجمع کتابخانۂ معمورۂ عالم پناہ ابراھیم عادلشاہ خلد ملکہ شدہ ٩ شعبان ١٠٢٨»[1]

---

١ ــ مگر مقالات شروانی ص ٢٧٢ پر سنہ ١٠٠٨ ھجری درج ھے -

معارف نومبر ۱۹۳۲ میں محی‌لاری کی فتوح‌الحرمین کے نسخے کا تعارف اور اس کے کلام پر تبصرہ لکھا ۔ نومبر ۱۹۳۳ کے اورینٹل کالج میگزین لاهور میں شیخ جمالی دهلوی کی مثنوی مرأة‌المعانی اور دیوان کے ساتھ اس کے کلام پر تبصرہ شائع کیا ۔ معارف دسمبر ۱۹۳۶ میں اپنے کتابخانے کے کلام سنائی کے ٦ نسخوں کا مختصراً ذکر کیا جن میں کلیات اور مکاتیب کے نسخے شامل تھے ۔ پھر اسی رسالے کے واسطے سے رمضان ۱۳٦٥ھ میں دیوان عاشق دهلوی اور اس کے کلام کو روشناس کرایا ۔ معارف اگست ۱۹۳۷ کے شمارے میں «شاهی کتابخانوں کی کتابیں (کتابخانۂ حبیب گنج میں)» کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں ۱٦ کتابوں کا تعارف تھا جن میں سے ۷ سلاطین تیموریۂ هند ، ایک شاهان صفوی ، ایک شریف مکه ، دو سلاطین بهمنیۂ بیدر ، تین قطب شاهی ، ایک عادل شاهی ، تین شاهان اودھ کے کتابخانوں سے متعلق رہ چکی تھیں ۔ اس کے ضمیمه کے طور پر ستمبر ۱۹۳۷ میں «تازہ فتوح» کے نام سے علامۂ تفتازانی کے نسخۂ مطول کا تذکرہ کیا جس کی کتابت ۸۳۹ هجری میں هوئی اور جس پر جهانگیر کی ۹ سطری تحریر هے ۔

یه هے مختصر سا تذکرہ اُس کتابخانے کا جو ایک فاضل کے کمال ذوق کی نشانی هے ، جس کی زندگی کا هر لمحه اس کتابخانے کے سرمایه کے بڑھانے میں صرف هوا ، جس نے کتابخانے کی ساری کتابوں کا غائر مطالعه کیا اور اس کے تقریباً تمام مخطوطات پر یادداشتیں لکھیں ۔

بڑی خوشی کی بات هے که یه نایاب روزگار کتابخانه ٥ دسمبر ۱۹٦۰ کو مسلم یونیورسٹی میں منتقل هوگیا هے اور آزاد لائبریری کے ایک حصے میں اس کو الگ محفوظ کر دیا گیا هے ۔ اس کے علی‌گڑھ منتقل کرانے کے ابتدائی مراحل ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے توسط سے طے هوگئے تھے ۔ البته اس تجویز کے عملی جامه پہنانے میں کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اور نواب صدریارجنگ مرحوم کے علم دوست فرزند الحاج مولانا عبدالرحمن خاں شروانی ٹریزرز مسلم یونیورسٹی کی کوشش اور علم دوستی کو بڑا دخل هے اور علمی دنیا ان حضرات کے اس مستحسن اقدام کے لئے همیشه شکر گزار رهیگی ۔

غیر مناسب نه هوگا که ذیل میں اس کتابخانه کے بعض نوادر کا تعارف کرا دیا جائے ۔ لیکن فی‌الحال یه کوشش صرف فارسی مخطوطات تک محدود رهے گی ۔

(٥/٤٨) کلیات سنائی :

اوراق ۳۰٤ ، پہلے ۳۳ ورق غائب هیں ، نسخه ۳٤ الف سے شروع هوتا هے ۔ یه

نسخه کلیات سنائی کی ایک نئی ترتیب کی نشاندهی کرتا هے جو، کچھ مطالب کی یکسانیت اور کچھ اقسام نظم کے اعتبار سے مرتب هوا تھا - اس ترتیب کے تین نسخے راقم کی نظر سے گذرے هیں - ایک یهی نسخه، دوسرا انڈیا آفس کا « اشعار سنائی[1] » (نمبر ۹۲۷) تیسرا عثمانیه یونیورسٹی کا نسخه - ان تینوں کے اجزا یه هیں :

مقدمه دیوان بقلم سنائی

قسم اول : درنامها و جوابها که وی نوشته است

قسم دوم : در توحید رب‌العالمین جل جلاله

قسم سوم : در نعت پیغمبر محمد مصطفی صلوات الله و سلامه

قسم چهارم : اندر موعظه و زهد و حکمت

قسم پنجم : در مدحیات و مراثی

قسم ششم : در غزلیات

قسم هشتم : رباعیات

قسم هفتم : فی‌المقطعات و المراثی و الهزلیات

قسم نهم : در مراتب حال انسانی که آنرا کنوزالرموز خوانند و سیرالعباد الی المعاد نیز خوانند

قسم دهم : در کار نامه که ببلخ نوشته بود و سنائی‌آباد فی الزهد و الموعظه والسلوک والعشق

اس میں بہت سا ایسا کلام هے جو کسی بهی مطبوعه نسخے میں شامل نہیں - اور جیسا که معلوم هے ایران کے مطبوعه نسخوں کی بنیاد نہایت قدیم قلمی نسخوں پر هے اس اعتبار سے کہا جاسکتا هے که نسخهٔ زیرنظر کا زائد کلام کلیات کے عام نسخوں سے خارج هے اور اسی اعتبار سے اتنا هی[2] اهم هے - مزید بران ان تینوں نسخوں میں مقدمه کے علاوه خطوط بهی شامل تھے جو نہایت درجه کمیاب هیں - نسخهٔ زیرنظر کے اول ۳۳ صفحے انهیں مطالب کو حاوی تھے جو اب مفقود هیں -

حبیب گنج کا یه نسخه ۱۰۱۲ هجری میں آگرے میں نقل هوا - ترقیمه یه هے-

« تمام شد سنائی آباد[3] و حدیقة الحدیقه من کلام‌الشیخ الرئیس الحکیم الفاضل

---

۱ ایتھے کو اس نسخے کے مطالب کی توضیح کے سلسلے میں بڑا تسامح هوا هے -

۲ راقم نے ان زاید حصوں کو نقل کرکے انڈیا آفس کے نسخے سے مقابله بهی کر لیا هے - عنقریب یه شائع هوجائے گا -

۳ یه سنائی کی مثنوی عقل نامه هے -

خاتم الشعراء مفخر العلماء قطب الاولیاء ابوالمجد مجدود بن آدم السنائی روح روحه و نور ضریحه حامداً و مصلیاً و مسلماً بتاریخ شهر شوال سنه ۱۰۱۲[۱] روز سه شنبه وقت ظهر مقام دارالخلافه آگره»

بعینه یهی ترقیمه (بحذف تاریخ و مقام کتابت) انڈیا آفس اور عثمانیه یونیورسٹی کے نسخوں میں پایا جاتا ہے - مزید براں سارے مطالب یکساں ہیں - اس سے یه بات پوری طرح صاف ہوجاتی ہے که ایک وقت میں سنائی کے کلام کی یه ترتیب قائم ہوئی تھی (جو کلام شامل ہونے سے[۲] رہ گیا ہے، بظاہر اس کی علیحدگی کی توجیه نہیں ہوسکتی، سوائے اس کے که یه پورا حصه ابتدائی کلام سمجھا جائے) اور یه تینوں نسخے ایک ہی اصل یا اس کی نقل کی نقل ہوں گے -

نسخهٔ حبیب گنج میں دو جگه[۳] اوراق بے ترتیب اور ایک جگه چند ورق غائب ہیں - بہر حال اس نسخے کی دریافت سے سنائی کا بہت سا نیا کلام حاصل ہوگیا ہے جو یقیناً فارسی ادب میں گراں قدر اضافه ہے -

(۹ / ٤۸) کلیات سعدی شیرازی :

سعدی شیرازی (متوفی ٦۹۲ ھ) کا یه کلیات متن اور حاشیے دونوں پر ہے - متن کے اجزا یه ہیں :

طیبات، بدائع، خواتیم، غزلیات قدیم، صاحبیه، مقطعات، رباعیات، فردیات، مراثی، ملمعات، ترجیعات، المجالس، حکایت -

حاشیه پر یه حصے ہیں :

دیباچه، مجالس پنجگانه، رساله صاحب دیوان، رسالهٔ عقل و عشق، نصیحت الملوک رسالهٔ شمس الدین، گلستان، بوستان، قصائد، اس کے اول اور آخر کے صفحات غائب ہیں - کل موجود اوراق ٥۰٤ ہیں اور ہر صفحے پر متن میں ۱۹ سطریں ہیں -

یه نسخه ۸۱٤ ہجری کا لکھا ہوا ہے اور اس لحاظ سے نہایت اہم ہے - ص ٤۷۲ پر یه تحریر درج ہے :

« تمام شد دیوان شیخ مصلح الدین سعدی علیه الرحمة و الغفران بعون الله الملک

---

۱ اصل نسخه ۱۰۰۱۲، ورق ۲٥۱ ب پر ۷ ذیقعده ۱۰۱۲ ہے -

۲ مثلاً سنائی کی سب سے مشہور تصنیف حدیقه الحقیقه اس میں شامل نہیں -

۳ مثلاً ورق ۲۹۰ ب : قسم دهم در مثنویات اول کنوز الرموز - حالانکه ۲٥۸ پر کارنامه شروع ہوچکی ہے جس کا بھی شماره دهم ہے اور وہی صحیح ہے -

الدیان و الحمد لله رب‌العالمین علی ید العبد الاصغر الفقیر الحقیر جمال اسکافی الکاتب فی تاریخ اربعا عشرین محرم الحرام السنه ۸۱٤ »۔

اور اس تاریخ کے پہلو میں کسی نے یہ عبارت لکھدی ہے :

« در هشتصد و چهارده از هجرت خیرالبشر این کتاب تحریر یافت و حالا نهصد نود هشت سال هجرت است که یک صدو هشتاد چهار سال است که نوشته یافته » ۔

دوسرے پہلو میں نواب صدر یار جنگ مرحوم نے ۱۳۶۹ میں لکھا ہے کہ یہ نسخہ ۵۵۵ سال قدیم ہے ۔

(۱۲/٤۸) کلیات عماد فقیہ :

یہ کلیات عماد (متوفی ۷۷۳ھ) کے جملہ کلام کو حاوی ہے ۔ دیباچۂ نثر ، پانچ مثنویاں ایک (بلا نام[1]) ، صفا نامہ، صحبت نامہ ، محبت نامہ ، طریقت نامہ) قصائد ، مقطعات ، مراثی، غزلیات ، مسمطات اور رباعیات ۔ ضخامت ۵۹۶ صفحہ اور ہر صفحے میں ۲۵ سطریں ہیں۔اول اور آخر سے ایک ایک ورق غائب ہے ۔ اس بنا پر کتابت کا سال معلوم نہ ہوسکا ۔ البتہ مختلف اجزا کے خاتمے پر ، اُس حصے کے خاتمے سے متعلق تحریر موجود ہے مگر سنہ کہیں درج نہیں ۔ یہ نسخہ خاصہ قدیم ہے ، املا اور انشا دونوں اس کی قدامت کی دلیل ہیں ، دال اور ذال کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے ۔

اس نسخے پر بعد کی کئی تحریریں ہیں ۔ مثلاً ص ۱۷۰ پر دوبار یہ تحریر ہے :

«فی نوبت اضعف عباداللہ حیدر بن محمد الحسنی فی سنہ ثمان و ثمانین و ثمان مائة»

اور پھر تیسری بار ص ۳۰۰ پر یہی عبارت مع اسی سنہ کے درج ہے ۔ اس سے صاف طور پر واضح ہے کہ ۸۸۸ ہجری سے بہت پہلے یہ نسخہ تیار ہوچکا تھا ۔ ۹۲۷ ہجری سے ۹۲۹ ہجری تک اس نسخے کے حاشیہ میں ایک شخص نے جس کا غالباً نام با زید ملک خسرو ولی تھا اضافہ کیا ہے ۔ مثلاً ص ۱۷۲ پر اضافہ کنندہ کا نام اور سنہ ۹۲۷ صراحةً موجود ہے ، اسی طرح ص ۲۳۲ پر شوال سنہ سبع و عشرین و تسع (مائة) درج ہے ، ص ۲۶۳ ، ۳۷۳ ، ٤۳۶ پر صرف اضافہ کرنے والے کا نام ہے اور ص ۵۶۱ پر تاریخ ۹۲۹ ہجری (۹۰۲۹ ہجری) ملتی ہے ۔

---

۱ غالباً ده نامه نام ہوگا (فہرست کتابخانۂ مجلس شورای ملی ۳ : ۵۱۰) نیز دیکھئے فہرست آصفیہ ۳ : ۳۶۳

کئی جگہ اس کے مالک کا نام اس طرح درج ہے -

« من عواری الزمان عبده المذنب المحتاج الرحمة و الغفران سید حیدر حسین ابن میر محمد حسین خاں مرحوم اولاد نواب عمدة الملک موتمن الدوله اسلام خاں مشهدی »

ان دونوں باپ اور بیٹے کی مہروں کے علاوہ چند اور مہریں بھی پائی جاتی ہیں- بہر حال نہایت قدیم[1] نسخه ہونے کی بنا پر بےحد اہم اور قابل توجه ہے -

(۴۸ / ۲۴) دیوان شمس‌الدین طبسی :

چھٹی صدی کے اس فارسی شاعر کا تذکرہ لباب‌الالباب[2] (تالیف ۶۱۸) اور آثار البلاد (تالیف ۶۸۴ھ) میں پایا جاتا ہے ، وہ رضی‌الدین نیشاپوری کا شاگرد اور خاقانی کا معاصر تھا اور مولف آثارالبلاد کے نزدیک اس کے اشعار خاقانی سے بہتر ہوتے تھے - سال وفات میں اختلاف ہے ، بعضوں نے ۶۲۴ اور بعضوں نے ۶۲۶ ہجری لکھا ہے - لباب‌الالباب کے خاتمے کے وقت مرچکا تھا ، اس بنا پر اس کی وفات ۶۱۸ کے قریب بھی قیاس کی جاسکتی ہے -

شمس نے سارے اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ، لیکن پیش نظر نسخه صرف اس کے قصائد اور کچھ رباعیات کو حاوی ہے - اس میں کل ورق ۳۴ ہیں اور ۲۳ سطری ہے ، سنه کتابت واضح طور پر احدی و عشرین و سبع مائة (= ۷۲۱ھ) ہے ، گویا مصنف کی وفات کے سو سال کے اندر کا مخطوطه ہے ، خط نسخ ہے اور جا بجا کیڑوں نے نسخے کو بری طرح خراب کیا ہے - ۳۳ب ورق پر دفعةً قصیده ختم ہوکر ۳۴ الف پر رباعیاں شروع ہوجاتی ہیں اور ۳۴ ب تک صرف دس رباعیاں درج ہوسکی ہیں اور یہی آخری صفحه ہے جس پر تاریخ ترقیمه درج ہے - کاتب کا نام مٹا ہوا ہے- صرف لفظ الجیلانی پڑھا جاسکتا ہے جو کاتب کی نسبت معلوم ہوتی ہے - شروع میں ایک طلائی شمسه کے اندر « دیوان شمسس‌الدین طبسی » بڑے اہتمام سے ملتا ہے - حاشیه میں

---

۱ کتابخانۂ مدرسۂ سپه سالار میں دیوان عماد ایک ایسا نسخه موجود ہے جس کی کتاب مصنف کی وفات کے دس سال قبل ہوئی تھی یعنی ۷۶۳ ہجری میں ، اور اس پر خود مصنف کے دستخط موجود ہیں - (دیکھئے فہرست کتابخانه ج ۲ ص ۶۴۳) اور دوسرا نسخه بغیر تاریخ کا مجلس شوراو ملی کے کتابخانه میں موجود ہے جو فہرست نگار کے قیاس کے مطابق خود مصنف کے ہاتھ کا ہے (فہرست ج ۳ ص ۳۵۹) - مدرسه کے نسخے ہیں تقریباً ۵۰۰۰ بیت اور مجلس کے نسخے میں ۶۵۰۰ بیت ہیں - لیکن حبیب گنج کا نسخه اس سے کہیں زیاده ابیات کو حاوی ہے ۔ یه نسخه مصنف کی وفات کے بعد مرتب ہوا اس لئے اس میں مصنف کو کلمۂ دعائیه سے یاد کیا گیا ہے -

۲ ج ۲ ص ۲۰۵ - ۲۰۶ وغیرہ =

جابجا اضافه ہے جو مختلف موقعوں پر ہوا ہے ۔ ایک صفحہ پر « احدی الف سنه » تاریخ بھی ملتی ہے ۔

اس نسخے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ علاوہ قدیم ہونے کے قطب شاہی کتابخانوں کی زینت رہا ہے ، چنانچہ ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ ـ ۹۸۸) محمد قلی (۹۸۸ - ۱۰۲۰) محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ ـ ۱۰۳۵) تینوں بادشاہوں کی مہریں صرف سرورق پر ملتی ہیں ۔

اوپر ابراہیم قطب کی مہر ہے جس کا سجع یہ ہے جو بڑی دقت سے پڑھا جا سکا ہے :

شہے که[1] نقش نگیں ساخت مہر آل مقیم
بود سپہر کرم قطب شاہ ابراہیم

اس کے نیچے ایک بڑی مہر محمد قلی قطب شاہ کی ہے جس کا سجع یہ ہے :

ملکِ جہاں مرا که بزیر نگین شده
از حکم بادشاہ جہاں آفرین شده

اس کے درمیان « العبد محمد قلی قطب شاہ » درج ہے ۔ تیسری مہر پڑھی نہیں جا سکی ہے ۔

نواب صدر یار جنگ کے شاہی کتابخانے والے مضمون میں یہ نسخه شامل نه ہو سکا ، یہ نسخه ٦ ذی‌الحجه ١٣٤٦ھ کو شصت روپیه (٦٠ روپیه) حالی میں حیدرآباد میں خریدا گیا ۔

(٤٨ / ٢٥) دیوان خواجه آصفی :

خواجه آصفی بن مقیم‌الدین قہستانی مولانا جامی کا شاگرد اور میرعلی شیر نوائی کے دربار سے متعلق تھا ، ملاہاتفی سے اسکو بڑا خلوص تھا جس کا ذکر تذکرۂ میخانه(ص٤٥) میں پایا جاتا ہے ۔ وہ ٩٢٨ھ میں فوت ہوا (واله داغستانی) ۔ اس کے دیوان کے نسخے عام طور پر پائے جاتے ہیں ۔ مسلم یونیورسٹی کے کتابخانے میں بھی کئی نسخے ہیں ، ان میں سے ایک کا سال کتابت ١٠٠١ ہجری ہے ۔ نسخۂ زیرنظر ایرانی قلم کا ہے جدول مطلا و مذہب ، بین‌السطور مطلا ، پہلے دو صفحے طلائی کارلاجورد ۔ اس پر حسب ذیل عبارت پائی جاتی ہے :

---

۱ ــ معارف اگست ۱۹۳۷ میں : کسے که ساخت نقش نگین الخ ایکن نذرمحمد قلی قطب شاہ (ص ۱٦۸) میں ابراہیم کی مہر کا طغرا یہ دیا ہے : شہے که نقش نگیں مہر حب آل مقیم بود سپہر کرم قطب شاہ ابراہیم

« کتب خانهٔ مبارک سلطان محمد صفوی ملقب بسلطان محمد خدا بنده دام ملکهم و حشمتهم در ۹٤۵ قمری فقیر اسمعیل ترکان تحویلدار » -
اس کتاب پر سرگوراوسلے کے انگریزی خط میں دستخط ہیں :

(٤۸ / ۳۰) کلیات طالب آملی :

یہ نسخہ لکھنؤ سے دستیاب ہوا، اس کی تفصیل نواب صدر یار جنگ نے اپنے مضمون میں درج کردی ہے، اسکے چند جملے ہدیۂ ناظرین ہیں -

اہتمام تحریر کے لحاظ سے نادر ہے - علامۂ شبلی نے طلب فرماکر عرصے تک زیر مطالعہ رکھا، واپس فرمایا تو لکھا کہ یہ نسخہ خود طالب کی تحریروں سے مزین ہے - میں نے بھی علامہ کی رائے کو صحیح پایا - کاتب نے اپنا نام میرزاجان اجمیری لکھا ہے - عموماً قصائد وغیرہ کے عنوان اصلی کاتب نے نہیں لکھے - جابجا متن میں ایک غزل دو غزل کے انداز سے جگہ چھوٹی ہوئی ہے - کاتب ممدوح کا ہم عصر اور متوسل ہے - مثلاً طالب کے مربی میرزا غازی ترخاں کی شان میں جو قصائد ہیں ان کے عنوان میں ہے « در مدح مرحومی میرزا غازی ترخان » - جہانگیر کی مدح کے ایک قصیدے کا عنوان ہے « در مدح حضرت ظل‌الله مدالله‌ظله » - ایک اور قصیدے کا عنوان « بمدح‌ظله » - اعتمادالدولہ کے قصیدے کا عنوان « قبله گاهی ام اعتمادالدولة العلیه مدظله » ہے، دوسرے کا « بمدح ظله » - نورجہاں کے قصیدے کا عنوان « در مدح مهد علیا نورمحل بیگم گفته شد » - تمام عبارتیں سرخ قلم سے ایک ہاتھ کی (غیر کاتب) لکھی ہوئی ہیں - بعض غزلوں کی تکمیل اسی قلم سے خالی جگہ میں ہوئی ہے اور جابجا « ‌لراقمه طالب » ملتا ہے، اس سے قائل کلام اور راقم کلام ایک ہی ہے - معلوم ہوا کہ خود طالب نے اپنے کلام میں اصلاحیں نظر ثانی کے وقت کی ہیں -

(٤۸ / ٤۵) کلیات عرفی :

عرفی شیرازی کے کلیات کا یہ نسخہ کئی اعتبار سے نہایت قابل توجہ ہے - اول خاصہ قدیم نسخہ ہے جس کے اجز یہ ہیں :

دیباچہ عبدالباقی[1] ۱۵ صفحہ
رسالہ نفسیہ[2] ۱۲ ،،

---

۱ — اس کے نسخے کمیاب ہیں - اب تک صرف دو نسخوں کا پتہ چل سکا ہے -
۲ — اس کے نسخے کمیاب ہیں -

مثنوی مجمع الابکار	۵۸	صفحہ
مثنوی فرہادوشیرین[1]	۲۸	,,
قصائد	۶۲	,,
ترکیب بند	ایک	
ترجیع بند	ایک	
قطعات	۳۲	
ساقی نامہ	ایک	
غزلیات	۵۱۹	
رباعیات	۲۳۲	ان میں بعض ناقص ہیں ۔

دوم اس میں دیباچہ عبدالباقی نہاوندی بھی شامل ہے ، جس میں عرفی کے حالات کے علاوہ عام فارسی شعر کی اجمالی تاریخ اور دیوان کے جمع و تدوین کا مفصل بیان ہے ۔ اس دیباچہ کا ذکر دیباچہ نگار کی مشہور تصیف « ماثر رحیمی » میں ہے ۔ اور لطف یہ کہ اس دیباچہ میں خود « ماثر رحیمی » کا ذکر عرفی کے حالات کے حوالہ سے آیا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعد میں ان ناموں کا اضافہ ہوا ہے ۔ اتفاق سے میرے مطالعے میں کلیات عرفی کا ایک ایسا ہی نسخہ اور آیا جس میں یہ دیباچہ شامل ہے اور اس میں بھی « ماثر رحیمی » کا ذکر عرفی کے حوالے سے آیا ہے ۔ وہ نسخہ مجاس شورائے ملی تہران کے کتابخانے میں ہے (شمارہ ۱۰۲۶) ۔ مگر دونوں کی ترتیب میں بڑا فرق ہے ۔ اس بنا پر بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں میں کس کی ترتیب سراجا کی خود ترتیب ہے ۔ بہر حال دیباچۂ عبدالباقی[2] کی دریافت سے علامہ شبلی مرحوم کی آرزو[3] پوری ہوئی ۔ « افسوس یہ نسخہ آج نایاب ہے ورنہ بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں » ۔

کاتب محب علی بن حاجی یوسف شیرازی ہے جس نے ۱۰۷۰ھجری میں اس کی کتابت کی ، ترقیمہ کے الفاظ یہ ہیں :

«تمت فی کتاب دیوان ملا عرفی شیرازی غفراللہ ذنوبہ من تاریخ یوم الجمعہ

۱ــ خاتمے میں اس کا نام خسرو و شیریں لکھا ہے ۔

۲ــ راقم حروف نے اپنے قیام ایران کے زمانے میں اسی مقدمے کو نقل کر لیا تھا اور اب ان دونوں نسخوں سے مقابلہ کرکے عنقریب شائع کرنے کا ارادہ ہے ۔

۳ــ شعرالعجم ۳ : ۷۷

هشتم شهر محرم‌الحرام سنه سبعین الف (۱۰۰۷) کتبه الفقیر الحقیر کمترین
خلائق محب علی بن حاجی یوسف شیرازی بتوفیق‌الله الملک المنان»

(۴۸ / ۱۹ ۲۰، ۲۱) دیوان فیضی:

فیضی کے کلیات کا یہ نسخہ تین حصوں میں ہے، تقطیع چھوٹی، قلم باریک، خط نستعلیق بہت دلکش ہے، جدول طلائی اور ۱۷ سطری ہے۔ تاریخ کتابت ۹۹۵ ھجری آخری حصے کے خاتمے پر واضح طور پر درج ہے۔ اس طرح صاف ظاہر ہے کہ فیضی کی وفات سے ۹ سال پہلے مکمل ہوا۔ مخطوطہ حسن ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے بہت اہم اور قابل توجہ ہے۔

(۴۸ / ۴۲) دیوان شاہی:

امیر آقا ملک شاہی سبزواری فیروزکوھی متوفی ۸۵۷ ھجری کا یہ دیوان نہایت خوش[1] خط، جلی قلم اور کاتب فتح چند ہے۔ سنہ کتابت درج نہیں۔ البتہ اودہ کے شاہی کتابخانے کا نسخہ ہے۔ اس پر تین مہریں ہیں، ایک مربع کلاں نواب آصف الدولہ بہادر کی، دوسری نصیرالدین حیدر کی، تیسری امجد علی شاہ کی۔ آصف الدولہ کی مہر عبارت «یحییٰ خان بہادر ھزبر جنگ آصف الدولہ» اور نصیرالدین حیدر کی:

خوش ست مہر کتب خانۂ سلیمان جاہ   بہر کتاب مزین چو نقش بسم‌اللہ

اور امجد علی شاہ کی مہر:

ناسخ ہر مہر شد چوں شد مزین بر کتاب   خاتم امجد علی شاہ زمان عالی جناب

(۴۹ / ۹) غزلیات سعدی:

یہ نسخہ غزلیات سعدی کے تین اجزا یعنی خواتیم، بدائع اور طیبات کو حاوی ہے، جدول و عنوان طلائی۔ متن میں ۲۱ سطر، حاشیہ میں ۱٦ سطر، نہایت پختہ خط ہے۔ کتابت کا سنہ ۷۷۵ھ اور کاتب احمد بن ابوسعید ہے، ترقیمہ اس طرح ہے:

«تمت‌الکتاب الخواتیم بحمدالله و حسن توفیقه و صلی الله علی خیر خلقه محمد
و آله اجمعین و سلم تسلیماً ۷۷۵»

---

۱ امیر شاہی کے دیوان کے چار نسخے مدرسۂ سپہ‌سالار تہران میں ہیں جن میں تین خاصے اہم ہیں۔ ایک نمبر ۱۲۰۸ میر علی ھروی کے ہاتھ کا ہے، نمبر ۱۲۰۹ اس قدر اعلی نہیں ہے مگر میر علی ہی کا خط معلوم ہوتا ہے، پہلے صفحہ اور جلد پر صراحۃً میر علی کا نام لکھا ہے۔ تیسرا نمبر ۱۲۱۰، ۹۸۳ھ میں لکھا گیا، فہرست نگار کا کچھ خیال ہے کہ شاید میر عماد کا خط ہو۔

اس کے نیچے زرا موٹے خط میں کاتب کا نام اس طرح آیا ہے :

مشقه العبد احمد بن ابو سعید

اس کتابخانے کا نہایت اعلی درجے کا نسخہ ہے ۔

(۴۹ / ۱۳۱) دیوان جمالی :

ناقص الاول و الآخر ، خط پختہ جلی ، جدول طلائی شنگرفی و لاجوردی ، تقطیع اوسط ، صفحات ۱۴۹ ، ۱۵ سطری ، شروع کے چند صفحات کے غائب ہونے کا خیال ہوتا ہے ۔ پہلے صفحۂ موجود پر ۳ کا ہندسہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک ورق کم ہے ۔ حمد کے تین قصیدے مکمل ہیں ، پہلا قصیدہ بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے ۔ ۵ نعتیہ قصیدے ، ۱۲ مدح پیر (سماءالدین) ، ۷ مدح سکندرلودی ، چھ در مدح بابر ، چھ در مدح ہمایوں ، جملہ ۳۹ قصائد ، ترجیع بند نعتیہ ایک ، عارفانہ ایک ، ترکیب بند مراثی : مرثیۂ سلطان سکندر ایک ، مرثیۂ پیر خود ایک ، مرثیۂ فرزند پیر دو ، مرثیۂ فرزند ایک ، آخر میں ایک ترکیب بند عارفانہ ہے جو ناقص ہے اور اسی پر نسخہ تمام ہو جاتا ہے ، آخری ابیات یہ ہیں :

ما مست شراب لایزالی   در میکدۂ خراب حالی

در دیر مغاں چو ما کسی نیست   میخوارہ و رند لا ابالی

دیوان جمالی کے نسخے نہایت درجہ کمیاب ہیں ۔ بعض لوگوں نے اس کو جمالی اردستانی سے التباس کر دیا ہے مگر یہ سراسر غلط ہے ۔

(۵۰ / ۱۶) مثنوی نہ سپہر :

امیر خسرو کی مثنوی کا یہ نسخہ اعلی درجے کا ہے ۔ جدول طلائی ، خط نستعلیق ، ۱۹ سطری ، دو کالم ، ہر صفحے میں ۳۸ ابیات ، اوراق ۵۵ ۔ ورق ۵۵ الف پر یہ ترقیمہ ہے :

« تمت الکتاب بعون الملک الوهاب من کلام قائل معنوی امیر خسرو دهلوی فی شهر صفر ختم بالخیر و الظفر سنه ۸۸۷ » ۔

(۵۰ / ۷۸) مثنوی مجمع البحرین :

اس کا اصل نام قصۂ ناظر و منظور اور مصنف کاتبی نیشاپوری متوفی ۸۳۸ ہجری ہے ، مثنوی ذو قافتین و ذو بحرین ہے اور اسی بنا پر مجمع البحرین کہلاتی ہے ۔ تقطیع خورد ، خوشخط ، خط سمرقندی قدیم ، کاتب و سنہ کتابت ندارد ، یہ نسخہ قطب شاہی سلاطین کے کتابخانے کا ہے ۔ چنانچہ حسب ذیل تین بادشاہوں کی مہریں موجود ہیں ۔

۱ــ ابراهیم قطب شاہ (م : ۹۸۸ھ)

شہے کہ[1] نقش نگین ساخت مہر آل مقیم
بود سپہر کرم قطب شاہ ابراهیم

۲ــ محمد قلی قطب شاہ (م : ۱۰۲۰ھ)

ملکِ جہان مرا کہ بزیر نگین شدہ
از حکم بادشاہ جہان آفرین شدہ

اور درمیان میں « العبد محمد قلی قطب شاہ » ہے -

۳ــ محمد قطب شاہ (م : ۱۰۳۵)

مہر سلیمان ز حق گشتہ میسر مرا
نقش نگین دل است حیدر[2] صفدر مرا

درمیان میں « العبد قطب شاہ » ہے اوز سنہ ۱۰۲۱ھ (۱۰۱۲۱) ہے -

کاتبی کی دو[3] اور مثنویوں کا ذکر میر علی شیرنوائی نے « مجالس النفائس » میں کیا[4] ہے ، مگر یہ مثنویاں کمیاب ہیں - اس بنا پر نسخۂ زیر نظر اور بھی اہم ہو[5] جاتا ہے -

(۱۶۲/۵۰) خلاصۃ الکلام :

مشہور تذکرہ نویس علی ابراهیم خاں خلیل نے ۱۱۹۸ ہجری میں ۷۸ مثنوی گو شعرا کے حالات مع تفصیلی انتخاب کے اس میں درج کیے ہیں - اتفاق یہ ہے کہ اس کے نسخے عام طور پر کم ملتے ہیں - بانکی پور میں دو[6] نسخے ہیں (ایک اشعار سے خالی) ، ایک آکسفورڈ (باڈلین ۳۹۰) ، ایک Lindesiana ۱۷۷۵ (نمبر ۳۱۸) پر ہے - پیش نظر نسخہ گو بہت ضخیم ہے مگر ناقص ہے - اس میں

۱ــ معارف اگست ۳۷ع میں طغرا یہ ہے : کسے کہ ساخت نقش نگیں الخ اور نذر محمد قلی قطب شاہ (ص ۱۶۸) میں : شہے کہ نقش نگیں مہر حب آل مقیم

۲ــ معارف میں : صقدر حیدر ہے ، نذر محمد قلی قطب شاہ (ص۱۶۹) : کذا در متن، یہ تینوں مہریں مدور ہیں - ایک چوتھی مہر مستطیل نما ہے جو پڑھی نہیں گئی -

۳ــ ان کے نام حسن و عشق اور بہرام و گل اندام تھے ،

٤ــ براؤن نے مجالس کے پہلو مطالب کا ترجمہ دو دیا ہے (۳ : ٤۸۷)

۵ــ کل اوراق ٤۰ ہیں اور ۱۵ سطری ہے -

٦ــ فہرست ج ۸ ص ۷۰٤ــ۷۰۵ ، بڑے نسخے میں حروف دال، ذال نہیں ہیں -

صرف ذیل کے ۱۴ شاعروں کا ذکر ہے : قدسی ، قاسم ، کاتبی ، کلیم ، کریم ، مسیحا ، مسکین ، منت ، منیر ، مکتبی ، مہری ، مسیح کاشی ، مولوی رومی ، مولانا نظامی (حالات کی چند سطریں)

(۵۰/ ۲۵۱) مثنوی معماء قاسم کاهی :

کاهی عہد همایونی و اکبری کا قابل توجہ شاعر ہے ۔ اس کا پورا کلام ڈاکٹر هادی حسن صاحب کی غیر معمولی توجہ سے مدون اور منتشر ہو چکا ہے ۔ مگر یہ مثنوی ڈاکٹر صاحب موصوف کو نہیں مل سکی تھی ۔ ایک ناقص مجموعہ ان معمیات کا اختر میاں جوناگڑھی (مرحوم) کے کتابخانے میں تھا جو رسالہ اردو بابت جولائی ۱۹۵۴ع میں جناب غضنفر صاحب (اردو کالج کراچی) کے توسط سے چھپ گیا ۔ ناقص الطرفین ہونے کی بنا پر موصوف کو اس کے صحت انتساب کے سلسلے میں پورا یقین نہیں ہو رہا تھا ۔ حبیب گنج کے اس کامل نسخے کی دریافت سے اس کی نسبت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا ۔ راقم نے ان دونوں نسخوں کی مدد سے پوری مثنوی اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۵۸ میں شائع کردی ہے ۔

حبیب گنج کا زیر نظر نسخہ کامل ہے ، ترقیمہ کے الفاظ یہ ہیں :

« تمام شد نسخه معمای من تصنیف مولانای قاسم کاهی بروز چهارشنبه بتاریخ بیست و نهم شهر شوال سنه ۴۶ جلوس بادشاه اورنگ‌زیب‌عالمگیر غازی مطابق ۱۱۱۳ھ ...... در قصبه سوجهت بدست احقر العباد محمد ظریف ولد محمد حیات متوطن قصبه تحاره صورت تحریرپذیرفت » ۔

(۲۱ ,۱۹) منتخب مثنوی مسمی به باغ گلبن :

محمد سعد نے ۱۱۰۵ھ میں یہ انتخاب کیا اور ۱۱۰۶ھ میں یہ نسخہ خوش حال خاں کے قلم سے مکمل ہوا ۔ اس میں مختلف مہریں اور عرض دیدے ہیں ۔ آخر میں دو مہریں سلاطین اودھ کی ہیں ۔ امجد علی شاہ کی مہر کا سجع یہ ہے :

ناسخ هر مهر شد چو شد مزین بر کتاب خاتم امجد علی شاه زمان عالی جناب

اور نصیر الدین حیدر کی مہر اس طرح ہے :

خوش است مہر کتب خانۂ سلیمان جاه بہر کتاب مزین چو نقش بسم‌الله

یہ کتاب نواب صدر یار جنگ کے شاہی کتابخانے والے مضموں میں شامل نہیں ہے ۔

(۷۹/۲۱) لوائح جامی :

عنوان طلائی لاجوردی، مطلا مذہب، کاغذ دفتی زر افشاں، حاشیہ زر افشاں، خط استادنہ، کاتب محمد محسن الہروی، تاریخ کتابت ذیقعدہ ۱۰۰۳ھ، لوح کتاب پر حسب ذیل عبارت درج ھے :

«لوائح بابۃ گذرانیندہ میر معز، چہار دھم ربیع الثانی ۱۰۹۶ھ داخل کتابخانۂ سرکار عالی شد»۔

اس عبارت کے اوپر «قابل خان خانہ زاد عالمگیر بادشاہ» کی مہر ھے، اور ایک اندراج سے معلوم ھوتا ھے کہ شائستہ خاں کے اموال کی بابت ٤١ جلوس میں داخل ھوکر محمد باقر کی تحویل میں سپرد ھوئی۔ ۱۰۹۶ (۲۷ جلوس) میں امیرالامرا شائستہ خاں کو مرحمت ھوئی، ٤١ جلوس میں مکرر کتابخانۂ شاھی میں داخل ھوئی اور ایک اندراج سے ۲۳ سال جلوس کتابخانے میں داخل ھونا واضح ھوتا ھے۔

(۱۳۷/۲۱) مرأۃالمعانی :

مولانا جمالی دھلوی فارسی کے بڑے قابل توجہ شاعر گذرے ھیں، ان کے کلام کے مجموعے نہایت درجہ کمیاب ھیں۔ حبیب گنج میں ایک مثنوی اس نام کی موجود ھے جو یقینی طور پر جمالی دھلوی ھی کی تصنیف ھے، افسوس یہ ھے کہ اس نسخے کے کاتب اور سنہ کتابت کا پتا نہیں ھے، البتہ اس شاعر کے کلام کی کمیابی کے پیش نظر یہ نسخہ نہایت ھی اھم ھو جاتا ھے۔ ضخامت ۲٤ ورق، ١٥ سطری، تقریباً سات سو شعر ھوں گے۔ یہ مثنوی عارفانہ ھے اور اس سے خود مصنف کے ذوق کا حال معلوم ھوتا ھے۔

(١٤٥/۲۱) مکاتیب سنائی :

تقطیع خورد، خوشخط، نسخ خفی، کاتب و سنہ کتابت ندارد، طرز خط و کاغذ قدیم، اوراق ٥۲۔

مکاتیب سنائی کے چار نسخوں کا اب تک پتا چل سکا ھے، ایک تو یہی نسخہ ھے، دوسرا کابل میں آقاے سرور گویا نے دریافت کیا تھا، اس کے جو حصے وہ پڑھ سکے ھیں انکو رسالہ آریانا کابل میں چھاپ دیا ھے۔ تیسرے اور چوتھے مجموعے، کلیات سنائی مخطوطۂ دانشگاہ عثمانیہ و دیوان ھند لندن میں شامل ھیں، الگ نہیں، ان دونوں نسخوں میں یہ خطوط مقدمہ کے بعد اور منظومات سے پہلے ملتے ھیں۔ اور جیسا کلیات سنائی کے ذیل میں عرض ھو چکا ھے، یہ دونوں نسخے سنائی کے کلام کی نئی ترتیب کی

نشاندهی کرتے ہیں - حسن اتفاق سے مکاتیب کا یہ نسخہ نہ صرف ترتیب خطوط کے اعتبار سے ان دونوں نسخوں کے ہو بہو مشابہ ہے (نسخۂ کابل بالکل الگ طور پر مرتب ہوا) بلکہ غلطیوں کے اعتبار سے یہ تینوں نسخے بہت ملتے جلتے ہیں - اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ بھی کسی وقت کلیات میں شامل رہا ہوگا - یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس نئی ترتیب کا جو نسخہ حبیب گنج میں موجود ہے اس میں پہلے ۳۳ ورق نہیں ہیں اور یہ اوراق یقیناً صرف مقدمے اور خطوط کو حاوی رہے ہوں گے - لیکن یہ مکاتیب کا مجموعہ، نسخۂ کلیات کا جز نہیں ہے کیونکہ دونوں کی تقطیع مختلف ہے اور کلیات کے ۳۳ ورق غائب ہیں جب کہ یہ نسخہ صرف ۲۶ ورق پر مشتمل ہے - مگر کئی جگہ سے اس میں اوراق غائب بھی ہیں -

بہر حال نسخوں کی اس کمیابی کے اعتبار سے مکاتیب سنائی کا یہ نسخہ حد درجہ اہم[1] اور قابل توجہ ہے -

مثنوی گوے وچوگاں ملاعارفی[2] :

مثنوی کا یہ نسخہ جس درجہ اہم ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پوری کتاب استاد ملا میر علی کاتب[3] کے ہاتھ کی بمقام ہرات، ۹۲۶ھ میں لکھی ہوئی ہے - اوّل یہ کتاب قطب شاہیوں کے کتابخانے میں رہی - جب عالم گیر بادشاہ نے گول کنڈہ فتح کیا تو تیموری کتابخانے میں داخل ہوئی - اس وقت کی قیمت کا اندراج دو ہزار روپیہ ہے، ۱۱۹۷ھ میں دوسو روپے میں فروخت ہوئی، ۱۲۶۴ھ میں قطب الدولہ نے ڈھائی سو روپے میں خریدی - ۱۳۲۱ھ میں حبیب گنج کے کتابخانے کے لئے ایک سو ستر روپے میں خریدی گئی - ترقیمہ یہ ہے :

« کتبه العبد الفقیر المذنب علی الحسینی الکاتب غفر الله ذنوبه و ستر عیوبه
فی اوایل شهر ربیع الاول سنه ست و عشرین و تسعمائة بمدینة الهراة »

مختلف تحریریں ہیں، ان میں ایک تحریر ملاحظہ ہو :

« کتاب گوے و چوگان بخط ایام کمال استاد الکتاب ملا میر علی بابت
فتح گول کنڈہ غرہ ذی الحجه سال سی و یکم جلوس اقبال تحویل سهیل

۱ راقم حروف مکاتیب سنائی کو مقدمہ، تعلیقات اور حواشی کے ساتھ شائع کر رہا ہے -
۲ بہارستان : عارفی هروی است صاحب کتاب گوی وچوگان وآن نظم سرآمد وے ست -
۳ میر علی کاتب بابر بادشاہ کے عہد میں ماور اءالنہر میں تھا، ۹۵۱ میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی (تفصیل کے لئے ملاحظہ تذکرہ مذکر احباب) -

نموده شد ، عدد اوراق سه وسی و قیمت دو هزار روپیه ، چهار صد و نود و دو اشعار[۱] »

(۲۱/۲۱۶ ، ۲۱۷) مثنوی مولانا روم :

۷۱۲ھ کا لکھا ہوا یہ نسخہ نہایت درجہ اہم ہے - مولانا کی وفات ۶۷۲ھ میں ہوئی ، اس حساب سے وفات کے ۴۰ سال بعد کا لکھا ہوا ہے - اس کا شمار مثنوی کے قدیم ترین[۲] نسخوں میں ہوگا - کتابخانۂ حبیب گنج کا یہ نسخہ علاوہ قدیم ہونے کے عالم گیر بادشاہ کے کتابخانے کی زینت رہ چکا ہے چنانچہ بادشاہ ممدوح کی چار مہریں اس پر ثبت ہیں جن میں محمد اورنگزیب پادشاہ صاف طور پر پڑھا جاتا ہے - ترقیمہ یہ ہے :

« بعون الخالق القوی فی ثانی عشرین شہر ربیع الثانی سنه اثنی عشر وسبع مائة »

یہ ترقیمہ دفتر سوم کے آخر میں پایا جاتا ہے -

حاشیہ میں دوسرے قلم کے حواشی پائے جاتے ہیں اور کتاب میں تین جگہ ان کی کتابت کی تین منظوم تاریخیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۵۳ھ میں یہ حواشی چڑھائے گئے تھے :

دفتر اول کے اختتام پر :

اگر تاریخ این داری تو اُمید «رخ احمد» ببیں مانند خورشید (۸۵۳ھ)

دفتر دوم کے اختتام پر :

گر همی خواهی تو تاریخ کتاب هست « رمز مثنوی » اندر حساب (۸۵۳ھ)

دفتر سوم کے اختتام پر :

اگر تاریخ این مکتوب خواهی فرو خوانی تو از « ذوق الهی » (۸۵۳)

اورنگ زیب کی ایک مہر دیباچۂ دفتر اول کے اختتام پر محو شدہ اور تین دفتر ششم کے آخر میں کسی قدر صاف ہیں -

---

۱ یہ نسخہ فہرست میں شامل نہیں ہے -

۲ قدیم نسخے مثنوی کے یہ ہیں : میونخ اسٹیٹ بیلوتھیک نمبر ۴۵ بخط موسی بن یحیی بن حمزه الحولادی فی تاریخ ۴ شعبان ۷۰۶ھ (صرف دفتر دوم) -

میونخ نمبر ۳۵ بخط محمد بن الحاج دولت شاہ بن یوسف الشیرازی فی تاریخ ۱۵ ذی حجه ۷۴۴ھ -

برٹش میوزیم (۵۰۰۲) بخط علی بن محمد فی تاریخ ۷۱۸ھ -

پرفیسر نکلسن مکتوبہ ۷ ربیع الآخر ۸۴۳ھ -

یہ اطلاعات نسخۂ هذا کے پہلے دو صفحوں کی یادداشت سے ماخوذ ہیں -

(۲۲ / ٤٦) طبقات شاهجهانی :

اس تذکرے کا مولف محمد صادق ہے ۔ اس کی ایک اور تالیف «کلمات الصادقین» ہے جس میں دہلی کے ۱۲۵ بزرگان و عارفان کا تذکرہ ہے اور جس کا ایک نسخہ بانکی پور (جلد ۸ نمبر ٦٧١) میں موجود ہے ۔ محمد صادق کا ایک بھائی محمد یوسف کشمیری ہمدانی عہد جہانگیری کا شاعر تھا جو ۱۰۳۳ میں فوت ہوا ۔ طبقات شاہجہانی کا ایک جزء ۱۰٤٦ ہجری میں مکمل ہو چکا تھا ۔ یہ دس طبقے میں منقسم ہے اور ہر طبقے کے تین باب ہیں جن میں سادات و اولیا، علما و فضلا، اور شعرا کے حالات بالترتیب بیان ہوئے ہیں جن کا مطالعہ تین صدی کی علمی و ادبی زندگی کے سمجھنے میں بہت مفید ہوگا :

طبقۂ اول	عہد تیموری ۷۷۰ ھ تا ۸۰۷ ھ	
	اولیا ؛ ۲٦ ؛ علما : ۱۹ ؛ شعرا : ۱۰	٥٥
طبقۂ دوم	شاہرخ ۸۰۷ ببعد	
	اولیا : ۳۷ ؛ علما ۳۳ ؛ شعرا : ۱۰	۸۰
طبقۂ سوم	مرزا سلطان محمد ۸٥۰ ھ ببعد	
	اولیا : ۱۹ ، علما : ۱۷ ، شعرا : ۱۱	٤۷
طبقۂ چہارم	مرزا ابو سعید ۸٥٤ ببعد	
	اولیا : ۱٥ ، علما : ۱٥ ، شعرا : ۱٤	٤٤
طبقۂ پنجم	عمر شیخ مرزا پسر سلطان ابو سعید	
	اولیا : ۲۷ ، علما : ۳۰ ، شعرا : ۹	٦٦
طبقۂ ششم	بابر ۹۰۰ تا ۹۳۹ھ	
	اولیا : ٤۷ ، علما : ۳۳ ، شعرا : ٦	۸٦
طبقۂ ہفتم	ہمایوں ۹٤۰ ببعد	
	اولیا : ۲٦ ، علما : ۲٦ ، شعرا : ۹	٦۱
طبقۂ ہشتم	اکبر ۹٦۳ ببعد	
	اولیا : ۹۰ ، علما : ٦٤ ، شعرا : ۱٦٥	۳۱۹
طبقۂ نہم	جہانگیر ۱۰۱٤ ببعد	
	اولیا : ٥٥ ، علما : ۲٥ : شعرا : ۳۱	۱۱۱

طبقۂ دہم   شاہجہاں ۱۰۳۸ ببعد

اولیا : ۳۷ ، علما : ۲٦ شعرا : ۲۸   ۹۱

میزان اولیا : ۳۷۹ ، علما : ۲۸۸ ، شعرا : ۲۹۳ ،   ۹٦۰[1]

اتنے مشاہیر کا یہ تذکرہ بہت اہم ہے مگر اس کے نسخے بہت کم پائے جاتے ہیں - چنانچہ اسٹوری نے پرشین لٹریچر (ص ۱۱۷۱-۱۱۷۲) میں اس کے تین نسخوں کا تذکرہ کیا ہے - نسخۂ زیر نظر اس میں شامل نہیں - یہ نسخہ دو حصوں میں ہے اور کل اوراق ۲۷۵ ہیں، خط جلی نستعلیق، ۱۹ سطری، ترقیمہ یہ ہے :

« الحمدلله . . . این کتاب لاجواب طبقات شاهجهانی فارسی بدست احقرالعباد بنده محمد سعید خاف حافظ محمد عظیم‌الله خاں ٹونکی بتاریخ ربیع‌الثانی ۱۳٤٤ هجری قدسی صورت تحریر یافت » -

دستی فہرست[2] میں اتنا اور اضافہ ہے :

« از کتابخانۂ نواب عبدالله مرحوم واقع ریاست ٹونک راجپوتانه بحسن توجه مولوی محمودالحسن خاں ٹونکی بقلم محمد سعید برای این کتابخانه نقل شد » -

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس اہم تذکرے کا ایک نسخہ ٹونک میں بھی ہے جو اسٹوری کی نظر میں نہ آسکا -

ہمارے نسخے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ محمد سعید کے ہاتھ کی ایک فہرست مندرجات بھی ۲۱ صفحے کی الگ سے ہے -

(۲۳/۲٦) حدائق الانوار :

یہ کتاب « جامع العلوم » اور « ستین » یا « ستینی » بھی کہلاتی ہے - اس کے نسخوں میں اختلاف ہے، بعض میں چالیس علم اور بعض میں ساٹھ علم ہیں اور اسی آخری قسم کے نسخوں کا نام « ستینی » ہے - امام فخرالدین کی یہ سب سے مشہور فارسی کتاب ہے جو ۵۷٤ ہجری میں علاءالدین تکش خوارزم شاہ کے نام لکھی گئی تھی - ہمارے پیش‌نظر نسخے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ علامۂ عبدالجلیل بلگرامی (م : ۱۱۳۸ھ) کے خط سے مزین ہے - شروع میں ایک ورق میں خود انہوں نے امام فخررازی کے حالات لکھے ہیں

---

۱ پرشین لٹریچر میں تعداد صرف ۸۷۱ ہے -

۲ یہ فہرست مولوی معین الدین صاحب ناظم کتابخانہ نے بڑی قابلیت سے تیار کی ہے جس میں ساری ضروری باتیں درج ہیں -

اور آخر میں دستخط اس طرح ہے : مالکہ عبدالجلیل الحسینی الواسطی - کل اوراق ۱۵۹، ۱۸ سطری، فہرست کتاب شامل مقدمۂ کتاب -

(۱/۵۱) مذکر احباب :

بخارا اور اس کے نواح کے ان شعرا کا تذکرہ ہے جو میر علی شیر نوائی کے بعد گذرے ہیں - پس اس کو مجالس النفائس کا تکملہ سمجھنا چاہئے - اس کا مولف بہاءالدین حسن نثاری بخاری ہے جس نے ۹۷٤ ہجری میں یہ کتاب مرتب کی، خود لکھتا ہے :

چوں ایں تذکرہ از ہر باب مذکراحباب بود نام و تاریخش مذکر احباب گشت. تاریخ :

چوں درین تذکرہ زبان قلم ذکر احباب کرد از ہر باب
نام و تاریخ سال اتمامش گشت ازآن رو مذکر احباب

یہ تذکرہ ایک مقالہ، ٤ باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے اور ہر باب میں متعدد فصلیں ہیں -

مذکر احباب کا زیر نظر نسخہ قدیم ترین نسخہ [1] ہے، جو تاریخ تصنیف کے ٦ سال کے اندر ہی سمرقند میں لکھا گیا - ترقیمہ یہ ہے :

« اللهم الغفر لمولفه و کاتبه و قاریه و من نظرالیه بحرمت محمد صلی الله علیه و علی آله وسلم، تم بالخیر ببلدة المحفوظه سمرقند بهجرة النبویه نهصد و هشتاد، کتبه فقیر میرک »

اس تذکرے کا ایک اور نسخہ اس کتابخانے میں موجود ہے (۲/۵۱) - بہ نہایت خوش‌خط نستعلیق قدیم خط میں ہے مگر ناقص الآخر ہے - اس میں آخری شاعر نظام‌الدین محمد بدیع ہے، مگر یہ آخری ورق دوسری جگہ کا ہے، اس کے پہلے ورق پر آخری شاعر حافظ ابراهیم ہے جو نسخۂ اول میں باب سوم فصل اول کے ضمن میں آیا ہے - اوراق کے حساب سے تقریباً آخری ایک چوتھائی حصہ غائب ہے - پہلے نسخے میں ۱۵ صفحے کی جو فہرست ہے وہ بھی اس سے خارج ہے -

(۲٤/۵۱) خلاصة الاشعار :

تقی کاشی کا تذکرۂ خلاصة الاشعار نہایت ضخیم تذکرہ ہے جس کا آخری حصہ

---

۱ برٹش میوزم کا نسخہ ۹۸۷ھ کا مکتوبہ ہے اور وہی اس وقت تک سب سے قدیم نسخہ سمجھا گیا تھا (اسٹوری پرشین لٹریچر ص ۸۰۲) زیر نسخہ نستعلیق خط میں ۱۱۰ ورق پر مشتمل ہے اور ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں-

مصنف کے معاصرین سے متعلق ہے اور «خاتمہ» کے نام سے ۹۹۳ ھجری میں پہلی بار تیار ہوا تھا، اس پر بار بار نظر ثانی ہوئی چنانچہ «خاتمہ» کے نسخوں میں بہت اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ پھر مصنف نے اس کے کئی خلاصے تیار کرائے تھے۔ نسخۂ زیر نظر بھی خاتمہ کا خلاصہ ہے۔ اس میں حسب ذیل شاعروں کا تذکرہ شامل ہے:

مرزا قلی میلی، ولی دشت بیاضی، حسین ثنائی، نورالدین ظہوری، نظیری نیشاپوری، شیخ فیضی، شیخ عبدالسلام، عرفی شیرازی، قاضی نور الدین، شانی تکلو، طوفی تبریزی، عجزی تبریزی، سید محمد جامہ باف فکری مشہدی، شوقی مشہدی، سحابی نجفی (ناتمام)۔

نسخہ ناقص الآخر ہے، کل صفحات ۴۷۱ اور ۲۴ سطری ہے، حاشیے میں جا بجا اضافے ہیں، بعض جگہ مصنف ہی کا خط معلوم ہوتا ہے۔

(۵۱/۳۲) عرفات عاشقین:

تقی اصفہانی کے اس تذکرے کے نسخے کمیاب ہیں۔ راقم نے «معارف» (جنوری ۵٦) اور «اسلامک کلچر» (اکتوبر ۵۸) کے ذریعے اس کے مختلف نسخوں کا تعارف کرایا ہے۔ کامل نسخہ بانکی پور میں دو جلدوں میں ہے جس میں سے صرف ح کے دو عرفوں کے شاعر خارج ہیں۔ کتابخانۂ ملی تہران کا نسخہ باوجود شاہی کتابخانوں میں شامل رہنے کے اغلاط سے پاک نہیں ہے۔ اس میں حرف ک کا دوسرا اور تیسرا عرفہ اور گ اور ل کے تینوں عرفے غائب ہیں۔ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں بھی کچھ اجزا اور یورپ میں دو نسخے ہیں۔ زیر نظر نسخہ بھی پورے تذکرے کا ایک جز ہے جو عرفۂ ح، تا، ش، پر مشتمل ہے، ش کا عرفہ نا مکمل ہے، آخری شاعر محمد رضا المشہدی اور اس کے قبل خواجہ محمد حسین شفائی کا ذکر ہے۔ خط نستعلیق، قدیم، اوراق ۲۸۴، متن و حاشیہ، متن ۲۵ سطری، حاشیہ ۱۸ سطری۔ ناقص ہونے کے باوجود خاصہ قابل توجہ نسخہ ہے۔

(۵۱/۲٦) مردم دیدہ:

یہ تذکرہ نایاب ہے، اس کے کسی نسخے کا حال معلوم نہیں ہوسکا ہے، اسٹوری کے یہاں اس کا ذکر نہیں ہے۔اورینٹل کالج میگزین میں ان تذکروں کے ضمن میں اس کا نام درج ہے جن کا کہیں پتا نہیں چل سکا ہے۔ راقم نے اس نسخے کا تعارف «فارسی کے چار گمنام تذکرے» معارف (جون ۱۹۵۷ع) میں کرایا ہے۔ اب یہ پورا تذکرہ اورینٹل

کالج میگزین میں بالاقساط شائع ہورہا ہے اور بنیاد صرف یہی مخطوطہ ہے ۔ حبیب گنج کی دستی فہرست سے غلط فہمی ہوسکتی ہے ۔ اس میں اس کو مطبوعہ ٹائپ بتایا گیا ہے حالانکہ یہ نسخہ مطبوعہ نہیں ہے ۔

(۳۷/۵۱) مونس الاحرار :

رشیدالدین وطواط (م ۵۷۳ھ) نے صنائع و بدائع میں حدائق السحر نام کی ایک کتاب لکھی جس میں ہر صنعت کی وضاحت کے لئے اساتذۂ سلف کے دو تین شعر بطور سند کے پیش کئے ۔ ساتویں صدی ہجری کے اواخر کے ایک فاضل احمد بن محمد کلاتی اصفہانی نے اساتذہ کے کلام سے صنائع و بدائع کے ہزاروں اشعار منتخب کرکے ایک ضخیم مجموعہ تیار کیا اور اس کو حدائق السحر کا تکملہ قرار دیکر مونس الاحرار فی دقائق الاشعار نام رکھا ۔ مرتب لکھتا ہے :

«در ذکر اشعار شعرای سلف کتابی که امام رشیدالدین محمد المعروف به رشید وطواط ساخته و آنرا حدائق السحر نامند بحثی میرفت ۔ چون خاطر عاطر آن بزرگان هنرمند و مشاهیر خردمند متعلق نظم و اشعار مصنوعات دلآویز استادان قدیم دید خادم مخاص اضعف عبادالله الوهاب احمد بن محمدبن احمد بن محمد المعروف بکلاتی به محلهٔ دردشت بموجب فرموده . . از دواوین امرای شعرا که مشهور بود انتخابی کرد و مجموعهٔ ساخت چنانچه از تمامی مصنوعات و لطائف بدائع که رشیدالدین در حدائق السحر یاد کرده و بیتی در استشهاد آورده هم بدان صنعت بابی موضوع کرده تا از هیچ دقیقه و لطیفه بی نصیب نباشد . . و امروز در علم شعر وشاعری مجموعهٔ بدین جزالت موجود نیست و درستی معنی بمطالعه و بمقابله مفهوم گردد ۔ و این یار دلدار و حریف غمگسار و محبوب افاضل روزگار را مونس الاحرار فی دقائق الاشعار نام کرده بترتیب سی باب ، در روز پنج شنبه اول ربیع الآخر سنه اثنتی و سبعمائة» (= ۷۰۲ھ) ۔

کلاتی کے مجموعہ کے چند ہی سال کے اندر چند اور مجموعے تیار ہوگئے جن میں سے دو کے نسخے دریافت ہوگئے ہیں ، پہلا محمد پسر بدر جاجرمی کا ہے جو کلاتی کے مجموعے سے ۳۹ سال بعد ۷۴۱ ہجری میں مرتب ہوا اور اس کا بھی نام مونس الاحرار رکھا گیا ۔ کم و بیش اس کے بھی وہی تیس ابواب ہیں ۔ محمد کے مجموعے میں ۲۰۰ شعرا کا

انتخاب شامل ہے جس میں کلاتی کے ۷۵ شاعروں میں ۵۸ شاعر[1] ہیں ۔ تعجب ہے کہ کلاتی کا مجموعہ پیش نظر ہونے کے باوجود محمد نے اس کا اقرار نہیں کیا ہے ۔ علاوہ ابواب کی یکسانیت کے دیباچے کے جملے کے جملے کلاتی کے دیباچے سے من و عن نقل کرائے گئے ہیں ۔ اس کے تین نسخے[2] دریافت ہو چکے ہیں ۔

تیسرا مجموعہ علی بن محمد المعروف بہ تاج حلاوی کا ہے اس کا نام دقائق الاشعار ہے ۔ اس میں بھی تیس باب وہی ہیں جو کلاتی کے یہاں ہیں اور ان کی ترتیب بھی وہی ہے ۔ اس میں صرف ۵۷ شعرا کا انتخاب ہے جن میں ۴۲ وہی[3] ہیں جو کلاتی کے یہاں آئے ہیں ۔ اس کا صرف ایک نسخہ بوڈلین لائبریری[4] میں دریافت ہوا[5] ہے ۔

کلاتی کے مجموعہ کا کوئی اور نسخہ سوائے زیر نظر نسخے کے کہیں اور دریافت نہیں ہوسکا ہے ۔ مرزا محمد نے پسر جاجرمی کے نسخے کی دریافت کو ایک اہم کارنامہ تصور کیا ہے کیونکہ اس کے توسط سے بہت سے نئے شاعروں کا کلام اور بعض مشہور شاعروں کا نیا کلام[6] مل گیا ہے ۔ ظاہر ہے اسی اعتبار سے یہ نسخہ اور بھی زیادہ اہم ہے اس لئے کہ اُس سے زیادہ ضخیم بھی ہے اور قدیم بھی ، اور اتفاق یہ ہے کہ پسر جاجرمی کے قیمتی نسخوں میں سے کوئی بھی کامل نہیں اور نسخہ زیر نظر میں سوائے چند عنوانوں کے حذف ہونے اور صرف دو تین صفحہ سادہ چھوٹنے کے اور کوئی زیادہ نقص

---

۱ ـــ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اشعار کتنے مشترک ہیں ۔

۲ ـــ ایک کسی تاجر کے پاس نیویارک میں اس پر مرزا محمد نے تفصیلی نوٹ بیست مقالہ میں شائع کیا ہے ۔ دوسرا کتاب‌خانہ ملک تہران میں ، تیسرا پروفیسر نفیسی کا بحوالہ نسخہ مگر یہ تینوں ناقص ہیں ۔ ان میں اوراق کے اوراق سادہ چھوٹے ہیں ۔

۳ ـــ اشعار کے اشتراک کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔

٤ ـــ زخاؤ اور ایتھے نے اس کے متعلق مفصل یادداشت لکھی ہے ۔

۵ ـــ اردو میں ایک نہایت قیمتی مضمون تینوں مجموعوں پر شائع ہوا ہے جس میں تینوں کی شاعروں اور ابواب کی مکمل فہرست شامل ہے ۔ میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے ۔

٦ ـــ ولی اگر از جنبۂ شاعریت او چشم پوشیده و فقط سلیقۂ او را در طرز تالیف و ترتیب این کتاب مقیاس حکم قرار دهیم ، میتوان گفت که الحق در انتخاب مبسوط مفصل این همه قصائد غرا و غزلیات و مقطعات و رباعیات ازین همه شعراء فارسی زبان مخصوصاً از اساتید قدما که اکنون اغلب اشعار ایشان از میان رفته است بلکه حتی اسامی بسیاری از ایشان نیز در عصر ما بالکلی از اذهان فراموش شده است و ایرانیان بغایت شکرگزار کسی می باشند که آثار دویست نفر از شعرای ایشان را از اقدم القدما گرفته الی شعراء قرن هشتم در بطون دفاتر مخلد نموده است و اقلاً این مقدار از آثار ادبی ایران را از تلف ابدی نجات داده‌است و ازین لحاظ این کتاب حاضر حائز اقصی درجۂ اهمیت و اعتبار است (بیست مقالۂ قزوینی ج ۲ ص ۱۸٦)

نظر نہیں آتا - یہ ضرور ہے کہ اغلاط سے پاک نہیں اور ایک جگہ صفحات بھی بے ترتیب ہو گئے ہیں -

کل صفحات ۱۴۰۷ اور تقطیع بڑی ہے - خوش خط نستعلیق اور خط جدید ہے - اس نسخے کی مدد سے فارسی ادب میں بہت قیمتی اور قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے -

فی الحال اسی پر آج کی گفتگو ختم کی جاتی ہے - یہ مخطوطے نمونہ مشتی از خروارے ہیں، اس کتابخانے کے سارے نوادر کی تعداد کا اتنی آسانی سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا - اور جتنا ہی غور کے ساتھ اس کے قیمتی ذخائر کا مطالعہ کیا جاتا ہے اتنا ہی نواب صدر یار جنگ مرحوم کی وسعت نظر، حسن انتخاب اور کثرت معلومات کا اندارہ ہوتا ہے - مشکل سے کوئی مخطوطہ ایسا ملے گا جس پر مرحوم نے قابل قدر یادداشت نہ لکھی ہو اور حقیقت یہ ہے کہ کتابخانے کی تفصیلی فہرست شائع ہونے ہی پر نواب صاحب کے علم و فضل کا صحیح اندازہ ہو سکے گا -

قدیم ایرانی و زرتشی عناصر اُردو ادب میں

ایران کی قدیم تاریخ کا مطالعہ فارسی و اُردو ادب کے سلسلے میں اس لحاظ سے ناگزیر ہے کہ اُس ملک کی تاریخ و تہذیب نے ان دونوں ادب کو غیر معمولی طور پر متأثر کیا ہے - اساطیری و تاریخی ادوار کے بادشاہ، پہلوان، مذہبی رہنما، مذہبی تہوار اور دوسرے رسم و رواج ادبیات کے اہم موضوع ہیں چنانچہ کبھی استعارے کی شکل میں، کبھی تلمیح و اشارے کے طور پر اور کبھی حقیقی انداز میں شاعروں اور ادیبوں کے کارناموں میں ان کو مؤقر جگہ ملتی رہی ہے - تہمورس، ہوشنگ، فر کیانی، افراسیاب، کیخسرو، کیکاوس، زال، رستم، سہراب، اسفندیار، زرتشت، زندوپازند، نوشیرواں، خسرو پرویز، شیریں و فرہاد، مانی، مزدک، باربد ایسے نام ہیں جن سے فارسی ادب کا کیا ذکر اردو ادب کا ہر طالبعلم واقف ہے - صرف یہی نہیں ہماری تہذیبی زندگی میں بھی قدیم ایرانی تہذیب کے تاثرات کے نشان واضح طور پر قدم قدم پر ملتے ہیں -

قدیم ایران کا آخری خاندان ساسانی خاندان ہے جس کی بنا اردشیر پسر بابک (ارتخشتر پاپکان) نے ۲۲۶ع میں ڈالی تھی - اس خاندان کی چارسو سالہ حکومت کی دنیا کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے - اسی خاندان نے رومیوں کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا ورنہ آج سے سیکڑوں سال قبل سارا مغربی ایشیا اور ہندوستان یورپ کا محکوم ہوجاتا - یہ خاندان بالآخر عربوں کی طاقت کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور ۶۴۰ع میں ایران پر عربوں کا قبضہ ہوگیا - لیکن یہ بات حد درجہ قابل توجہ ہے کہ باوجود سیاسی قوت کے سلب ہونے اور مذہب و زبان کے تفاوت کے ساسانیوں کی تہذیب نے عربوں کو بہت متأثر کیا - فتح ایران کے بعد ہی سے حکومت کے محکمے ایرانی نمونے پر ڈھلنے لگے اور خلفاے عباسی نے تو سارے ساسانی شعار اختیار کرلئے تھے - وہی رسم و رواج اور وہی روایات پوری زندگی پر چھاگئے - رفتہ رفتہ یہ روائتیں بغداد سے نکل کر تمام اسلامی ممالک میں سرایت کرگئیں - اسی کا نتیجہ ہے کہ اکبر اور شاہجہاں کا دربار نوشیرواں و خسرو پرویز کا دربار معلوم ہوتا ہے -

قدیم ایران کے پورے تاریخی دور میں زرتشی مذہب کو غیر معمولی فروغ حاصل رہا ہے ۔ چونکہ مذہب ہی پر حکومت کی بنیاد قائم تھی اس سے وہاں کی سیاسی و اجتماعی زندگی میں زرتشی مذہب نے گہرے اثرات ڈالے ۔ پہلوی زبان جو ساسانیوں کے دور کی سرکاری زبان تھی اس کا زیادہ ادب مذہبی رنگ کا ہے ۔ فارسی زبان و ادب نہ صرف پہلوی سے متأثر ہی ہے بلکہ اس کی جانشین ہے اس بنا پر اس پر پہلوی کی بہت گہری چھاپ ہے ۔ اردو بھی فارسی کے زیر اثر پروان چڑھی اس لئے اس پر فارسی اور پھر پہلوی کے نقوش بہت گہرے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زرتشی عناصر جو پہلوی کی راہ سے فارسی میں داخل ہوگئے کچھ ہلکے ہوکر اُردو ادب کی رگ وپے میں اس طرح سرایت کر گئے کہ اب ان میں کسی قسم کی اجنبیت باقی نہیں ہے ۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے ابھی ادیبوں نے اردو ادب کا مطالعہ اس انداز سے نہیں کیا ہے ، ہماری فرہنگیں بھی زیادہ دور تک ساتھ نہیں دیتیں ۔ اسی ضرورت کا احساس اس مقالے کے لکھنے کا محرک ہوا ۔

اردو میں ایرانی اثر کے پھیلانے کے حسب ذیل محرکات ہیں ۔

۱ — اردو ادب فارسی ادب کا چربہ ہے ۔

۲ — اردو ادب کا ہر بڑا شاعر و ادیب اصلاً فارسی کا شاعر تھا ، میر ، سودا ، درد ، غالب اور اقبال وغیرہ نے فارسی میں اتنا ہی لکھا ہے جتنا اردو میں ۔ غالب نے اردو کو « بے رنگ من » کہہ کر فارسی کے « نقشہاے رنگ رنگ » پر بڑا فخر کیا ہے ، لیکن اسی اردو زبان پر ان کی ساری شہرت کی بنیاد قائم ہے ۔ اقبال نے اردو کو چھوڑ کر فارسی میں کہنا شروع کردیا تھا ۔ ایسے شاعروں کے لئے فارسی کی روایت سے بے تعلق ہو جانا بہت مشکل تھا ۔

۳ — شاہنامے اور دوسری رزمیہ داستانوں کے ترجموں نے ایرانی اثرات اردو میں عام کئے ۔

٤ — اردو ادب میں ایرانی اثرات کی سب سے زیادہ نمایندگی طویل داستانوں سے ہوتی ہے ۔ ان داستانوں کی بنیاد قدیم ایرانی قصوں پر ہے ۔ داستان طلسم ہوشربا اور قصۂ امیر حمزہ میں ایران قدیم کی تاریخ پس منظر کا کام دیتی ہے ۔ اساطیری دور کے بعض بادشاہ لہراسپ ، تہماسپ ، گرشاسپ ، افراسیاب ، جمشید ، ایرج ، تورج وغیرہ ، اور تاریخی دور کے چند بادشاہ اور دوسرے افراد نوشیرواں ، شاپور وغیرہ ان کے مختلف کردار ہیں ۔

یہ قصے باوجود اس کہ اول فارسی میں لکھے گئے لیکن ان میں اتنا تغیر و تبدل ہوا کہ اب وہ اردو ادب کے رگ و ریشے میں سرایت کرچکے ہیں اور اردو ادب ان پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہے ۔ ان قصوں کے بعض اجزا پہلی بار اُردو ہی میں تحریر ہوئے اور اب اس میں کسی قسم کا کلام نہیں کہ داستان امیر حمزہ و طلسم ہوشربا کے افراد اردو ادب کے جزو لاینفک ہیں۔ بعض اردو شاعروں نے ان کے افراد کو بطور تلمیح کے پیش کیا ہے مثلاً غالب کہتے ہیں :

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی
غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل (دیوان ص ۱۲۴)
ہر بن مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خوناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا (دیوان ص ۱۶۲)

اردو کا دوسرا اہم قصہ بوستان خیال ہے جو امیر حمزہ کی داستان کا جواب معلوم ہوتا ہے ۔ اس میں قدیم ایرانی اثرات کیومرث ، جمشید ، زردشت ، شیریں خسرو کے افسانوی رنگ کے واقعات کی شکل میں نمایاں ہیں ۔ لیکن اِس کے مصنف سے زردشت کے متعلق رائے قائم کرنے میں سخت غلطی ہوئی۔ وہ اس عظیم مذہبی شخصیت کو داستان امیرحمزہ کے ساحر جمشید سے بدل دیتا ہے (گو اس میں اصلاً کلام نہیں کہ داستان امیر حمزہ میں جمشید جیسے اولوالعزم بادشاہ کو سامری کا حریف جادوگر قرار دیکر ایرانی تاریخ کا بری طرح مذاق اڑایا گیا ہے) ۔

۵۔ بعض ایرانی عشقیہ داستانیں اردو میں منتقل ہوئیں اور رفتہ رفتہ وہ اتنی مقبول ہوئیں کہ بچے بچے کی زبان پر آ گئیں ۔ مثلاً شریں فرہاد کا قصہ اتنا عام ہوگیا کہ تھیٹر کمپنیوں نے اس کو بار بار اسٹیج کیا ۔

۶۔ اس ڈرامائی قصے کے علاوہ وہ عشقیہ داستانیں بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتیں جو اردو نظم میں یا تو بعینہٖ منتقل ہوگئیں یا تھوڑی سی تبدیلی سے انہوں نے اردو کا جامہ پہنا ۔ بہرام گور کا قصہ فارسی مثنویوں کا اہم موضوع رہا ہے ۔ قدیم اردو شاعروں نے اس کو اپنی جولانگاہ قرار دیا ۔ اس سلسلے میں تین مثنویاں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں؛

۱۔ محمد عادل شاہ بیجاپوری (م : ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں امین نے لکھنی شروع کی اور دوسرے شاعر دولت کے ذریعے ۱۰۵۰ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کا نام قصہ «بہرام و حسن بانو» ہے ۔ بہرام گور حسن بانو سے شادی کرنے کے بعد ایران کے

تخت پر متمکن ہوتا ہے ۔

۲۔ملک خوشنود نے بہرام کی داستان کے لئے امیر خسرو (م : ۷۲۱ھ) کی مثنوی «ہشت بہشت» کا انتخاب کیا ۔ ملک نے ۱۰۵٦ ہجری میں بیجاپور ہی میں اسے اردو میں منتقل کیا ۔

۳۔۱۰۸۱ھ میں طبعی نے نظامی گنجوی (م : ٦۰٦ھ) کی مثنوی «ہفت پیکر» کا ترجمہ بہرام و گل اندام کے نام سے کیا ۔

غرض انہیں وجوہ کی بنا پر قدیم ایرانی عناصر اردو میں داخل ہوکر خود اس زبان کے رگ و پوست ہوگئے ۔ ذیل کے اوراق میں ان کا تعین تاریخی ترتیب سے کیا جارہا ہے ۔

کیومرث : بوستان خیال وغیرہ (بحوالۂ اردو کی نثری داستانیں ص ۲۰٦) ۔

شاہنامہ میں کیومرث دنیا کا پہلا بادشاہ متصور ہوا ہے ، لیکن اوستا میں اس کو پہلا انسان اور ہوشنگ کو پہلا بادشاہ قرار دیا گیا ہے ۔ مذہبی روایات میں کیومرث کو بادشاہ مطلق نہیں بتایا گیا ۔ اس کے دو بیٹوں کا نام اوستائی روایت کے اعتبار سے مشیگ اور مشیانگ تھا ۔ اس نام کی مختلف قرأتیں گیومرث یا گیومرت ، کیومرث یا جیومرث ، گیومرت یا گیوک مرت سب کی سب اوستائی کلمہ گیہ مرت سے مشتق ہیں جو دو جزء سے بنا ہے ، گیہ بمعنی جان ، مرت بمعنی موت ، پس گیہ مرت بمعنی مردم فانی ہوا ۔

کیومرث کے متعلق تاریخی ، داستانی ، پہلوی اور اوستائی روایت میں بڑا اختلاف ہے ۔ اس کی بحث کے لئے «حماسہ سرائی» صفحات ٤۰۰ تا ٤۰۱ دیکھنا چاہئے ۔

ہوشنگ[1] : دیوان غالب ص ۱۲۱ ، ادبی خطوط غالب ص ٤٤ ۔

«شاہ نامہ» میں دوسرا بادشاہ ہے جو اپنے دادا کیومرث کے بعد تخت نشین ہوا ۔ اس کا باپ سیامک[2] دیووں سے جنگ کرتے مارا گیا ، تو اس نے دیووں سے جنگ کی اور باپ

۱۔ہندوستان میں یہ نام بہت زیادہ مقبول نہیں ہوا ، البتہ بعض بادشاہوں کے یہی نام ہیں ، اور بعض جگھوں کے بھی نام اس نام پر ملتے ہیں ، مثلاً بھوپال کے قریب ہوشنگ آباد ہے اور اسی نام کا ایک گاؤں سیتاپور (یو پی) کے اطراف میں ہے ۔

۲۔اوستا میں کیومرت اور ہوشنگ کے درمیان سیامک کا نام ملتا ہے مگر ان کے رشتے کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوتا ۔ «دینکرت» جو عہد ساسانی کے اوستا کے ایک جز کا خلاصہ ہے اس میں گیومرت اور ہوشنگ کے درمیان کئی نسلیں ہیں ۔ مزید دیکھئے نقد غالب ص ۳۵٤ ۳۵۵ ۔

کے خون کا بدلہ لیا۔ وہ چالیس سال بادشاہ رہا ۔ اس نے لوہا اور آگ نکالی۔ اور جشن[1] سدہ کی بنیاد ڈالی ، دریاؤں سے نہریں نکالیں ، کھیتی کرنا اور جانوروں کی کھال سے پوشاک بنانا اسی کی طرف منسوب ہے ۔ لیکن «اوستا» کی روایت اس سے کچھ مختلف ہے ۔ ہوشنگ پیشداد (ہئوشنگیہ پرذات[2]) پہلا شخص[3] ہے جس کو اہور مزدا نے ہفت کشور کی سلطنت عطا کی ۔ اس نے دیوؤں اور جادوگروں کو مغلوب کیا اور وہ بھاگ کر تاریکی میں چھپ گئے ۔ اسلامی مورخوں کا بیان کچھ مختلف ہے ۔ تاریخ طبری میں وہ ارفحشد بن سام بن نوح کی اولاد میں بتایا گیا ۔ مسعودی کی روایت سے اس کا سلسلۂ نسب یہ ہے : اوشہنج پسر فروال پسر سیامک پسر برنیتی پسر کیومرث ، اوشہنج (ہوشنگ) کیومرث کا جانشین تھا ۔

جمشید : اردو شاعری کی مقبول ترین تلمیح ہے ، جو جاہ و جلال ،[4] شراب نوشی اور عرفان و پیش بینی کا نمونہ ہے ۔ اردو شاعروں نے اس سے نئے نئے مفہوم پیدا کئے ہیں ۔ ہم ذیل میں اردو کے دو محبوب شاعروں کے کلام سے مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

خانۂ تنگ ہجوم دو جہاں کیفیت
جام جمشید ہے یا قالب خشت دیوار (دیوان غالب ص ۲)

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید (« ص ۱۲۹)

بزم میں میزبان قیصر و جم
رزم میں اوستاد رستم و سام (« ص ۱۳۷)

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مے خاتم جمشید نہیں (« ص ۱۸۳)

صاف دردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں (« ص ۱۸۶)

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے (« ص ۲۳۹)

۱ــ اس قدیم ایرانی جشن کے لئے دیکھئے برہان قاطع ص ۵۷۳ متن و حاشیہ اور ص ۱۱۱۰ متن ۔

۲ــ پرذات کے پہلے جزء (پر) کے معنی پیش ، اور ذات بمعنی آئین و قانون (داد ، دات پہلوی) یا بمعنی مخلوق (دیکھئے حماسہ سرائی ص ۳۹۶) ۔

۳ــ بعض مسلمان مورخوں نے تہمورث (تخم اروپ) کو دنیا کا پہلا بادشاہ بتایا ہے (مسعودی ، مروج الذہب بحوالۂ حماسہ سرائی ص ۴۱۵) ۔

۴ــ اسی کی بنا پر ہمارے یہاں کے مقبول القاب میں جم جاہ ہے ۔ دیکھئے نقد غالب ص ۳۵۳ ۔

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے (دیوان غالب ص ۲۵۰)

وہ داد و دید گرانمایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے (" ص ۳۱۲)

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر زرا سا گویا مجکو جہاں نما ہو (کلیات اقبال صؔ ۴۷)

ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم (" ۵۱)

اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو توکیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو (" ۶۷)

ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا (" ۶۰)

سنا ہے عالم بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جسکی خاک پا میں بڑھکر ساغر جم سے (" ۹۵)

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے، وارث مسند جم کے ہوئے (" ۱۲۱)

نغمۂ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصۂ خواب آور اسکندر و جم کب تلک (" ۲۱۰)

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں (" ۳۱۸)

روشن ہے جام جمشید اب تک
شاہی نہیں ہے بےشیشہ بازی (" ۳۶۵)

شاہنامۂ فردوسی[۱] کے مطابق جمشید[۲] تہمورث کا بیٹا[۳] اور جانشین تھا، اس نے

۱ــ پروفیسر کریسٹن‌سن نے تواریخ اور شاہنامے کی روایت کے باہمی مقابلے سے "خدائی‌نامہ" کے جو مطالب تیاساً پیش کئے ہیں وہ مجموعی طور پر شاہنامے کے مطالب سے ملتے جلتے ہیں (حماسہ سرائی ص ۴۴۹-۴۵۰)

۲ــ اس کی اوستائی شکل یم خشیتہ (Xshaeta) ہے - جم یم (= جڑواں) کی اور شید خشیتہ کی تبدیل شدہ شکل ہے - ادبیات سنسکرت میں یم کا نام درج ہے- اس کا باپ ویوسونت تھا جو اوستائی ویونگھونت سے بالکل مشابہ ہے اور پہلوی ادبیات میں سنسکرت کی طرح یم کو جڑواں بتایا گیا ہے (حماسہ سرائی ص ۴۲۵)

۳ــ کریسٹن‌سن کے نزدیک بھائی تھا

آلات جنگ تیار کئے ، زرہ بکتر اس کی ایجاد ہے ۔ اس کام میں پہلے پچاس سال صرف ہوئے۔ دوسرے پچاس سالوں میں سوت بنانا اور کپڑا بننا سکھایا ، آدمیوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ۔ کارتوزیان[1] (مذہبی رہنما) ، نیساریان (سپاہی) ، نسودیان (کاشتکار) ، اہنو خوشی (پیشہ‌ور) ۔ تیسرے پچاس سالوں میں پتھر سے لعل نکالا ، خوشبودار اشیاء کا پتا چلایا اور کشتی چلانے کا ہنر لوگوں کو سکھایا ، پھر اس نے ایک ایسا تخت تیار کیا جو اس کی مرضی سے ہوا پر اڑتا ، ماہ فروردین کے شروع ہوتے اس تخت پر بیٹھتا اور لوگ اس روز کو نوروز[2] کہتے ۔ اس طرح جشن نوروز شروع ہوا ۔ جمشید نے اپنے تین سو سالہ حکومت میں دنیا کو برائیوں سے پاک کردیا ۔ لیکن پھر اتنا مغرور ہوگیاکہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگا ، رفتہ رفتہ سارا ملک اس کا دشمن ہو گیا اور ضحاک (دھاک) کو بادشاہ بناکر ایرانی اور عربی لشکر کی مدد سے جمشید کو ملک سے نکال دیا ۔ جمشید سو سال تک چھپا پھرتا رہا ، بالآخر دریائے چین کے کنارے ضحاک نے اسے گرفتار کرکے اس کے جسم کو آرے سے چروا ڈالا اور اس کی دو بہنوں ارنواز اور شہرناز سے شادی کی ۔

اوستا اور پہلوی روائتیں اس سے کافی مختلف ہیں ۔ « گاتھا » میں اس کا ایک بار ذکر (یم) آیا ہے ۔ اس کی رو سے وہ ویونگھونت کا بیٹا اور پہلا گنہگار تھا جس نے آدمیوں میں گوشت خوری کی رسم پھیلائی[3] ۔ جمشید کی بادہ نوشی کی روایت اوستا میں نہیں ہے البتہ ایک پہلوی متن ماہ « فرورتین روچ ی خوردت » میں اس کے دوزخ سے پیمانہ لانے اور لوگوں میں[4] عام کرنے کا ذکر ہے ۔ ممکن ہے جام جم کا ماخذ یہی ہو ۔ فردوسی[5] نے اس کی بادہ نوشی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :

جم اندیشہ از دل فراموش کرد — سہ جام مے از پیش جان نوش کرد
ز دادار بس یاد کردن گرفت — بآھستگی رائے خوردن گرفتن

« نفائس الفنون »[6] میں صاحب بن عباد (م : ۳۸۴ھ) کے حوالے سے نقل ہے کہ جمشید نے انگور کا عرق نچوڑ کر ایک مٹکے میں رکھوادیا ۔ چند روز بعد جب اسے

۱ــ انکی کئی اور شکلیں ہیں ۔ خدائی نامہ میں آثرونان ، ارتشتاران ، واستریوشان ، ہوتوخشان ہے

۲ــ یہ پہلوی روایت کے مطابق ہے ، دیکھئے متن ماہ فرورتین شمارہ ۱۱ــ اردو میں جشن جمشیدی سے یہی مراد ہے ، دیکھئے دیوان ذوق ص ۲۳۹ ، ۲٦٤

۳ــ دیکھئے حماسہ سرائی ص ٤۲٤-٤٥۱

٤ــ متن ماہ فرورتین شمارہ ۱۰

۵ــ شاہنامۂ نادری ۱ : ۷

٦ــ دیکھئے مزدیسنا ص ۲٦۷ ۲٦۸

چکھا تو مزا بالکل بدل گیا تھا - جمشید نے زہر سمجھ کر حکم دیا کہ کوئی اسے نہ پئے - ایک روز ایک کنیز جو کسی بیماری کی وجہ سے زندگی سے عاجز آچکی تھی زہر کے خیال سے اس کو پی کر سوگئی - خواب سے بیدار ہوئی تو بیماری کا اثر زائل ہوچکا تھا - بادشاہ کو خبر ہوئی - اس نے بڑا جشن برپا کیا اور شراب پی کر لذت و سرور حاصل کیا اور اس کا نام شاہ دارو رکھا - منوچہری دامغانی نے ایک قصیدے میں جس کا مطلع درج ذیل ہے، اسی روایت کا ذکر کیا ہے :

چنیں خواندم امروز در دفتری   کہ زندہ است جمشید را دختری

صاحب « نوروز نامہ » نے شراب کی ایجاد کا سہرا جمشید کے ایک عزیز شمیران کے سر باندھا ہے، جب کہ بعض مورخوں نے شراب کو کیقباد سے منسوب کیا ہے[۱] -

ضحاک : شانۂ ضحاک کے مانند اک اک اس کی موج

مارپیچاں بن کے ہووے متحد با خط جام (دیوان ذوق ص ۲۰۶)

فردوسی کی روایت کے مطابق جمشید کے عہد میں مرداس نامی ایک نیک دل آدمی تھا، اس کے ایک بدسرشت بیٹا ضحاک نام کا تھا - جو نہایت دلیر اور جنگجو تھا اور دس ہزار گھوڑے رکھنے کی وجہ سے بیوراسپ[۲] کہلاتا تھا - اس نے اہرمن کے بہکانے پر اپنے باپ مرداس کو قتل کر ڈالا - پھر اہرمن ایک جوان کی شکل میں آیا اور اس کا باورچی مقرر ہوا - ایک روز اس کے کندھے کا بوسہ لیا تو اس پر دو سانپ نمودار ہوگئے جن کی خوراک دو آدمیوں کا مغز قرار پائی - اسی زمانے میں ایرانیوں نے جمشید کے خلاف بغاوت کی تھی، انھوں نے ضحاک کی مدد سے جمشید کو ملک سے نکال دیا - ضحاک ایران کا بادشاہ قرار پایا اور ہزار[۳] سال بادشاہی کی - اس کے دور میں سارے ملک میں ابتری اور برائی پھیل گئی - جب اس کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو ایک روز اس نے خواب میں اپنی سلطنت کی بربادی فریدوں کے ہاتھوں سے دیکھی - اسی درمیان کاوہ نے اس کے خلاف علم[٤] بغاوت بلند کردیا اور فریدوں کو اپنا سردار مقرر کرلیا - فریدوں نے ضحاک کو کوہ دماند میں الٹا لٹکادیا اور وہ اب تک اسی حالت میں ہے -

---

۱ — مزدیسنا ص ۲۶۸ — ۲۷۰

۲ — بیرونی نے بیوراسف کو جمشید کا بھانجا لکھا ہے مجمل التواریخ کی بھی یہی روایت ہے

۳ - بیرونی کا خیال ہے کہ ایرانی دعا کا ہزار سال « بزی » اسی سے پیدا ہوئی (آثار الباقیہ ص ۲۲۳)

٤ — درفش کاویانی یہیں سے شروع ہوا

فردوسی نے چند بار ضحاک کو مطلق اژدها بھی قرار دیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے :

فریدوں چنین پاسخ آورد باز — که گر چرخ دادم دهد از فراز
ببرم پی اژدها را بخاک — بشویم جهان را ز ناپاک پاک
که گر اژدها را کنم زیر خاک — بشویم شما را سر از گرد پاک

یہ روایت «اوستا» سے بہت قریب ہے۔ اوستائی روایتِ اژی‌دهاک پہلوی ادبیات میں بھی پائی جاتی ہے («بندھشن» میں دھاک ہے) یہ دو جزء سے مرکب ہے، اژی بمعنی سانپ، اور دھاک اہریمنی مخلوق ہے۔ «اوستا» اور پہلوی روایت کی رو سے اژی دھاک ایک خطرناک اہرمن ہے جس کے تین منہ، تین سر اور چھ آنکھیں ہیں اور وہ تمام فساد کا سرچشمہ ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ ضحاک کے شانے پر سانپوں کی داستان اسی سے ماخوذ معلوم[1] ہوتی ہے۔ مسلمان مورخوں کی روایت اگرچہ آپس میں کسی قدر مختلف ہے، مگر مجموعی طور پر ان سے فردوسی کی روایت کی[2] تائید ہوتی ہے۔

فریدون[3] : دیوان غالب ص ۱۲۹، دیوان ذوق ص۱۹۸ : ۲۰۶، ۲۳۶، ۲۷۵۔

«شاہنامہ» کی روایت کے مطابق فریدوں جمشید کی نسل سے تھا۔ اس کا باپ آبتین اور ماں فرانک تھی۔ آبتین ضحاک کے حکم سے قتل ہوا اور اس کا مغز سانپوں کی خوراک بنا۔ فریدوں کی ماں جنگل میں بھاگ گئی اور اپنے بیٹے کی پرورش پرمایہ نامی ایک گائے کے دودھ سے کرنے لگی۔ ضحاک کو ان باتوں کا علم ہوا اور وہ ان کے درپے آزار ہوا۔ اس کی ماں اپنے بیٹے کو لے کر ایران سے نکل بھاگی۔ جب فریدوں بڑا ہوا تو اس نے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کیا۔ اسی درمیان کاوہ آہنگر بھی باغی ہوچکا تھا۔ اس نے فریدوں کو بادشاہ منتخب کرا کے ہوخت گنگ کے قلعہ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کرلیا اور جمشید کی دونوں بہنوں ارنواز اور شہرناز کو رہا کیا۔ ضحاک بھاگ کر ہندوستان چلا آیا۔ کچھ دنوں بعد وہ ہوخت گنگ پہنچ گیا۔ فریدوں کو اطلاع ہوئی تو اس کو قید کردیا اور کوہ دماوند میں لٹکا دیا۔

فریدوں نے ملک کو تین حصوں میں تقسیم کرکے اپنے بیٹوں کو دے دیا۔ ایران ایرج کو، روم سلم کو اور توران تور کے سپرد کیا۔ کچھ ہی دنوں میں تور اور سلم

---

۱ — حماسہ سرائی ص۴۵۵، ۴۵۶ ۲ — ایضاً ص۴۶۱
۳ — ہندوستان میں فریدون‌فر، فریدون جاہ جیسے القاب کا عام ہونا اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

نے مل کر ایرج کو قتل کردیا ۔ فریدوں پر اس واقعے کا بہت گہرا اثر ہوا ۔ اس نے منوچہر کی مدد سے ایرج کے خون کا بدلہ تور اور سلم سے لیا ۔ اس طرح اس کے تینوں بیٹے اس کی زندگی ھی میں ختم ھوگئے ۔ فریدوں منوچہر کو تخت سپرد کرکے گوشہ گیر ھوا اور چند ھی روز بعد رحلت کرگیا ۔

فریدوں کا ذکر «اوستا» اور پہلوی روایت میں کثرت سے ھوا ھے ، اس کے نام کی اوستائی شکل ثراتئون اور پہلوی فرے تون ھے ۔ آبان یشت (فقرے ۳۳ ، ۳٤) میں ھے اثوی کا بیٹا ثراتئون پہلوانی خاندان کا ھے ، ملک ورن میں سو گھوڑے ، ایک ھزار گائیں ، دس ھزار بھیڑیں اناھیتا کے لئے قربان کیا اور اژی‌دھاک پر غلبہ پانے اور اس کی دو بیویوں ارنوگ اور سنگھوک کو حاصل کرنے کی درخواست کی ۔ پہلوی متن «ماہ فرورتین» میں[۱] ھے کہ ماہ فروردین میں بروز خرداد فریدوں نے ملک کے تین حصے کرکے اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا اور تینوں کی شادی عربی بادشاہ بوخت خسرو[۲] کی لڑکیوں سے کی ۔ سلم و تور نے ایرج کو قتل کیا ۔ پھر منوچہر نے سلم و تور کو ایرج کے خون کے عوض مار ڈالا ۔

ضحاک پر غلبہ پانے کے سلسلے میں عربی مورخوں کے یہاں مختلف روایات ملتی ھیں ۔ اس کی طرف بہت سے جشن منسوب ھیں، منجملہ ان کے جشن مہرگان جو نوروز کے بعد سب سے بڑا تہوار ھے اور ۲۱ ماہ مہر سے شروع ھوتا ھے ، فریدوں کی فتحیابی کی یاد کے طور پر[۳] منایا گیا ۔ بیرونی نے لکھا[٤] ھے کہ کستی (= زنار) کے باندھنے اور زمزمہ کی رسم اس فتح کے شکرانے کے طور پر شروع ھوئی ۔ درامزینان یا کاکثل کا جشن جو۱۵ دیماہ کی رات کو ھوتا ھے[۵] اس عہد سے منسوب ھے ۔

درفش کاویانی : رھے نام فریدون تا درفش کاویانی سے
رھے دارا کو تا نام آوری تاج کیانی سے (دیوان ذوق ص۲۷۵) ۔
نیز ادبی خطوط غالب ص ۹٦ ۔

---

۱ ۔ شمارہ ۱۲ تا ۱٦

۲ — شاہنامہ میں سرو بادشاہ شاہ یمن ھے

۳ — آثار الباقیہ ص ۲۲۳

٤ — ایضاً

۵ — دیکھئے حماسہ سرائی ص ٤٦۰ ۔ ٤٦۸

سلطنت ایران کے جھنڈے[1] کا نام تھا - اس کی ابتدا ایران کی قدیم اساطیری روایت سے وابستہ ہے - دہاک (ضحاک) کی ظالمانہ حکومت کے ہزار برس گذر جانے پر ایک لوہار کاوک (کاوہ) نے اپنے دھونکنی کے چمڑے کو ایک نیزے کے سر پر باندھا اور اس جھنڈے کے ساتھ اعلان بغاوت کیا اور فریدوں کی سرکردگی میں ضحاک کے ظلم و ستم کا خاتمہ کردیا - اس وقت سے یہ جھنڈا شاہان ایران کا قومی جھنڈا قرار پایا اور اسی کاوہ کے نام پر اس کا نام درفش کاویانی رکھا گیا - اس جھنڈے کا وصف بہت سے عربی و فارسی مصنفین نے بیان کیا ہے جن کے بیانات فردوسی کے اس بیان سے مشابہہ ہیں -

همان طوس با کاویانی درفش   همی رفت باکوس و زرینه کفش
بیاورد و پیش جهانجوے برد   زمین را ببوسید و اورا سپرد
بدو گفت کین کوس و زرینه کفش   خجسته همین کاویانی درفش

ایرج : دیوان غالب ص ۱۹۹ -

فریدون کا بیٹا تھا جو اپنے دو بھائیوں سلم و تور کے ہاتھوں قتل ہوا ، موجودہ « اوستا » میں یہ داستان مفقود ہے ، البتہ « دینکرت » میں « اوستا » کے ایک مفقود حصے کے حوالے سے آیا ہے[2] کہ فریدوں نے اپنا ملک اپنے تین بیٹوں سرم ، تورچ اور ارچ کے درمیان تقسیم کیا تھا ، « بندھشن » فصل ششم میں حسب ذیل روایت ملتی ہے :

« در هزارهٔ سوم فریتون کشور بخش کرد ، سرم و تورچ ارچ را کشتند و فرزندان هوبختکان پراکندند ، اندر همین هزاره منوشچهر زاد و کین ارچ بخواست »

سلم و تور و ایرج کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں « شاہ نامہ » کی دلچسپ[3] روایت یہ ہے :

« جب فریدوں کے تینوں بیٹوں کی شادی سروشاہ کی بیٹیوں سے ہوگئی تو ایک روز فریدوں نے ان کی آزمایش کے لئے اژدہا کی شکل اختیار کی اور سب سے پہلے بڑے بیٹے کے نزدیک آیا - اس نے اژدھے سے لڑنے سے انکار کردیا ، دوسرے بیٹے نے چلہ چڑھایا ، اور لڑنے کی تیاری کی مگر آخر میں ہمت ہار کر بھاگ نکلا ، تیسرے بیٹے

۱ــــ دیکھئے ایران بعہد ساسانیاں ص ۶۷۷ - ۶۸۱
۲ــــ حماسه سرائی ص ۴۶۹
۳ــــ حماسه سرائی ص ۴۷۲ - ۴۷۳

نے تلوار نکالی، اور اپنا نام لیکر اژدھے پر حملہ کیا۔ فریدوں نے جب یہ حال دیکھا تو اپنی اصلی صورت میں آگیا اور ہر ایک کو الگ الگ نام دیا۔ بڑے کو جو اژدھے سے بچ گیا تھا سلم (سلامت)، منجھلے کو جس نے کسی قدر دلیری کا مظاہرہ کیا تھا تور (خوی تند) اور چھوٹے کو جو بڑا حوصلہ مند اور صاحب رائے تھا ایرج نام دیا»۔

تور : دیوان غالب ص ۱۹۹۔

فریدوں کا دوسرا بیٹا تھا، تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

گرشاسپ : داستان امیر حمزہ وغیرہ۔

فردوسی کی روایت کے مطابق نوذر پسر منوچہر کی اولاد میں کوئی بادشاہی کے لائق نہ تھا۔ تو زاب پسر تہماسپ کو جو فریدوں کی اولاد میں سے تھا، ایران کا تخت سپرد کیا گیا۔ وہ پانچ سال کی حکومت کے بعد مرگیا۔ اس کے بعد گرشاسپ تخت نشین ہوا اور اس نے ۹ سال حکومت کی۔ اس کی حکومت کے آخری سال افراسیاب پشنگ کی تجویز پر ایران کی طرف متوجہ ہوا۔ گرشاسپ پر ایران میں پیش‌دادیوں کی حکومت کا خاتمہ[1] ہو جاتا ہے۔ سام کے باپ یعنی رستم کے دادا کا بھی یہی نام تھا، وہ ایک نامی پہلوان تھا جس کا اس بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں۔

تہماسپ : داستان امیر حمزہ وغیرہ۔

تہماسپ زو (زاب) کا باپ تھا۔ اس کی اوستائی شکل توماسپ ہے جس کے معنی صاحب اسپان فربہ ہے۔ پہلوی میں اس کی صورت توہماسپ اور فارسی میں تہماسپ (طہماسب) ہوگئی۔ «بندھشن» کی ایک روایت کی بنا پر وہ نوذر کا بیٹا اور منوچہر کا پوتا تھا۔ مگر بیرونی نے اس کو منوچہر کی ساتویں پشت میں بتایا ہے۔ لیکن «مجمل التواریخ» اور تاریخ طبری میں اسے منوچہر کا بیٹا قرار دیا ہے۔ طبری کی[2] روایت یہ ہے :

«منوچہر را پسری بود، نام او طہماسپ و منوچہر براو خشم گرفتہ بود و خواست کہ بکشدش بدان سبب کہ اورا دختری بود و طہماسپ بزنی کردہ[3] بود. پس سرہنگان طہماسپ را درخواستند، بدیشانش بخشید و گفت کہ از بادشاہی من بیرون شود۔ آن دختر کہ زن او بود بستید و در خانہ باز داشت و منجمان گفتہ بودند کہ اورا ازین زن پسری باشد کہ پادشاہ

۱ — حماسہ سرائی ص ۴۸۲ ۲ — ایضاً ص ۴۸۱

۳ — مگر بندھشن میں ہے کہ اس نے افراسیاب کے منجم نامون کی بیٹی سے عقد کیا تھا (حماسہ سرائی ص ۴۸۰)

شود ، پس اورا پسری آمد زاب و پسرش کودک بود که منوچہر
بمرد » -

کے : دیوان غالب ص ۳۲۰ -

کے اوستائی لفظ کوی سے نکلا ہے جو پہلوی میں کے اور فارسی میں کے ہوگیا ہے - کلمۂ کوی « گا تھا » میں مطلق امیر اور شاہ کے معنوں میں آیا ہے - البتہ « اوستا » کے آخری حصوں میں ایک خاندان کا لقب ہے جن میں پہلا قباد اور آخری گشتاسپ ہے لیکن پہلوی اور عربی روایت میں آخری بادشاہ داراب ہے - « شاہنامہ » میں یہ کلمہ خاص خاندان کے معنوں میں عموماً استعمال ہوا ہے - گویا اس لحاظ سے فردوسی نے پہلوی اور اسلامی روایت کو برتا ہے لیکن حسب ذیل اشعار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیمی روایت بھی اس کے ذہن[1] میں تھی :

تو بشناس کز مرز ایران زمین — یکی مرد بُد نام او آبتین
ز تخم کیاں بود و بیدار بود — خردمند وگرُد و بی آزار بود
تہمتن ہمیدون یکی جام مے — بخورد آفرین کرد بر جان کے

کیقباد[2] : دیوان سودا[3] ص ۵ -

فردوسی کی روایت کی بنا پر جب گرشاسپ مرگیا تو زال نے موبدوں سے لائق بادشاہ کے بارے میں مشورہ کرنا شروع کیا - انھوں نے فریدوں کے خاندان کے ایک شخص قباد کا نام تجویز کیا جو کوہ البرز میں رہتا تھا - پس زال نے رستم کو اس کے پاس بھیجا - قباد نے زال کا پیغام قبول کیا اور رستم کے ہمراہ آیا اور تخت ایران پر متمکن ہوا - کچھ دنوں بعد افراسیاب سے سخت جنگ کی - رستم بھی ساتھ تھا، اس نے بھی بڑی جوانمردی دکھائی - افراسیاب مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور صلح کی بات چیت کرنے لگا - چنانچہ اس بات پر صلح ہوئی کہ جیحون ایران اور توران کے درمیان سرحد ہوگی - قباد پھر فارس کی طرف متوجہ ہوا اور استخر کو اپنا پاے تخت قرار دیا - اس نے بہت سے شہر آباد کئے - دس سال سیاحت میں بسر کئے - پھر فارس واپس آیا - اس طرح سو سال حکومت کی - اس کے چار لڑکے تھے کیکاؤس ، کے آرش ، کے پشین ، کے ارمین -

۱ــــ حماسہ‌سرائی ص ۴۹۳

۲ ــ اوستا میں کوات کوی ، پہلوی میں کوات کے اور عربی فارسی میں کیقباد ہے -

۳ــــ کہ جس کے حشمت و جاہ و جلال کو ہرگز کبھو نہ پہنچتے دارا سے ایکے تابہ قباد ـــ قرائن یہی ہیں کہ قباد سے یہی بادشاہ مراد ہے جو ساسانی قباد (یعنی کواذ متوفی ۵۳۱ء) سے جاہ و حشمت میں بڑھا ہوا تھا -

کیکاؤس[1] : ع ــ یه سکندر ہے نه دارا ، نه کیکاؤس ہے ۔

فردوسی کی روایت کی بنا پر کیقباد کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا ۔ پہلے مازندران ۔پر حمله کیا ، وہاں کے بادشاہ ارژنگ شاہ نے دیوسفید سے مدد طلب کی ۔ دیو نے کاؤس اور اس کے سپاہیوں کو اندھا کر کے قید کر دیا ۔ اس کے ساتھوں میں ایک بچ گیا تھا ۔ اس نے یه خبر زال کو پہنچائی ۔ زال نے رستم کو مازندران بھیجا ۔ رستم نے دیو سپید کو مار کر اس کا جگر ایرانیوں کی آنکھوں پر پھیرا اور اس طرح سب کی بینائی واپس آئی ۔ کیکاؤس رستم کے مشورہ پر مازندران کو ارژنگ کے بیٹوں کو سپرد کر کے ایران واپس آگیا ۔ کچھ دنوں بعد توران ، چین ، مکران ، پر حمله کیا اور ان کے بادشاہوں کو اپنا باجگزار بنایا ۔ پھر بربر پر حملهآور ہوا ۔ شاہ بربر مصر اور ہامآوران کے بادشاہوں کی مدد سے نبردآزما ہوا مگر تینوں ہار گئے اور کیکاؤس کو خراج دینا منظور کرلیا ۔ کیکاؤس نے شاہ ہامآوران کی بیٹی سودابه سے عقد کیا ، مگر شاہ نے کسی تدبیر سے اسکو قید کرلیا ۔ موقع سے فائدہ اٹھاکر افراسیاب ایران پر حمله آور ہوا اور اسکو اپنے قبضه میں کرلیا ۔ بالآخر رستم ہامآوران گیا اور کیکاؤس کو قید سے چھڑایا ۔ وہ مع سودابه ایران آیا اور افراسیاب کو ایران سے باہر نکالا پھر ایک شاہی محل کوہ البرز میں تعمیر کرایا ۔ کچھ ہی دنوں بعد دیووں کے فریب میں آکر آسمان پر[2] چلا گیا پھر چین کے جنگل میں زمین پر اوندھا گرا ، ایرانی پہلوانوں کو اس کی خبر ملی تو وہاں سے اسکو ایران لائے اور وہ نیکی کی طرف متوجه ہوا ۔ اس کے بعد رستم اور سہراب کی جنگ ، سیاؤش کی داستان ، سودابه کا اس پر عاشق ہونا ، اور باپ کا سیاؤش پر غضب کھانا ، بیٹے کا توران بھاگ جانا اور افراسیاب کے ہاتھوں اس کا قتل ہونا ، کیخسرو کی داستان ، اور اس کا ایران کے تخت پر بیٹھنا « شاہنامه » کے موضوعات ہیں ۔ کیکاؤس اس وقت تک جب که کیخسرو نے افراسیاب کو قتل کیا ، زندہ تھا ۔ اسکی حکومت کی مدت ۱٦۰ سال تھی ۔

کیخسرو : دیوان غالب ص ۱۳۷ ، ۱۹۹ ، ادبی خطوط ص ٤٤

« شاہنامۂ » فردوسی میں کیخسرو کی داستان سیاؤس[3] کے قتل کے فوراً بعد شروع

---

۱ ــ اوستائی شکل کوی اوسن یا کوی اوسذن اور پہلوی کی اوس ہے ۔ اوستا میں کیقباد کے پہلے اس کا نام مذکور ہے ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے که رگ وید کا نام اوسنس کاوی (Usana Kavya) یہی ہے (ص ۵۰۹)

۲ ــ دینکرت کتاب نہم فصل ۲۲ میں اس کے آسمان پر جانے کی تفصیل ہے ۔ حماسه سرائی ص ۵۰۰

۳ ــ سیاؤش کی داستان کی تفصیل کے لئے ملاحظه ہو حماسه سرائی ص ۵۱۰ ۵۱۵

ھوجاتی ھے ۔ افراسیاب کی بیٹی فرنگیس سیاوش کی بیوی تھی ، اس کا شوھر جب افراسیاب کے حکم سے قتل ھوگیا تو اس سے ایک لڑکا پیدا ھوا جس کا نام کیخسرو رکھا گیا۔ افراسیاب نے اسکو گڈریے کے پاس پہاڑ پر بھیج دیا تاکہ اسے اپنی نسل کا علم نہو سکے اسطرح کیخسرو کی پہاڑوں میں پرورش ھوئی۔ کچھ دنوں بعد پیران اسکو اپنے پاس لے آیا اور بڑی شفقت سے پرورش کرنے لگا ۔ پھر افراسیاب کے حکم سے وہ اور اسکی ماں فرنگیس دونوں گنگ‌دژ میں بھیج دئیے گئے آخرکار گیو پسر گودرز اپنے باپ کے حکم سے توران گیا اور سات سال کی جستجو کے بعد اُن کا پتا چلایا۔ چنانچہ وہ انہیں ایران لے آیا۔ یہاں پہلوانوں میں کیخسرو یا فریبرز پسر کاؤس کے جانشین نامزد کرانے میں اختلاف رونما ھوا، بالآخر طے پایا کہ جو بہمن‌دژ کو فتح کرے وھی مستحقِ حکومت ھوگا ۔ یہ کام صرف کیخسرو انجام دے سکا اس لئے کہ فرکیانی[1] اس کے شامل حال تھی ۔ پھر کیخسرو کاؤس کے حکم سے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے درپے ھوا ۔ سالوں کی جنگ و خونریزی کے بعد ایک نیک مرد ھوم نامی کے ذریعے قاتل (افرسیاب) کو گرفتار کرکے اسکو مع اس کے بھائی گرسیوز کے قتل کردیا ۔ افراسیاب کے قتل کے بعد کاؤس نے کیخسرو کو تخت نشین کردیا اور خود ١٦٠ سال کی حکومت کے بعد فوت ھوگیا ۔ کیخسرو نے افراسیاب کی بیٹے جہن کو قلعہ سے چھڑاکر توران کا تخت بخشا اور خود چند دنوں بعد تخت سے دستبردار ھوا اور لہراسپ کو اپنا جانشین مقرر کرکے طوس، گودرز اور فریبرز کے ساتھ ایک پہاڑ میں ناپید ھوگیا ۔

« اوستا » میں کیخسرو ایک زبردست پہلوان اور عظیم بادشاہ کی حیثیت سے آیا ھے ، ادبیات پہلوی میں اس کا نام کےخسرو اور کےخسروب کی شکل میں ملتا ھے ۔ وہ زرتشت کے ظہور کے قبل آیین مزدیسنا پر کاربند تھا ۔ اس نے دوبڑے کام انجام دئیے ۔ ایک تو افراسیاب کا قتل، دوسرے بددینوں کے بتکدہ کی ویرانی (جو دریاے چنیچست کے کنارے واقع تھا) اور آتشکدۂ آذر گشسپ کا قیام (جو کوہ استوند پر واقع تھا)۔ اسلامی مورخوں نے کیخسرو کی بابت جو اطلاعات بہم پہنچائی ھیں وہ « شاھنامہ » سے عموماً ملتی ھیں[2] ۔

شبرنگ سیاوش : اردو میں مطلق گھوڑے کے لئے آیا ھے ۔ لیکن « برھان قاطع » (ص ١٢٤٥) میں سیاوش کے گھوڑے کا یہی نام بتایا گیا ھے ۔ ڈاکٹر معین نے لکھا ھے کہ

---

١ ـــ دیکھئے حماسہ سرائی ص ٤٩٣ ـ ٤٩٥

٢ ـــ حماسہ سرائی ص ٥٢٤

صاحب « برهان » کو دھوکا ہوا ہے ۔ در اصل سیاوش کے گھوڑے کا نام بہزاد[1] تھا اور وہ سیاہ رنگ تھا ، یہی صفت (شب رنگ) « شاہ نامہ » میں اس طرح آئی ہے :

بیاورد شبرنگ بہزاد را که دریافتی روز کین باد را

بہر حال اردو ادب میں گھوڑے کا خیال سیاوش ہی کے گھوڑے کے نام سے پیدا ہوا ہے ۔ سودا کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے :

ء ۔ جس جگہ سرگرم کاوے پر ترا شبرنگ ہے
گاہ آجائے نظر گاہ نظر سے غائب

پھرا ہوا بیچ وہ شبرنگ ہے جگنوں کی دمک
ء ۔ کاوے میں یہ رکھے ہے وہ شبرنگ رنگ ڈھنگ

تیرے شبرنگ کے جلوے کے تئیں گر دیکھے
کہے وہ اس کو کنھیا ز رہ حسن و جمال

(کلیات ص ۲۶۰ ، ۲۷۳ ، ۲۷۸ ، ۲۸۰ وغیرہ)

افراسیاب : توران کا بادشاہ تھا جس کا سلسلہ تور پسر فریدوں تک پہنچتا ہے ۔ تور فریدوں کے نواسے منوچہر کے ہاتھوں قتل ہوا ، اسی وقت سے توران اور ایران کی پشتینی دشمنی کا آغاز ہوتا ہے ۔ افراسیاب ایران کا سخت ترین دشمن تھا ، اس نے کئی مرتبہ ایران پر حملہ کرکے تباہ و برباد کیا ۔ دونوں ملکوں میں وقتی طور پر صلح ہوجاتی مگر جلد ہی لڑائی چھڑ جایا کرتی ، یہاں تک کہ سیاوش افراسیاب کے یہاں قید اور پھر اس کے بھائی کے ہاتھ قتل ہوا ۔ اس جوانمرد کے قتل نے سارے ایران میں ایک آگ لگادی ۔ گیو پسر گودرز توران گیا اور سیاوش کے بیٹے کیخسرو کو ایران لے آیا ۔ کاوس نے اس کو اپنا جانشین مقرر کیا ۔ اس کے بعد سے دونوں ملکوں میں سخت ترین لڑائیاں ہوئیں ۔ بالآخر افراسیاب کو شکست ہوئی اور وہ کیخسرو کے ہاتھوں قتل ہوگیا ۔

کے لہراسپ : مقدمۂ دیوان غالب ص ۱۲۱ ۔

فردوسی کی روایت کے مطابق کیخسرو لہراسپ[2] کو اپنا جانشین مقرر کرکے

---

۱ ـــ ڈاکٹر صفا نے اس کا پورا نام شبرنگ بہزاد لکھا ہے ، (حماسہ سرائی ص ۲۳۶، ۲۳۷ ، ۵۱۲) شبرنگ ایک دیو بھی تھا (ایضاً ص ۳۲۳)

۲ ـــ اوستا میں اس کا نام « کوی ویشتاسپ پسر اؤروت اسپ » آیا ہے ۔ اس سے پہلوی اور فارسی میں گشتاسپ پسر لہراسپ ہوگیا ۔

تخت سے دست بردار ہوگیا تھا - ارکان سلطنت کے اعتراض پر اس نے لہراسپ کے نسب[1] کے متعلق بتایا کہ وہ کےؑ پشین اور کیقباد کی اولاد میں ہے اور فرکیانی اس کے شامل حال ہے - اس طرح لوگ اس کی حکومت پر راضی ہوئے اور مہرماہ کے روز[2] مہر کو اس کی تاجپوشی ہوئی - اس نے بلخ میں آذر برزین[3] نام کا آتشکدہ تعمیر کرایا - لہراسپ کے دو بیٹے تھے ، پہلا زریر دوسرا گشتاسپ - دربار میں کاؤس کے پوتوں میں سے دو موجود تھے - ان کی وجہ سے لہراسپ اپنے بیٹوں کی طرف سے بےپروا تھا - گشتاسپ اس بات سے ناراض ہوکر پہلے ہندوستان اور پھر روم چلا گیا - اور قیصر روم کی بیٹی کتایون سے شادی کی - بالآخر باپ کی خدمت میں ایران واپس آیا تو لہراسپ اس کو تخت نشین کر کے حکومت سے دستکش ہوگیا اور نوبہار بلخ میں چلاگیا اور خدا کی پرستش میں مصروف ہوا - اس کے زمانے میں جب زرتشت نے نئے مذہب کا اعلان کیا تو اس نے یہ مذہب قبول کرلیا - آخرکار ارجاسپ[4] تورانی کے ہاتھوں قتل ہوا - لہراسپ نے ۱۲۰ سال حکومت کی - اس کے بیٹے گشتاسپ کے زمانے میں زرتشی مذہب کو بڑا فروغ ہوا - اس نے یہ مذہب قبول کرلیا تو ارجاسپ تورانی نے دوبارہ حملہ کیا لیکن گشتاسپ کے بیٹے اسفندیار کے ہاتھوں ارجاسپ قتل ہوگیا - اسفندیار کو تخت ایران کی بڑی آرزو تھی - مگر گشتاسپ تخت سے دستکش نہیں ہونا چاہتا تھا - اس بنا پر اس نے اسفندیار کو رستم سے لڑنے سیستان بھیج دیا اور وہ رستم کے ہاتھوں قتل ہوگیا - رستم نے اسفندیار کے بیٹے بہمن کی پرورش کی - گشتاسپ بالآخر بہمن کو سلطنت دیکر فوت ہوگیا - گشتاسپ پر کیانی خاندان کا خاتمہ ہوجاتا ہے -

بہمن : دیوان غالب ص ۱۹۹ -

« شاہنامہ » کی روایت کے مطابق سیستان کی جنگ میں اسفندیار کے دو لڑکے مہرنوش اور نوش‌آذر قتل ہوئے اور صرف بہمن بچ گیا - رستم نے اسفندیار کی خواہش کے مطابق اس کی ہر طرح سے تربیت کی - کچھ دنوں بعد گشتاسپ نے اسے تخت نشین

---

۱ ــــ شاہنامہ میں اس کو اروند کا بیٹا ، اور کےپشین کا پوتا قرار دیا ہے ، ایکن پہلوی روایت میں کے پشین کے بیٹے منوش کا پوتا اور اُز کا بیٹا بتایا گیاہے - طبری اور بیرونی کی روایت پہلوی روایت کے مطابق ہے (حماسہ سرائی ص۵۲۶ -)

۲ ــــ ایران بعہد ساسانیان ۲۲۷ - اسی دن مشہور تیوہار مہرگان منایا جاتا ہے -

۳ ــــ اس اہم آتشکدہ کی تفصیل مزد یسنا ص ۲۱۵ - ۲۱۸ میں بیان ہوئی ہے

٤ ــــ افراسیاب کے بعد ایران کا سب سے بڑا دشمن ، دیکھئے حماسہ سرائی ص ٦۲٦ - ٦۲۷

کیا اور اردشیر کا لقب دیا - بہمن سب سے پہلے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے سیستان گیا اور زال پدر رستم کو قید کردیا - پھر فرامرز نے اس کا مقابلہ کیا لیکن اس کو بھی شکست فاش ہوئی اور اس کے بہت سے ہمراہی موت کے گھاٹ اتار دئے گئے اور وہ خود گرفتار اور پھر قتل ہوا - گشتاسپ کا بیٹا پشوتن بہمن کا وزیر تھا، اس کی تجویز پر بہمن نے زال کو معاف کردیا اور پھر ایران واپس آیا - بہمن کے ساسان نام کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہما ملقب بہ چہرزاد تھی - بہمن نے اسی لڑکی کو اپنا جانشین نامزد کیا[1] - اس کی سلطنت ۹۹ سال رہی -

بہمن کا نام «اوستا» میں نہیں آیا - لیکن پہلوی متون میں وہومن سپند داتان یعنی وھومن پسر سپند دات کئی بار ذکر ہے - «دینکرت» میں اس کو ان بادشاہوں میں شامل کیا ہے جو زرتشت کے بعد وجود میں آئے اور دین مزدیسنا کے پیرو رہے - بعض اسلامی تاریخوں میں اس کو اردشیر اول بادشاہ ہخامنشی اور بعض میں اردشیر دوم سمجھا[2] گیا ہے -

داراب : دیوان غالب ص ۱۹۹ -

«شاهنامه» کی روایت کے مطابق بہمن نے اپنی بہن ہمائے (چہرزاد) سے شادی کرلی تھی اور اس کو اپنا جانشین مقرر کیا - اسی سے ایک بیٹا پیدا ہوا جو داراب کہلایا - کہتے ہیں یہ بیٹا باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا اس لئے اس کی ماں نے پیدا ہونے پر اس کو ایک صندوق میں رکھکر دریا میں ڈال دیا چنانچہ ایک دھوبی نے اس کو نکالا اور اس طرح داراب اس کا نام ہوا - پہلوی ماخذ میں اس کا نام دارا یا دارائے ذکر ہوا ہے اور فردوسی نے تخت پر بیٹھنے کے بعد اس کو دارا کے نام سے یاد کیا ہے، کہتا ہے :

چو دارا بتخت کیی بر نشست کمر بر میان بست و بکشاد دست

داراب نے ۱۲ سال حکومت کی - اس کے دو بیٹے تھے، ایک دارا جو اس کے بعد ایران کا بادشاہ مقرر ہوا اور دوسرے اسکندر جو بادشاہ روم فیلقوس کی لڑکی سے پیدا ہوا اور اپنی ماں کے رشتے سے یونان کا بادشاہ منتخب ہوا - بعض مورخوں نے[3] سکندر کی شاهنامه والی روایت نقل کی ہے -

---

۱ــ حماسه سرائی ص ۵۳۸
۲ــ ایضاً ص ۵۳۹
۳ ــ ایضاً ص ۵۴۵

دارا : پہلے دارا[1] کا نکل آیا تھا نام
اس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا (دیوان غالب ۱۳۹)
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
پہلے خوددار تو مانند سکندر ہوئے
پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر (کلیات اقبال ص ۲۲۲)

تمام مورخوں کے بیان کے مطابق دارا ایران کا آخری (کیانی) بادشاہ ہے جو اپنے باپ داراب کے بعد ایران کا بادشاہ ہوا۔ اس نے شہر زرنوش آباد کیا، لیکن سکندر کی بغاوت اور اس کی تین جنگوں کے بعد کرمان بھاگ گیا اور سکندر سے صلح کی درخواست کی لیکن جب صلح کی صورت نہ نکلی تو اس نے بادشاہ ہند سے مدد طلب کی۔ سکندر نے اس کو مہلت نہ دی اور اس پر برابر لشکر کشی کرتا رہا۔ بالآخر دارا کے دو بدعہد وزیر ماہیار و جانوسیار نے انعام و جاہ کے لالچ میں اسے قتل کردیا۔ اس طرح ایران کا ملک اسکندر کے قبضے میں آگیا۔ اس روایت کو مورخوں کے بیان سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دارا داریوش سوم ہے جس کے زمانے میں سکندر نے حملہ کیا تھا اور جو اپنے دو مقربین کے ہاتھوں قتل ہوا[2]۔

اسکندر : اُردو ادب کی مقبول ترین تلمیح ہے جو جاہ و جلال کے مجسمے موجد آئینہ، معمار سد سکندری، آب حیواں کے تلا کی حیثیت سے بکثرت مستعمل ہے۔ مشکل سے کوئی دیوان ایسا ملے گا جس میں اسکندر کا ذکر نہ ہوا ہو۔ پہلے دیوان غالب سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

نقش پائے خضر ہے عناں گیر، اے اسد حیرت انداز رہبر ہے عناں گیر یاں سد سکندر ہوگیا (۳۰)
گر کرے یوں امر نہی بوتراب آئینے میں نگاہ گلرخاں بہر سد اسکندر بنے (۴۰)
ڈبوتا چشمۂ حیواں میں گر کشتی سکندر کی اسد جز آب بخشیدن ز دریا خضر کو کیا تھا (۷۷)
یہ گمرہی سکندر ہے محو حیرانی لب نگار میں آئینہ دیکھ آب حیات (۹۶)
گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر (۱۲۷)
گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہے تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا (۱۲۸)

۱۔ دیکھئے دیوان ذوق ص ۱۹۸، ۲۴۵، ۲۶۶، ۲۷۵ وغیرہ
۲ حماسہ سرائی ص ۵۴۵

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ　　اب مآل سعی اسکندر کھلا　(۱۴۰)
کیا کیا خضر نے سکندر سے　　اب کسے رہنما کرے کوئی　(۲۴۲)

غالب نے ایرانی یا یونانی سکندر کے جاہ و جلال کا ذکر نہ کرکے اپنے سکندر کو خضر کا پیرو اور موجد آئینہ اور معمار سدسکندر کی حیثیت سے پیش کیا ہے ۔

کلیات اقبال :

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہوجا　(۱۰۸)

کرم اے شہ عرب و عجم　کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری　(۲۰۱)

پہلے خود دار تو مانند سکندر ہوجائے
پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر　(۲۲۲)

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہے وہ قیصری کیا ہے　(۳۴۷)

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی　(۴۲۲)

کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بانداز محرمانہ
سکندری ہو قلندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ　(۴۶۲)

اقبال کے یہاں سکندر جاہ و جلال کا مجسمہ ہے اور آئینہ سازی بھی اس کی عظمت کی افزایش کا سبب ہے۔ اس نے ایرانی یا یونانی سکندر کو خیالی سکندر سے ملا دیا ہے ۔

اب ذیل میں سکندر کے متعلق ایرانی روایات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے :

قدیم ایرانی و اسلامی روایات میں سکندر کے بارے میں دو قسم کی باتیں ملتی ہیں :

پہلوی متون میں اس بادشاہ کو اکثر گجستک (ملعون) اور اس کا مقام اروم (یونان) بتایا گیا ہے بندھشن کی فصل ۳۳[1] میں ہے :

« دارای دارایان کی حکومت کے دور میں الکسندر کیسر اروم سے ایرانشہر پر حملہ آور ہوا اور دارا کو قتل کر دیا اور تمام خاندان شاہی، مغ اور

[1] حماسہ سرائی　ص ۲۴۶

امرا اور بزرگوں کو منتشر کر ڈالا ۔ مقدس آگ کو بجھا دیا اور دین مزدیسنا کو ذلیل و خوار کیا ۔ اور زند کو اروم بھیج دیا اور «اوستا» کو نذر آتش کردیا اور ایران کو نوے حصوں میں تقسیم کیا ۔ اسی زمانے میں ارتخشتر پاپکان (اردشیر بابکان)ظاہر ہوا ۔ اس نے یونانیوں کو قتل کرکے ایرانی بادشاہی کو دوبارہ زندہ کیا» ۔

اسی طرح تمام ساسانی کتابوں میں اسکندر ملعون قرار دیا گیا ہے اور غالباً انہیں سے متاثر ہوکر اسلامی مورخوں نے اسے ویران‌کار کے لقب سے یاد کیا ہے ۔ باوجود اس کے «شاھنامه» میں ایک طرف تو اس کا نسب کیانی اور اسے ایسا شریف ، شجاع اور دانشور بتایا گیا ہے جس نے بڑی شاندار فتوحات حاصل کیں ۔ دوسری طرف ایک بار اردشیر کی داستان میں اور دوسری بار خسرو پرویز کے قیصر روم کے جواب نامے میں اسے برے الفاظ میں یاد کیا گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی کے سامنے دونوں روائتیں تھیں ، دووسری روایت کا ماخذ تو سبھی کتابیں ھیں لیکن پہلی روایت میں ایرانیوں کے قومی تعصب کو دخل ہے ۔ سکندر نے جب ایران پر قبضہ کرلیا تو اسے بھی اپنے ملکی بادشاہوں میں شامل کرکے اس کو داراب کا بیٹا گردان دیا[1] ۔

ایرانی ، تورانی ، ساسانی : (کلیات اقبال ۱۳۴ ، ۲۱۵ ، ۲۱۸)

ایران: پہلوی میں ایرانشتر تھا ، شتر (شہر) بمعنی مملکت ہے ۔ رفتہ رفتہ اس کا دوسرا جزء حذف ہوگیا ،

توران : دریاے آمو سے اس پار کا علاقہ فریدوں نے اپنے بیٹے تور کو دیا تھا ، اسی بنا پر یہ توران کے نام سے موسوم ہوا ۔ تورانی اسی علاقہ کے رہنے والے کو کہتے ہیں ۔

ساسان : اردشیر پسر بابک کا دادا تھا ، وہ ایک اعلی گھرانے سے تعلق رکھتا ۔ اس کی شادی بازرنگی خاندان میں ہوئی تھی ۔ وہ استخر میں اناھیذ (اناھیتا) کے معبد کا رئیس تھا ۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا بابک اس معبد کا رئیس منتخب ہوا تھا ۔ ساسانی خاندان اسی کی طرف منسوب ہے ، اس خاندان کا بانی اردشیر ہے ۔

اردشیر :

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری (بال جبریل ۱۶۰)

۱ ـ حماسه سرائي ص ۵۴۷

اقبال نے اردشیری کلمہ کو شاھنشاھی کا مترادف قرار دیا ھے اور اس طرح دوسرے ساسانی بادشاہ پرویز کو بھی وہ شاھنشاھیت کا نمونہ قرار دیتے ھیں۔ اردشیر ساسانی خاندان کا بانی تھا۔ اس کا دادا ساسان استخر میں اناھیذ کے معبد کا رئیس تھا۔ اس کی وفات پر اردشیر کا باپ بابک اسی عہدے پر مامور ھوا۔ اس کے کئی بیٹے تھے جن میں شاپور اور ارتخشتر (اردشیر) قابل ذکر ھیں۔ اردشیر بہت حوصلہ مند تھا اور باپ ھی کی زندگی میں مقامی بادشاھوں سے نبرد آزما رہ چکا تھا۔ مگر بابک کی وفات پر شاپور اس کا جانشین ھوا۔ اردشیر اپنے بھائی سے جنگ کرنے والا ھی تھا کہ دفعتاً شاپور کا انتقال ھوگیا۔ اردشیر نے کرمان اور خلیج فارس کے علاقے کو بھی جلد فتح کرلیا۔ اس کی بڑھتی ھوئی طاقت سے خائف ھوکر اشکانی بادشاہ نے اس پر حملہ کردیا۔ مگر ۲۲۴ع میں شاہ کو شکست ھوئی اور اردشیر کا طیسفون پر قبضہ ھوگیا۔ پھر وہ شہنشاہ ایران کا لقب اختیار کرکے دوسری فتوحات کی طرف متوجہ ھوا۔ اس نے آذربائی‌جان اور آرمینیہ فتح کیا، پھر سیستان، ابہر شہر (خراسان) مرگیانا (مرد)، خوارزم اور باختر کو زیرکرکے ایک عظیم الشان سلطنت کو قائم کیا۔ اس طرح ھنخامنشی سلطنت کے ساڑھے پانچسو سال بعد دوبارہ اھل فارس نے تمام ایران کے اوگوں پر اپنا تسلط قائم کیا اور ایک نئی مشرقی سلطنت وجود میں آئی جو سلطنت روما کے دوش بدوش چلتی رھی۔ اور ایک ایسا تمدن سامنے آیا جو اشکانی تمدن کا تسلسل نہیں بلکہ اس کا تکملہ تھا۔

اردشیر کا انتقال ۲۴۱ع میں ھوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شاپور اول تخت نشین ھوا، مرور زمان سے اردشیر کے گرد افسانے کا ایک ھالہ پیدا ھوگیا۔ اور داستان «کارنامک ارتخشتر پاپکان» میں جو اردشیر سے متعلق ھے، افسانۂ شاہ کروش بزرگ کے متعدد خط و خال پائے جاتے ھیں۔

بہرام[1] : دیوان غالب ص ۱۳۷

ساسانی بادشاھوں میں بہرام نام کا سب سے مشہور اور شاندار بادشاہ بہرام گور ھے۔ وہ یزدگرد اول (م ۴۲۱ء) کا بیٹا اور جانشین اور نہایت ھردلعزیز بادشاہ تھا اقوام شمالی اور دولت بازنتینی کے خلاف لڑائیوں میں بہادری کے جو جوھر اس نے دکھائے اس کے بہت سے قصے مشہور ھیں۔ اسی طرح اس کے شکار کے کارنامے اور

۱ـــ اوستا ورثراغنہ، پہلوی ورھرام، ایک بڑے درجے کا ایزد جواردی‌بہشت سے متعلق تھا، دیکھئے مزدیسناص ۲۵ اور برھان قاطع ۱ : ۳۲۴ حاشیہ ۔ یہ نام ساسانی دور میں مقبول تھا ھندوستانی مسلمانوں میں بھی خال‌خال پایا جاتا ھے ۔

عشق کی داستانیں بھی زبان زد خاص و عام ھیں - ان کار ناموں اور داستانوں کو نہ صرف ادبیات فارسی میں زندہ جاوید بنایا گیا ھے بلکہ صدیوں تک مصوروں نے ان مضامین کو اپنی تصویروں میں دکھایا ھے - علاوہ بریں قالینوں اور پردوں میں بھی یہ تصویریں منقش کی گئی ھیں - وہ عربی میں شعر کہتا اور کئی زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا - موسیقی کا بیحد دلدادہ تھا - ایک افسانے کی رو سے اس نے ھندوستان کے گویوں کو ایران بلوایا تھا - اس نے ۴۳۸ یا ۴۳۹ء میں وفات پائی - فردوسی نے طبعی موت لکھی ھے لیکن اکثر عربی مورخوں نے گورخر کے پیچھے گھوڑا دوڑانے اور کوئیں میں گرنے کو موت کا سبب قرار دیا ھے - عمر خیام کہتا ھے :

بہرام کہ گور می گرفتی دایم دیدی کہ چگونہ گور بہرام گرفت

نوشیروان :

محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری

محبت آستان قیصرو کسری[1] سے بے پروا (کلیات اقبال ص ۳۲۹)

بیشہ میں معدلت کے وہ شیر ھے تو شاھا

نوشیرواں کو جس سے ھرگز نہ ھمسری ھو (ذوق[2] ص ۲۰۲)

کبھی آوارۂ بے خانماں عشق

کبھی شاہ شہاں نوشیرواں عشق (اقبال ۳۱۷)

اگرچہ اقبال کی اس تلمیح میں نوشیرواں کا ذکر ایک شہنشاہ کی حیثیت سے ھوا ھے لیکن مشرقی روایات میں وہ ایسا بادشاہ مانا گیا ھے جو عدل و انصاف کا نمونہ تھا، عربی اور فارسی مصنفین نے بے شمار حکایتیں بیان کی ھیں جو بادشاہ کی دادگستری کی مثالیں پیش کرتی ھیں - نظام الملک نے نمونہ کے طور پر ایک بڑی حکایت لکھی ھے - دوسری حکایت مسعودی نے بیان کی ھے جسے بعد کے مصنفین نے دھرایا ھے - بعض اور روایات بھی ھیں جو اکثر افسانہ آمیز ھیں تاھم ان سے اس بات کی حقیقت کھلتی ھے کہ خسرو کی انصاف پسندی کی روایت بہت پرانی ھے -

خسرو اول کواذ (قباد) کا تیسرا بیٹا تھا، ۵۳۱ میں تخت نشین ھوا اور ۵۷۹ میں وفات پائی - وہ تاریخ میں انوشرواں (انوشک رواں - صاحب روح جاوید) کے نام سے مذکور ھے - اس کی آمد سے ساسانیوں کی تاریخ میں درخشاں ترین عہد کا آغاز ھوتا ھے - مزدکیوں

---

۱ نوشیرواں کا نام خسرو تھا، اس کا معرب کسروی (یعنی کسری ھے)

۲ مزید دیکھئے ص ۲۳۶، ۲۶۶

کی خطرناک بدعت کا خاتمہ اور ملک کے اندر امن و امان کا دور دورہ ہوا ۔ پروفیسر کرسٹن‌سن نے «ایران بعہد ساسانیاں» کا آٹھواں باب[1] اسی بادشاہ کے کارناموں پر وقف کیا ہے جس کے مطالب یہ ہیں ۔

شاہی اقتدار کا استحکام، معاشرتی نظام کا ازسرنو قیام، اصلاح مالیات، فوجی اصلاح، روم کے ساتھ جنگ، ہپتالی اور ترک، یمن کی فتح، خسرو کی شخصیت، انوشگ‌زاد کی سرکوبی، پائے تخت اور محلات شاہی اور نظام حکومت کی تفصیل، آداب دربار، امتیازات و خطابات و سیاست، ادبی اور فلسفیانہ تمدن کا شاندار عہد، تعلیم و تربیت و علوم، طب اور برزویہ حکیم، مذہب پر فلسفہ کا رنگ، ہندوستان کا ادبی اثر، زرتشتیت کا انحطاط وغیرہ ۔

خسرو اول انوشروان کے عہد میں ایک طرف یونانیت کا احیا ہوا تو دوسری طرف ایرانیوں کی ذہنی زندگی پر ہندوستان کے تمدن کا بھی اثر پڑا ۔ پہلوی کی ایک چھوٹی کتاب «مادیگان چترنگ» میں ایک روایت سے ظاہر ہے کہ شطرنج کا کھیل ہندوستان سے ایران اسی زمانے میں آیا ۔ متعدد ہندوستانی کتابیں پہلوی میں ترجمہ ہوئیں ۔ ان میں ایک بُدھی افسانہ «بلوہر و بوذاسف» ہے جس کی اصل تو ضائع ہوگئی لیکن عربی ترجمہ موجود ہے ۔ اس کے سریانی ترجمے سے یونانی افسانہ موسوم بہ «برلام ویؤاسف» ماخوذ ہے ۔ اس سے بھی زیادہ مشہور کتاب، «کلیلک و دمنگ» ہے جو سنسکرت پنچ تنتر کا ترجمہ ہے ۔ اس کا مترجم برزویہ طبیب تھا ۔ مختصر یہ کہ انوشروان کا عہد ساسانیوں کی تاریخ میں ایک نہایت درخشاں زمانہ ہے ۔ ایران کو اس عہد میں وہ عظمت حاصل ہوئی جو شاپور اول و دوم کے دور میں بھی اسے نصیب نہ ہوئی تھی ۔ ادب و تہذیب کی ترقی نے اس عہد کو چار چاند لگا دئے ۔

خسرو پرویز : یہ اردو ادب کا دلچسپ موضوع ہے ۔ اس کی شہنشاہیت، اس کی دولت، اس کا عیش، اس کے جھوٹے عشق وغیرہ بیانات سے اردو کا دامن مالا مال ہے ۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

سنجیدنی ہے ایک طرف رنج کوہکن
خواب گران خسرو پرویز یک طرف (دیوان غالب ص ٤۹)

۱ــ ص ٤٨٤ بعد

تکلف بر طرف، فرہاد اور اتنی سبکدستی
خیال آساں تھالیکن خواب خسرو نے گرانی کی (کلیات غالب ص ۷۷)

ہو سکے کیا خاک دست و بازوے فرہاد سے
بیستوں خواب گران خسرو پرویز ہے (ص ۸۵)

عشق و مزدوری عشرتکدہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکونامی فرہاد نہیں (ص ۱۸۶)

اقبال نے پرویز کی تلمیح کو نئے نئے رنگ سے ہم آشنا کیا ہے۔

اس مرد خود آگاہ و خدا دوست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز (ص ۲۵٤)

وہ ضرب اگر کوہ شکن ہو بھی تو کیا ہے
جس سے متزلزل نہوئی دولت پرویز (ص ۲۸۵)

فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکیت پرویز (ص ۲۹٤)

فقیر راہ کو بخشے گئے اسرار سلطانی
بہا میری نوا کی دولت پرویز ہے ساقی (ص ۳۱٦)

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرویز (ص ۳۲۱)

گو فقر بھی رکھتا ہے انداز ملوکانہ
ناپختہ ہی پرویزی بے سلطنت پرویز (ص ۳۳۰)

تیشے کی کوئی گردش تقدیر کو دیکھے
سیراب ہے پرویز جگرتشنہ ہے فرہاد (ص ٤٥۱)

تھا یہ اللہ کا فرمان کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو، کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات (ص ٤٦۳)

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی (ص ۳٤۱)

خسرو پرویز (پہلوی ابھرویز) ساسانی خاندان کا جلیل القدر بادشاہ تھا، وہ ہرمزد کا بیٹا اور نوشیرواں کا پوتا تھا۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا مگر

چند ہی دنوں میں بہرام چوبین نے اسے نکال دیا ۔ خسرو قیصر روم کے پاس چلا گیا اور اسکی مدد سے بہرام کو زیر کیا ۔ اس نے ۶۱۲ میں روم پر حملہ کیا اور رہا ، انطاکیہ، دمشق اور اورشیلم کو فتح کرلیا ۔ پھر اسکندریہ اور مصر کے بعض حصوں کو زیر کیا ۔ ۶۱۵ع کے، قریب خسرو کی طاقت بام عروج پر تھی ۔ ۶۲۳ع میں قیصر روم ہرقل نے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کیا اور گنزگ کو فتح کرکے آتشکدۂ آذرگشنسپ کو برباد کر ڈالا ۔ ۶۲۸ میں دستگرد کے شاہی قصر پر قبضہ کرکے طیسفون پر حملہ کی تیاری کرنے لگا ۔ خسرو پایۂ تخت چھوڑکر کسی محفوظ جگہ چلا گیا لیکن تھوڑی ہی مدت بعد ایک بغاوت میں مار ڈالا گیا ۔

خسرو نے اپنی سلطنت کو کچھ عرصے تک ایسی شان و شوکت سے بہرہ‌ور رکھا جو اسے ساسانیوں کی تاریخ میں اب تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ طبری کی ایک روایت ہے کہ بہادری، دور اندیشی اور جنگی فتوحات میں ایرانی بادشاہوں میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کی طاقت، اس کی فتوحات، اس کی دولت و ثروت اور اس کے خزانے میں وہ عظمت و شان تھی جو کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے اس کو ابہرویز (مظفر) کہتے تھے ۔

شیریں : اردو اور فارسی شعر کی مقبول ترین تلمیح ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں : غالب ۔

مرگ شیریں ہوگئی تھی کوھکن کی فکر میں
تھا حریر سنگ سے قطع کفن کی فکر میں (۶۲)

کوھکن گرسنہ مزدور طربگاہ رقیب
بیستوں آئینۂ خواب گران شیریں (۱۳۴)

کوھکن نقاش یک تمثال شیریں تھا اسد
سنگ سے سرمار کر ھووے نہ پیدا آشنا (۱۴۹)

ھمسخن تیشے نے فرھاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کاکہ کسی میں ھوکمال اچھا ھے (۲۳۹)

خسرو پرویز[1] جنس لطیف کا دلدادہ تھا ، اس کے حرم میں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس کی چہیتی بیوی شیریں تھی جس کو ثعالبی نے گلزار حسن اور رشک ماہ لکھا ہے ۔ وہ عیسائی تھی اس لئے بہت سے مشرقی اور مغربی مورخوں نے اس

۱ ــ ایران بعہد ساسانیان ص ۶۴۰ ۔ ۶۴۱

کو رومی بتلایا ہے لیکن اس کا نام شیریں ایرانی ہے اور بقول مورخ سیبؤس وہ خوزستان کی رہنے والی تھی ۔ خسرو نے اپنے عہد کے آغاز میں اس سے شادی کی تھی اور وہ آخر تک بادشاہ کے مزاج پر حاوی رہی حالانکہ وہ بازنتینی شاہزادی ماریہ سے کمتر تھی۔

خسرو اور شیریں کے عشق کے افسانے بہت جلد وجود میں آگئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت ساسانی کے خاتمے سے پہلے ہی اس مضمون پر کئی ایک داستانیں مقبول عام ہوچکی تھیں جن کے متفرق اجزا « خوذای نامک » کے عربی و فارسی ترجموں میں داخل ہوگئے۔ مثلاً ثعالبی اور فردوسی نے شیریں کے ان حیلوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے ایک بیوفا عاشق کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کئے اور پھر خسرو کے ساتھ اس کی شادی کی تفصیل لکھی ہے ۔ آگے چل کر انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کس طرح خسرو نے اپنی انوکھی تدبیروں سے امرا کو خاموش کیا جو اس حسین عورت کے ساتھ اس کی شادی پر برہم ہو رہے تھے ۔ فرہاد اسی شیریں کا عاشق تھا ۔

شبدیز[۱] : خسرو پرویز کا مشہور گھوڑا تھا ۔ یہ خسرو کو اس قدر عزیز تھا کہ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ جو شخص اس کے مرنے کی خبر مجھکو دے گا میں اس کو مروا دوں گا ۔ جب گھوڑا مرگیا تو داروغۂ اصطبل خوفزدہ ہوا اور اس نے بادشاہ کے گوئیے باربد کی طرف رجوع کیا ۔ اس نے بادشاہ کے سامنے ایسا گیت گایا جس میں کنایۃً گھوڑے کے المناک واقعہ کی خبر دی ۔ خسرو چلاّ اٹھا کہ اے بدبخت شاید شبدیز مرگیا ہے ۔ گوّیا فوراً بول اٹھا بادشاہ خود ہی فرماتے ہیں ۔ بادشاہ کہنے لگا بہت خوب ! تو نے اپنے آپ کو بھی بچالیا اور دوسرے شخص کو بھی ۔ اس قصے کو جو الہمدانی اور ثعالبی کے یہاں بیان ہوا ہے اس سے پہلے عربی شاعر خالدالفیاض اپنے اشعار میں نظم کرچکا تھا[۲] ۔ « برہان قاطع »[۳] میں ہے کہ جب شبدیز مرگیا تو خسرو نے کفن دفن کیا اور اور اس کی تصویر ایک پتھر پر کندہ کرائی اور جب اس تصویر کو دیکھتا تو روتا ۔ اردو شاعری میں اس کا ذکر آیا ہے ۔ سودا کہتے ہیں :

شبدیز ہے ، اندیشۂ گلگوں ہے تری طبع
شکر ہے مضامیں ترے ، شیریں تری تقریر (۱ : ۳۷۲)

---

۱ ـــ شب دیر ـ شب دیس ـ شب رنگ، دیز رنگ سیاہ کو کہتے ہیں ـ (برہان ۹۱۲، ۱۲۴۴)
۲ ـــ ایران بعہد ساسانیان ص ۶۲۱ ــ ۶۲۲
۳ ـــ ص ۱۲۴۴

ذوق کا شعر :   ہوا شبدیز فلک‌سیر پر دولھا جو سوار
روز نے صدقه کیا اشہب و شب نے ادھم   (دیوان ص ۳۲۰)

گلگوں : شیریں کے گھوڑے کا نام تھا ـ « برہان قاطع » کی[1] روایت یہ ھے :

« گلگون و شبدیز دو اسب بودند زادۂ مادیان دشت ابکله و آن مادیان راجفت نبود ـ در آن دشت اسبی بود از سنگ ساخته و ہرگاہ آن مادیان را ذوقی بہم میرسید خود بآن اسب سنگی میکشید بقدرت خدا آن مادیان بار میگرفت » ـ

یہ روایت نظامی گنجوی کی مثنوی «خسرو و شیرین»[2] سے مستفاد ھے :

که زیر دامن این دیر غاری است   درو سنگی سیه گوئی سواری ست
ز دشت رم کله در ہر قرانی   بگشن آید تکاور مادیانی . . .
بفرمان خدا زو گشن گیرد   خدا گفتی شگفتی در پذیرد
ہر آن کره کزان تخمش بود بار   ز دوران تک برد وز باد رفتار
چنین گوید همیدون مرد فرہنگ   که شبدیز آمدست از نسل آن سنگ

اردو ادبیات میں یہ تلمیح کثرت سے آئی ھے ـ مثلاً

شرار سنگ سے پادرحنا گلگون شیریں ھے
ہنوز اے تیشۂ فرہاد عرض آتشیں پائی   (دیوان غالب ص ۹۲)

ھے چلاوے میں یہ اس گلگوں کے دم‌داری کا لطف
جوں پون بہنے سے لہراتا ہو سرو بوستاں   (کلیات سودا ص ۲۴۱)

شمشیر تو یہ کچھ ھے کہ جسکو کیا میں عرض
گلگوں ترا سو ھے یہ جمال پری وشاں   (ص ۲۴۴)

روبرو سے اگر آئینه کے اس گلگوں کو
پھینک دے چڑھ کے جو تو شرق سے لے غرب تلک
اتنے عرصے میں پھر آوے کہ اسے باور کر
عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاوے منفک   (ص ۲۷۳)

جہاں کے باغ میں نقاش ترے گلگوں کے
جو چاہیں شکل بنادیں تو کیا کریں تدبیر ـ   (ص ۲۷۵)

---

۱ ـــ ص ۱۸۳۰   ۲ ـــ ص ۵۷ ـ حاشیہ برہان ص ۱۸۳۰

ترکش لگا کے دینے کو تصحیحۂ بہار
گلگوں پہ اپنے ترک ہزارا ہوا سوار (ص ۳۰۴)

گلگون ترے کی وصف میں کیا کیا بیاں کروں
گرد اس کے کھینچے جب گل رنگ حنا حصار (ص ۳۰۸)

صحن چمن میں گلگوں گر تیرے زیر ران ہو
ہر گل پیادہ ہوکر « وان طرقوا » کناں ہو (ص ۳۱۵)

سودا نے اس کو مطلق گھوڑے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ذوق کہتے ہیں:

گلگون نشۂ مئے گلگوں پہ ہو مرا
پابوس آسماں روش حلقۂ رکاب (ص ۲۳۱)

گنج گرانمایہ : حسن کا گنج گرانمایہ تجھے مل جاتا
تونے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل (کلیات اقبال ۵۸)

اس میں اشارہ ہے خسرو پرویز کے خزانے کا۔ دولت پرویز کا ذکر اقبال اور دوسرے شعرا کے متعدد اشعار میں برابر ملتا ہے۔ فردوسی کی رو سے خسرو پرویز کے سات مشہور خزانے یہ تھے:

۱۔ گنج عروس[1] ۲۔ گنج بادآور[2] ۳۔ دیبۂ خسروی
۴۔ گنج افراسیاب[3] ۵۔ گنج سوختہ ۶۔ گنج خضرا
۷۔ گنج شادورر

« برہان قاطع » میں اس کے خزانوں کی تعداد کئی بار ۸ بتائی گئی ہے، آٹھویں خزانے کا نام گنج بار[4] لکھا ہے لیکن اس کی تشریح کے ذیل میں اس کا دوسرا نام

۱۔ اس میں چین اور ہندوستان کا خزانہ جمع ہوتا تھا۔ (ایران بعہد ساسانیان ص ۶۲۷)

۲۔ ذوق نے اپنے دیوان اردو کے ایک فارسی قطعے میں اس کا نام بادآورد لکھا ہے (ص ۲۷۴)۔ اس کا نام گنج باد، گنج بادآورد اور گنج شائگاں بھی بتایا گیا ہے۔ بادآور کی پہلوی شکل گزواذ آورد ہے (دیکھئے برہان ۱۸۳۸) جس وقت ایرانیوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو رومیوں نے شہر کی دولت کشتیوں پر لاد دی تھی مگر باد مخالف ان کشتیوں کو ڈھکیل کر ایرانیوں کی طرف لے گئی۔ یہ بے اندازہ دولت طیسفون بھیجی گئی اور اس کا نام گنج بادآورد رکھا۔ (ایران بعہد ساسانیان ص ۶۲۶)

۳۔ یہ افراسیاب کی طرف منسوب ہے (برہان ص ۱۸۳)

۴۔ برہان ص ۱۸۳۹

گنج شادآورد بھی لکھا ہے - اور آگے بڑھکر شادآورد[1] کی الگ تشریح بھی کردی ہے - اور کریسٹن سن نے گنج گاو کو اس کا خزانہ بتایا[2] ہے -

ترنج زر اور طلاے دست افشار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز   عجب نہیں ہے بغیر از طلاے دست افشار
(سودا ، دیوان ۲:۲٤٦)

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس   رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر یک بار   پھینک دیتا طلاے دست افشار   (غالب ، دیوان ۱۳۱)

دست افشار اور مشت افشار ہم معنی ہیں - اس لئے اسکو طلاے مشت افشار اور زر دست افشار و زر مشت افشار بھی کہتے ہیں - ابوریحان بیرونی نے « کتاب الجماہر »[3] میں لکھا ہے کہ ذہب المشتفشار کے بارے میں گمان یہ ہے کہ نرمی کی وجہ سے نام دیا گیا تھا اور ایرانی بادشاہوں کے زمانے میں سیاسی وجہ سے اس کا عام آدمیوں کا استعمال میں لانا ممنوع تھا - صرف بادشاہوں کے لئے وہ سونا مخصوص تھا - حمزہ[4] کا بیان ہے :

« سیبہ کرہ ای از طلای محلول بود کہ پادشاہان در بدست گرفتن آن ولعی داشتند چنانکہ اکنون لخلخہ معمول است و چو آن را بدست می گرفتند طلا از میان انگشتان مانند عصارہ ای جاری میشد »

« مجمل التواریخ[5] والقصص » میں ہے :

« و (خسرو پرویز رابود) زر مشت افشار کہ بر آن مہر نہادی و برسان موم بود »

کریسٹن سن[6] نے بھی لکھا ہے :

« خسرو کے پاس جو بیش بہا اور کسی قدر افسانوی نوعیت کی چیزیں تھیں ان

---

۱ — ص ۱۸٤۰

۲ — برہان نے اس کا نام گنج گاوان، اور گنج گاومیشن بھی لکھا ہے اور اس کو جمشید کا خزانہ بتایا ہے جو بہرام گور کے ہاتھ لگا تھا - شاہنامہ میں بھی ہے : بہنگام جم چون سخن راندند ورا گنج گاوان همی خواندند (برہان ۱۸٤۰ ح ۷) لیکن کریسٹن سن نے ثعالبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کو سکندر نے دفن کرایا تھا جو ایک کسان کے ذریعہ خسرو پرویز کے ہاتھ آیا تھا (ایران بعہد ساسانیان ص ٦۲٦)

۳ — کتاب الجماہر ص ۲۳٤ ، برہان قاطع ص ۲۰۱۱ حاشیہ ۳ ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات ۳ : ٤ ص ۳۳

٤ — کتاب الجماہر ص ۲۳۵ میں یہ بیان درج ہے نیز دیکھئے برہان و مجلہ (ایضاً)

۵ — ص ۸۱ ، برہان قاطع ص ۲۰۱۱ حاشیہ ۳

٦ — ایران بعہد ساسانیان ص ٦۲۷

میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک سونے کا ٹکڑا تھا جس کا وزن دو سو مثقال تھا اور موم کی طرح نرم تھا کہ دبانے سے مختلف شکلوں میں لایا جا سکتا تھا» ۔

ان سب بیانات کو فرہنگ نویسوں[1] کے بیان سے ملانے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زر دست افشار خسرو پرویز کے لئے مخصوص تھا ۔ اسی کا بنا ہوا ترنج وہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا ۔ ذیل کے اشعار قابل ملاحظہ ہیں :

زر مشت افشار بودی بوسۂ اورا بہا سبلت آورد و سرا پر زر مشت افشار شد (سوزنی)

کسری[2] و ترنج زر پرویز و تره زرین برباد شده یکسر با خاک شده یکسان (خاقانی)

ترنج زر دست افشار پرویز جہان بینی (عرفی)

باربد : رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو (بال جبریل ــ ۱۰۷)

غلغلہ اندر محفل مستاں وجد میں خیل بادہ پرستاں

نغمہ طرازاں باربد آسا چنگ نوازاں شکل نکیسا (دیوان ذوق ص ۱۹٦)

پہلے شعر میں خسرو پرویز کے دور کے رواج موسیقی کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کے دربار میں دو بڑے استاد گویے تھے ایک سرکش اور دوسرا باربد[1] ۔ مشہور ہے کہ ایرانی موسیقی کا موجد باربد ہے ۔ دراصل ایران کی موسیقی بہت زیادہ پرانی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس استاد نے ساسانیوں کی موسیقی پر بہت گہرا اثر ڈالا ۔ «برہان قاطع» میں وہ تیس لحن مذکورہ ہیں جو باربد نے خسرو کو سنانے کے لئے ایجاد کئے تھے ۔ ان کے نام کچھ تبدیلیوں کے ساتھ نظامی نے «خسروشیرین» میں دئے ہیں ۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ باربد خسروانیات کا موجد تھا جنکو گویے اب بھی بادشاہوں کی مجلسوں میں گاتے ہیں ۔ ایک اور روایت کی رو سے باربد نے ۳٦۰ راگنیاں ایجاد کی تھیں تاکہ ہر روز ایک نئی راگنی سنا سکے ۔

نکیسا : دیوان ذوق ص ۱۹٦ ۔ خسرو کے عہد کا ایک اور گویا نکیسا تھا ، بعض

---

۱ ــ مثلاً دیکھئے برہان و آنند راج ذیل دست افشار و مشت افشار

۲ ــ خاقانی نے کسری (نوشیرواں) کی طرف ترنج زر کو منسوب کیا ہے ۔ آذر کیوانی سلسلے کی ایک کتاب «زر دشت افشار» نامی موبد سروش نے لکھی تھی جو طبع ہو چکی ہے ۔

۳ ــ اس لفظ کی یہ مختلف صورتیں ہیں ۔ باربذ ۔ نہلبذ ۔ فہلبذ ۔ پہلبد وغیرہ ۔ باربذکے سلسلے میں دیکھئے ایران بعہد ساسانیان ص ٦٤۹ ــ ٦٥۲

لوگوں نے خسروانیات کی ایجاد کا سہرا اس کے سر باندھا ھے - نظامی نے « خسرو شیرین »[1] میں اس کا کئی بارتذکرہ کیا ھے -

فرہاد و کوھکن :

اردو غزل کا وہ محبوب و مقبول ترین موضوع ھے جس کے ذکر سے کوئی دیوان خالی نہیں - شعرا نے اسے صرف عشق کا آئیڈیل ھی نہیں بتایا ھے بلکہ اور بہت سے نئے نئے خیالات اس سے وابستہ کئے ھیں - غالب اور اقبال کا کلام بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ھے - اول الذکر کے یہاں ۲۰ شعر میں فرہاد یا کوھکن کی تلمیح ھے جن میں بڑی نکتہ آفرینی ملتی ھے ، اقبال نے پرویز کو ملوکیت اور فرہاد کو مزدور کا نمائندہ قرار دیا ھے اور اس سلسلے کے کافی شعر خسرو پرویز کے تحت نقل ہو چکے ھیں - غالب کے کچھ اور شعر ملاحظہ کریں :

تیشے بغیر مر نہ سکا کوھکن اسد ۔ سر گشتۂ خمار رسوم و قیود تھا (۱٤۳)

پیشے میں عیب نہیں رکھئے نہ فرہاد کونام ۔ ھم ھی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا (۱۵۹)

ھیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو ۔ دی سادگی سے جان پڑوں کوھکن کے پانو (۱۹٦)

ابھی اس خستہ کے نیروے تن کی آزمائش ھے ۔ کریں گے کوھکن کے حوصلے کا امتحاں آخر (۲٤٤)

فرہاد اور شیریں کا افسانہ کافی پرانا ھے - بلعمی[2] لکھتا ھے کہ « فرہاد اس عورت پر عاشق ہو گیا اور خسرو نے اسے یہ سزا دی کہ اسے کوہ بیستوں[3] میں سے پتھر نکالنے کے لئے بھیج دیا - پتھر کا ایک ایک ٹکڑا جو وہ کھود کر نکالتا تھا اتنا وزنی ہوتا تھا کہ آج سو آدمی ملکر بھی اسے نہ اٹھا سکیں » - خسرو و شیریں اور فرہاد و شیریں کی داستان محبت ایران کی رزمیہ اور عشقیہ شاعری کا ایک مقبول عام موضوع بن گئی - اردو میں یہ داستان محبت ادب میں براہ راست اپنا موضوع تو الگ[4] نہ بنا سکی لیکن اس کی تمثیل و تلمیح میں بڑی وسعت پیدا ہوگئی - البتہ ھندوستان میں یہ داستان بہت زیادہ عام ھے اور اس کی مقبولیت کا سہرا تھیٹر کمپنیوں کے سر ھے -

۱ــــ ص ۳۵۹ ، ۳٦٤ ، ۳٦۹ ، ۳۷٤

۲ بحوالۂ ایران بعہد ساسانیان ص ٦٤۱

۳ــــ اسی سے جوئے شیر نکالنے کا افسانہ تیار ہوا ہوگا -

٤ــــ میری مراد یہ ھے کہ کوئی ایسی مثنوی یا داستان جو فرہاد و شیریں کے واقعات پر مشتمل ہو اور اردو ادب میں بڑا درجہ رکھتی ہو غالباً موجود نہیں ھے -

بیستوں : اردو شاعری میں کوہ بیستوں سے نئے نئے افکار وابستہ ھیں غالب کے فرمانے کے مطابق —

کشتۂ افعی زلف سیہ شیریں کو بیستوں سبزے سے ھے، سنگ زمرد کا مزار (۲)
ھو سکے کیا خاک دست و بازوے فرھاد سے بیستوں خواب گران خسرو پرویز ھے (۸۵)
کوھکن گرسنہ مزدور طربگاہ رقیب بیستوں آئینۂ خواب گران شیریں (۱۳٤)

بیستوں ایران کے مغربی پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ ھے جو فارسی باستان میں بغستان تھا یعنی محل بغ[۱] یا خدا، بغستان سے بہستان اور بہستون ھو گیا - ھخامنشی بادشاہ داریوش اول کا سب سے بڑا کتبہ یہیں موجود ھے -

مانی : اردو شاعری کا مقبول عام موضوع ھے - ادب میں مانی کی حیثیت ایک مصور کی بتائی گئی ھے جو چین[۲] سے نسبت رکھتا تھا - غالب کہتے ھیں :

جس کے حیرتکدۂ نقش قدم میں، مانی خون صد برق سے باندھے بکف دست نگار
نہ کھینچ اے سعی دست نارسا زلف تمنا کو پریشاں تر ھے میرے خامے سے تدبیر مانی کی ۷۷
زلف تحریر پریشاں تقاضا ھے مگر شانہ ساں مو بزباں خامۂ مانی مانگے ۷۸
کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر سبز مثل خط نوخیز ھو خط پرکار ۱۳۲

سودا :

عکس گلبن یہ زمیں پر ھے کہ جسکے آگے کار نقاشی مانی ھے دوم وہ اول (دیوان ۲ : ۲۳۱)
اے سحر رقم مانی اندیشہ نے تیرے کھینچی ھے کس انداز سے اس نظم کی تصویر (دیوان ۱ : ۳۷۲)

لیکن اس فرضی مانی کی تصویر تاریخی مانی سے جسکی تفصیل درج ذیل ھے، کسی قدر مختلف ھے - بقول پروفیسر کریسٹن سن[۳] مانی ایرانی النسل تھا اور اسکا تعلق اعلی خاندان سے تھا - اس کی ماں اشکانی خاندان سے تھی - ممکن ھے اس کا باپ فاتک بھی اسی گھرانے سے تعلق رکھتا ھو - فاتک ھمدان کا رھنے والا تھا مگر بعد میں وہ بابل چلا آیا - اس کا میل جول فرقۂ مغتسلہ کے عیسائیوں کے ساتھ رھتا تھا - مانی ۲۱۵ یا ۲۱٦ء میں یہیں پیدا ھوا، بچپن میں اس کی پرورش مذھب مغتسلہ میں ھوئی، لیکن بڑے ھو کر اس نے اپنے

۱ - دیکھئے برھان قاطع ص ۳۳۷ متن و حاشیہ
٦ — فردوسی کہتا ھے : بیامدیکی مرد گویا ز چین کہ چون او مصور نہ بیند زمین
۳ — دیکھئے ایران بعہد ساسانیان باب چہارم - مانی پیغمبر اور اس کا مذھب -

زمانے کے بڑے مذاهب زرتشی و عیسائی سے گہری واقفیت پیدا کی ۔ رفتہ رفتہ اس نے عقائد مغتسلہ کو ترک کردیا ۔ اسے متعدد بار کشف و الہام هوا جس میں ایک فرشتہ توم نے اسے حقائق ربانی سے آگاہ کیا ۔ بالآخر اس نے ایک نئے مذهب کی تبلیغ شروع کردی اور فارقلیط هونے کا دعوی کیا ۔ اس نے کہا خدا کے پیغمبروں نے وقتاً فوقتاً لوگوں کو حکمت و حقیقت سے آگاہ کیا هے ۔ مثلاً ایک زمانے میں بودھ پیغمبر اهل هند کی هدایت کے لئے مبعوث هوئے ، ایران میں زرتشت نے حق کی اشاعت کی اور دیار مغرب میں حضرت عیسی نے هدایت خلق کا کام کیا ۔ اب آخرمیں میں (مانی) خدائے برحق کا پیغمبر اور صاحب کشف و الہام هوکر سر زمین بابل میں حکمت و حقیقت کی تعلیم کے لئے آیا هوں . . .

مانوی مذهب پر زرتشی ، عیسائی ، عرفانی اور بدھی عقائد کا گہرا اثر هے ۔ آفرینش کائنات کے متعلق مانی دو جوهر اصلی ایک نیک اور ایک بد کا قائل تھا ۔ یہ عقیدہ زرتشی مذهب سے ماخوذ هے ، مبدأ و معاد کے بارے میں اس کے عقائد عرفانی عقائد سے متاثر هیں اسی طرح مانوی مذهب کی تثلیث اول کے جو تین افراد یعنی پدر عظمت ، مادرزندگان اور انسان اولین هیں ان کی ویسی هی تعظیم ملحوظ هے جیسی عیسائی مذهب میں باپ بیٹے اور روح‌القدس کی ۔ تناسخ کا عقیدہ مانی نے هندوستان کے مذهبی عقائد غالباً بدھ مذهب سے لیا هے ۔

مانی کا ظہور شاپوراول (۲٤۲ ۔ ۲۷۲) کے زمانے میں هوا ، اول بادشاہ اس مذهب کا پیرو هوگیا لیکن دس سال کے بعد وہ بدظن هوا تو مانی کو وطن چھوڑنا پڑا ۔ اس کی وفات کے بعد مانی ایران واپس هوا تو هرمزد اول (م ۲۷۳ء) کے بھائی بہرام اول نے اس کو موبدوں کے رحم پر چھوڑ دیا ۔ مانی اور موبدوں کے درمیان مباحثہ هوا ، اس میں اس پر الحاد کا جرم عائد کیا گیا جس کی پاداش میں اسے قید کیا گیا جہاں وہ ۲۷٦ع میں جاں بحق هوا ۔

مانی کی یہ تصانیف ، کتاب الاسرار ، کتاب الاثنین یا رسالۃ الاجنہ ، پرگماتیۂ یا رسالۃ‌الاصل ، انجیل زندہ ، کنزالحیوہ سریانی زبان میں تھیں جو پہلوی میں بھی منتقل هوگئی تھیں ۔ اس کی ایک کتاب ، کتاب المواعظ شاپورگان شاپور اول کے نام پر پہلوی میں لکھی گئی ۔ شاپورگان اور انجیل کے پہلوی ترجمے کے بعض اجزا ترفان کی کھدائی میں برآمد هوئے هیں ۔ ان کے علاوہ مانی کے بہت سے خطوط ، مکتوبات اور چھوٹے چھوٹے رسائل تھے ۔

مانی نے پہلوی رسم خط کے بجائے سریانی رسم خط استعمال کیا اور بڑے عمدہ طریقے سے اس کو پہلوی تلفظ کے ساتھ موافق کیا چنانچہ تمام اعراب اور حروف کی آوازیں نہایت صحت کے ساتھ ادا ہوسکتی تھیں۔ اس نئے رسم خط میں صرف ہزوارش ہی کو ترک نہیں کیا گیا بلکہ ایک ایسا طریقِ ہجا اختیار کیا گیا جو الفاظ کے تلفظ کے لئے نہایت مناسب تھا۔

مسلمان مصنفوں[1] نے مانی کے متعلق جو افسانہ آمیز باتیں لکھی ہیں ان میں اس کی شخصیت کے حیرت انگیز اوصاف ملتے ہیں منجملہ ان کے فن خطاطی[2] و مصوری میں اس کی بے مثال قابلیت ہے۔ مثلاً فارسی مصنف ابوالمعالی اپنی کتاب «بیان الادیان» میں لکھتا ہے کہ مانی سفید ریشم کے کپڑے پر ایسا باریک خط لکھ سکتا تھا کہ اگر اس کپڑے کا ایک تار بھی کھینچ لیا جاتا تو ساری تحریر غائب ہوجاتی تھی۔ اور یہ کہ اس نے ایک کتاب تیار کی جس میں ہر قسم کی تصویریں تھیں اس کا نام ارژنگ مانی تھا اور وہ ابوالمعالی کے زمانے میں گیارھویں صدی عیسوی میں غزنی کے کتابخانے میں موجود تھی۔ ارژنگ (اردنگ یا ارتنگ) کے متعلق ہر قسم کی کہانیاں مشہور ہیں اور وہ شعرائے فارسی کی ایک مسلمہ ادبی اصطلاح بن گئی ہے۔ ایک افسانے کی رو سے جس کا راوی صاحب «روضۃ الصفا» ہے، مانی نے ممالک شرق میں ایک غار کو تصویروں سے سجایا تھا۔

ارتنگ یا ارژنگ : دیوان غالب ص۲۵۵ ، دیوان ذوق ص ۲٦٤

دیکھئے «برہان قاطع» ص ۹۷ ، ص ۱۰۳ متن و حاشیہ و «ایران بعہد ساسانیان» ص ٢٦٤ــ ٢٦٥ ، ٢٦٨ - موسیو الفرک کا قیاس ہے کہ وہ اس کی انجیل کا ایک مصور نسخہ تھا۔ اردنگ کا نام اس کی ایک اور کتاب میں پا یا جا تا ہے (دیکھئے «ایران بعہد ساسانیان» ص ۲٦٥ حاشیہ اور ص ٢٦٨ متن و حاشیہ)

مزدکیت : « ارمغان حجاز » میں (ابلیس کی مجلس شوری میں) اقبال ابلیس کے منہ سے کہلواتے ہیں۔

دست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزد کی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

---

۱ ــ ایران بعہد ساسانیان ص ٤٦٤ ـ ٢٦٥

۲ــ مانوی کتابوں پر تصویر بنانے کا عام دستور تھا اس سے خیال گذرتا ہے کہ مانی کے کمال مصوری کی داستان میں کچھ نہ کچھ حقیقت کا عنصر ہوگا (ایضاً ص ۲٦٨)

کب ڈرا سکتے ہیں مجھکو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ خو
ہے اگر مجھکو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے (کلیات ص ۴۴۳)

فرقۂ مزدک در اصل ایک مانوی فرقہ تھا جس کی بنیاد مزدک سے تقریباً دو صدی پہلے ایک ایرانی شخص زردشت پسر خورگان نے رکھی جو پسا (فسا) کا رہنے والا تھا۔ زردشت کی تعلیم محض نظری تھی۔ مزدک مرد عمل اور در اصل زردشت کا خلیفہ تھا، اس نے اپنے پیشرو کی شہرت کو ماند کردیا اور فرقے کا نام اس کے زمانے سے فرقۂ مزدکیہ پڑ گیا۔

مزدک کے بارے میں ہماری اطلاعات بہت محدود ہیں، اس کی پیدائش مادریہ میں ہوئی جو غالباً شہر مادرایا تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے اس جگہ واقع تھا جہاں اب قوۃ العمارہ ہے۔ مزدک اور اس کے باپ بامداذ دونوں کا نام ایرانی ہے۔ دینوری کے بقول وہ استخر کا رہنے والا تھا اور «تبصرۃ العوام» میں اس کی جائے پیدائش تبریز بتائی گئی ہے جو شبہ سے خالی نہیں۔

مزدک کی تعلیم مذہب مانی کی اصلاح تھی، مانویت کی طرح اس میں بھی دو جوہر قدیم یعنی نور و ظلمت کے درمیان رابطے پر بحث ہے۔ لیکن مزدکی عقیدے کی رو سے ظلمت کا فعل نور کے فعل کی طرح ارادے اور تدبیر پر مبنی نہیں ہوتا۔ مزدک کی ایک اہم تعلیم یہ تھی کہ خدا نے روئے زمین پر زندگی کے وسائل پیدا کئے تاکہ سب یکساں طور پر ان سے فائدہ اٹھائیں اور کسی کو دوسرے کی نسبت زیادہ حصہ نہ ملے۔ لیکن لوگوں میں نابرابری زبردستی کی وجہ سے پیدا ہوئی اور ہر شخص نے کوشش کی کہ دوسرے کا حصہ چھین کر اپنی خواہشات کو پورا کرے لیکن حقیقت میں کسی شخص کو دوسرے کے مقابلے میں مال، اسباب اور عورتوں کا زیادہ حصہ لینے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امیروں سے دولت چھین کر غریبوں کو دی جائے اور اس مساوات

کو قائم کیا جائے جو ابتداءً بنی نوع انسان میں تھی - مال و دولت کو اس طرح مشترک بنانا چاهئے جس طرح پانی اور چراگاهیں هیں -

ساسانی بادشاہ قباد نے اپنی سلطنت کے پہلے دور میں (۴۸۸-۴۹۸ع) مزدکی تعلیم قبول کرلی تھی لیکن امرا کی شورش پر وہ وطن چھوڑنے پر مجبور هوگیا - قباد نے هیاطلہ میں پناہ لی اور ۴۹۸ یا ۴۹۹ع میں خاقان کی مدد سے بغیر مزاحمت سلطنت ایران دوبارہ حاصل کی - البتہ اب اس نے مزدکیوں سے ویسے تعلقات نہیں رکھے - اسی درمیان یہ مسئلہ درپیش تھا کہ قباد کا جانشین خسرو انوشرواں هو یا کاؤس - چنانچہ ایک مذهبی مجلس تشکیل هوئی جس میں زرشتی اور عیسائی ایک طرف تھے اور دوسری طرف[1] مزدک اور اس کے ساتھی - اس میں مزدکیوں کو شکست هوئی - اس کے نتیجے میں مزدک اور اس کے تمام ساتھی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے - یہ واقعہ ۵۲۸ یا ۵۲۹ع میں ظهور پذیر[2] هوا -

زرتشت : جاوید[3] نامہ ص ۵۱ ، ادبی خطوط غالب ص ۱۵۴ ، دیوان ذوق ص ۲۴۱ -

ایران قدیم کا زبردست پیغمبر تھا جس نے ایک مذهب چلایا جو عام طور پر زرتشی یا زردشتی کہلاتا هے لیکن اصطلاحاً دین مزدیسنا هے - اس کے نام کی مختلف صورت یہ هے : زردشت ، زرتشت ، زردهشت ، زارتشت ، زراتشت ، زرہ تشت ، زاردهشت ، زاردشت ، زارتہشت ، زارهوشت ، زرادشت ، زراهشت ، زرہدشت ، زرہهشت - لیکن سب سے عام زردشت اور زرتشت هیں - گاتها میں یہ نام Zarathushtra کی شکل میں آیا هے - وہ سپیتمان خاندان سے تھا ، اس کا باپ پورشسپ اور ماں دغدو تھی ، اس کی جائے پیدائش آذربائجان یا رے یا شمالی مشرقی ایران بتائی گئی هے - عام طور پر اس کا زمانہ ۶۰۰ ق - م کے حدود میں بتایا جاتا هے لیکن بعض لوگوں نے قبل مسیح کا دوسرا هزار بھی قرار دیا هے - زرتشت نے گشتاسپ کے زمانے میں اپنے مذهب کا اعلان کیا - چنانچہ بادشاہ نے اس کا دین قبول کرلیا - اس کی مذهبی کتاب «اوستا» هے ، جس کے زیادہ حصے دستبرد زمانہ سے بچ نہ سکے - البتہ جو حصے باقی هیں ان میں گاتها قدیم هے اور وہ

۱ــــ مزدکیوں نے خود قباد کی مرضی کے خلاف خسرو انوشرواں کو جانشینی سے محروم کرنے اور اپنے حامی کاؤس کو وارث تخت بنانے کی زبردست سازش کی تھی - (ایران بعہد ساسانیان ص ۴۷۹)
۲ــــ مزدکی تحریک کے لئے دیکھئے ایران بعہد ساسانیان باب هفتم ، برهان قاطع ص۲۰۰۳ ۲۰۰۴ متن وحاشیہ
۳ ــــ یہ اقبال کے فارسی کلام کی مثال هے - اس مذهب نے اردو کو بے طرح متأثر کیا هے - اردو کی ایک کتاب کا نام « بقول زردشت » هے

زرتشت ھی کے زمانہ کا ھے - ارجاسب تورانی نے جب ایران پر دوسری بار حملہ کیا تو زرتشت ایک تورانی کے ھاتھ سے ۷۷ سال کی عمر میں قتل ھوا - اس کے تین بیٹوں ایسدواستر ، اروتدنر ، خورشید چہر کے نام محفوظ ھیں ، اسی طرح تین بیٹیوں کے یہ نام ملتے ھیں : فرن ، تہرت ، پوروچیست[1] -

اوستا ، زند ، پازند : کبھی زرتشتیوں میں ایسا کہ سارے موبد
ژندو پازند[2] میں کرتے تھے مری تبعیت (دیوان ذوق ص ۲٤۱)

احکام ترے حق ھیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن بنا سکتے ھیں پازند (کلیات اقبال ص ۳۲۵)

اوستا[3] : زرتشت کی مذھبی کتاب ھے جس کے بیشتر اجزا دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے - موجود « اوستا » کے حسب ذیل حصے ھیں :

یسنا (اس میں گاتھا بھی شامل ھے) ، ویسپرد ، وندیداد ، یشتہا ، خردہ اوستا -

« اوستا » کی زبان خصوصاً گاتھا کی ، وید سے بہت مشابہ ھے ، لیکن «اوستا» کا قدیم رسم خط باقی نہیں - موجودہ خط جس میں «اوستا» لکھی گئی ھے ، خط پہلوی سے ماخوذ ھے لیکن پہلوی کے ھزوارش طریقے کو بالکل ختم کرکے اوستائی خط کو نہایت آسان اور باقاعدہ بنادیا گیا ھے جس میں ھر قسم کی آواز آسانی سے ادا ھوسکتی ھے -

زند[4] : «اوستا» کی پہلوی تفسیر ھے - جس کا موجودہ متن ساسانیوں کے زمانے کا ھے - یہ لفظ اوستائی کلمہ ازانتی (بمعنی شرح و گزارش) سے مشتق ھے - « اوستا » کی اوستائی زبان میں تفسیر لکھی گئی تھی جس کے کچھ اجزا آج بھی موجودہ « اوستا » میں ملے ھوئے ھیں - پہلوی اشکانی میں بھی « اوستا » کی تفسیر لکھی گئی تھی - لیکن جو تفسیر اس وقت موجود ھے وہ پہلوی ساسانی میں ھے ، زرتشتیوں کے نزدیک « اوستا » اور زند (تفسیر اوستا) دونوں آسمانی کتابیں ھیں -

---

۱ـــ دیکھئے مزدیسنا ص ۶۲ـــ۷۳ ، حاشیۂ برہان قاطع ص ۱۰۱۱

۲ـــ بعض جگہ زاے فارسی ھے مگر زیادہ صحیح زاے عربی ھے

۳ـــ اس کی حسب ذیل اور شکلیں ھیں : وستا ، ابستا ، است ، استا ، اویستا ، بستاق ، ابستاق ، ابستاغ ، ایستا ، بستا ، آبستا ، افستا ، اپستا ، ستا - (مزدیسنا ص ۱۱۶ - ۱۱۷) -

٤ بعض فرھنگوں میں یہ لفظ ژند درج ھے اس کے مفہوم کے سلسلے میں عام طور پر بڑی غلط فہمیاں ھوتی ھیں - (دیکھئے مزدیسنا ص۱۳۸ ببعد) -

پازند : پا اور زند سے مرکب ہے ، پا ، اوستائی کلمہ (Paiti) (بمعنی ضد و صاحب) سے مشتق ہے ، اور زند بمعنی شرح ہے ۔ پازند سے مراد وہ پہلوی زبان ہے جو ہزوارش سے پاک ہو ، اور جس میں ہزوارش کے بجائے فارسی لفظ ہوں ۔ پس پازند کا زند اور « اوستا » سے کم تعلق ہے ۔ وہ ایک زبان ہے جو موجودہ فارسی اور پہلوی کی درمیانی کڑی ہے ۔ پازند کے متن کبھی اوستائی خط میں اور کبھی فارسی خط میں لکھے گئے ہیں ۔ ادبیات میں پازند کو زند اور « اوستا » سے[1] خلط کردیا ہے ۔ چنانچہ اقبال نے بھی مذکورۂ بالا بیت میں اس کو ایک مذہبی کتاب سمجھا ہے ۔

ایزد : یہ کلمہ جو فارسی اور اردو ادب میں خدا اور خالق کے لئے استعمال ہوتا ہے اوستائی لفظ (Yazata) سے مشتق ہے اور موجودہ شکل میں پہلوی ہے ۔ یہ اہورمزدا کی مخلوق اور بمنزلۂ فرشتہ ہے ۔ ان کی تعداد «اوستا» میں ہزاروں ہے ۔ ان سے بلند تر مخلوق امشاسپند ہیں ، جن کی تعداد صرف ۷ ہے اور جن میں سے ٦ کے نام پر ایرانی مہینوں کے نام ہیں ۔ ہر امشاسپند کے کئی متعلقہ ایزد ہیں :

امشاسپند[2]	متعلقہ ایزد[3]
۱ ـــ ہرمزد	دی بآذر ، دی بمہر ، دی بدین ۔
۲ ـــ بہمن	ایزد ماہ ، ایزد گوش ، ایزد رام ۔
۳ ـــ اردی بہشت	ایزد آذر ، ایزد سروش ، ایزد بہرام ۔
٤ ـــ شہریور	ایزد خور ، ایزد مہر ، ایزد آسمان ، ایزد انیران ۔
٥ ـــ اسفندارمذ	ایزد آبان ، ایزد دین ، ایزد ارت ، ایزد ماراسپند ۔
٦ ـــ خرداد	ایزد تشتر (تیر) ، ایزد فروردین ، ایزد باد ۔
۷ ـــ امرداد	ایزد رشن ، ایزد اشتاد ، ایزد زامیاد ۔

یزدان : کھودئے انکار سے تو نے مقامات بلند
چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو (اقبال کلیات ص٤۹٤)

ایزد کی جمع پہلوی ایزدان ہے جو یزتان ، یزدان ، کی صورت میں بھی آئی

۱ ـــ تفصیل کے لئے دیکھئے مزدیسنا ص ۱٤۲ ـ ۱٤٥ ، حاشیہ برہان قاطع ص ۳٥۲ ـ ۳٥۳ ـ

۲ ـــ ان کے اوستائی نام مزدیسنا ص ۱٥۷ ـ ۱٥۸ پر دیکھئے ـ

۳ ـــ مہینوں اور دنوں کے نام خداؤں اور ایزدوں کے نام پر رکھے گئے ہیں ـ (تفصیل کے لئے دیکھئے ایران بعہد ساسانیان ص ۲۲۰ ـ ۲۲۲) ـ

ہے ، آخری صورت فارسی میں باقی ہے اور پہلوی ، فارسی اور اردو ادب تینوں میں خداوند کے معنی میں مستعمل ہے ، گویا شکلاً جمع اور معناً واحد ہے ۔ اس طرح کی متعدد مثالیں مسلمان ، جانان اور حورا وغیرہ کی شکل میں پیش کی جاسکتی[1] ہیں ۔

اھریمن : شعر سے روشن ہے جان جبرئیل و اھرمن (اقبال کلیات ص ۲۸۸)

فارسی و اردو ادب کی مقبول عام تلمیح ہے جو بدی کا سرچشمہ ہے ۔ یہ کلمہ «اوستا» میں Angra Mainyava کی شکل میں آیا ہے ۔ (Angra بمعنی خبیث و بد ، اور Mainyava فارسی میں مینو ہے) ۔ پہلوی میں اھریمن ہوا اور یہی کلمہ اھریمن اور اھرمن کی صورت[2] میں اردو میں بھی مستعمل ہے ۔

آتش کدہ :

آتشکدہ و سینۂ سوزاں ہے برابر	(کلیات سودا ۲ : ۲۳۱)
خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتشکدے ہزار	(کلیات اقبال ص ٤۵)
یہ شرارہ بجھ کے آتش خانۂ آذر بنا	(ایضاً ۹۷)
چاہے تو کرے کعبے کو آتشکدہ[3] فارس	(ایضاً ۲۵۸)
شعلہ ہا نذر سمندر بلکہ آتش خانہ ہم	(کلیات غالب ۵٤)

عناصر اربعہ میں آتش زرتشتی مذہب میں بڑی مقدس ہے ، یہ اور آذر دونوں ایک ہی کلمے سے مشتق ہیں اور دونوں ہم معنی بھی ہیں ۔ اس مذہب میں آذر ایک ایزد (فرشتے) کا نام ہے ، اور «اوستا» میں آذر ایزد ، اھورمزد کا پسر قرار دیاگیا ہے ۔ اس سے اس عنصر کے بلند مقام کا انداز لگایا جاسکتا ہے ۔ اسی مناسبت سے زردشتیوں نے آتشکدے تعمیر کرائے جہاں مقدس آگ کبھی نہیں بجھتی تھی ۔ ان میں[4] تین ایسے آتش کدے جن کی شہرت ہزاروں سال سے یکساں طور پر چلی آتی ہے یہ ہیں :

آذر گشسپ ، آذر برزین مہر ، آذر فرنبغ ۔ آخری فارسی ادبیات میں آذر خرداد کے نام سے[5] مشہور ہے :

چو آذر گشسپ و چو خرداد و مہر
فروزان چو بہرام و ناھید چہر (فردوسی)

---

۱ ــ مزدیسنا ص ۱٦۰ ۔

۲ ــ فارسی میں اھرمن ، آھرمن ، اھرن ، اھریمہ ، آھرامن ، آھریمہ ، ھریمن کی صورت میں بھی آیا ہے (مزدیسنا ص ۱۵٦ ۔ ۱۵۷)

۳ حافظ : گوشعلۂ آتشکدۂ فارس کش

٤ ــ ایرانی فرہنگ نویسوں نے ان کی تعداد سات بتائی ہے (مزدیسنا ص ۲۳۱ ۔ ۲۳۷)

۵ ــ آتش، آتش کدے کی تفصیلی بحث مزدیسنا ص ۱۷٦ تا ۲٤۲ ملے گی

آتش پرست : کفر کی مے سے مست ہے جو ہے
غرض آتش پرست ہے جو ہے (کلیات سودا ۱ ص ٤۷)
(مزید دیکھئے «ادبی خطوط غالب» ص ۱۵٤)

زردشتیوں کا دوسرا[1] نام آتش پرست ہے، مگر زردشتی خدا پرست[2] ہیں اور اسی بنا پر اپنے کو مزدا پرست، اور اپنے مذہب کو مزدیسنا کہتے ہیں۔

دیو : اردو اور فارسی ادب میں شیطان، بھوت، پریت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کی پہلوی صورت Dev، اوستائی Daeva اور سنسکرت میں Deva ہے۔ قدیم زمانے میں یہ لفظ آرائی خداؤں کے لئے مستعمل تھا۔ لیکن زردشت کے بعد متضاد معنی کے لئے وقف ہوگیا۔ یہ کلمہ سوائے ایرانی زبان کے اور دوسری زبانوں میں خدا ہی کے معنی میں آتا ہے۔ ہندی Deva، یونانی Zeus، لاطینی Deus، فرانسیسی Dieu سب کا مادہ ایک ہی ہے[3]۔ اردو میں اس کے جو معنی ہیں وہ زردشتی اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ اثرات فارسی ادب کے راستے سے آئے۔

سروش : غالب سریر خامہ نوائے سروش ہے (دیوان ۲۳۰)
حیرت انگیز تھا جواب سروش (اقبال، کلیات ۱٤۳)
ہاں سنادے محفل ملت کو پیغام سروش (» ۱۵٤)
کہ ہے یہ سرنہاں خانۂ ضمیر سروش (» ۱۷۰)

اوستا Sraosha، پہلوی Srosh، سرئوشہ اوستا میں اطاعت و مخصوصاً خداوندی احکام کی اطاعت کے معنی میں آیا ہے اور اسی اعتبار سے اسے ایک فرشتہ بتایا گیا ہے جو مظہر اطاعت و نمایندۂ صفت رضا و تسلیم ہے۔ اس کا درجہ مہر کے برابر ہے اور کبھی کبھی اس کا شمار امشاسپندوں میں ہوتا ہے۔ متأخرادبیات زرتشتی میں سروش ایسا فرشتہ ہے جو قیامت کے دن حساب اور میزان کے کام پر مقرر ہوگا۔ بعض زرتشتی کتابوں اور فارسی فرہنگوں میں سروش پیک ایزدی اور حامل وحی کی حیثیت سے متعارف ہوا ہے۔ ہر ماہ کی ۱۷ویں تاریخ کی حفاظت اس کے سپرد ہے، بیرونی نے اس روز کو سروش کہا ہے[4]۔

---

۱ — یہ نام مسلمانوں کی تحریروں میں اکثر آتا ہے ۲ — آتش بمنزلۂ خدا نہیں
۳ — دیکھئے مزدیسنا ص ۱٦۲ — ۱٦۳، برہان قاطع ص ۹۱۷ متن و حاشیہ
٤ — دیکھئے مزدیسنا ص ۱۵۸، برہان قاطع ص۱۱۳۲ — ۱۱۳۳ متن و حاشیہ۔ غالب کے ایک اردو دیوان کا نام نوای سروش ہے۔ بعض اور کتابوں کا بھی یہی عنوان ملتا ہے مثلاً غالب کے شاگرد قمر الدین سخن کی نثری داستان کا نام سروش سخن ہے۔

ناھید: دیوان ذوق ص ۲۰۰، ۲۰۸، ۲۴۶۔ اوستا میں اناھیتہ ھے جس میں '۱' (= ان) حرف نفی اور آھیتہ بمعنی چرکین و پلید و ناپاک، پس اناھیتہ بمعنی پاک و بے آلایش ھوا۔ «اوستا» میں یہ لفظ فرشتوں اور دوسری چیزوں کی صفت مونث کے طور پر استعمال ھوا ھے۔ فارسی باستان میں چار مرتبہ یہ کلمہ فرشتہ کے معنی میں آیا ھے لیکن جو ایزد اس نام سے مخصوص ھے وہ ایزد آب ھے اور جس کا قدیمی نام Aredvi Sura Anahita (بمعنی ایزد آب پاک و قوی) ھے۔ ڈاکٹر معین کا قیاس ھے کہ ناھید کا استعمال ستارۂ زھرہ کے معنی میں بعد کا خیال ھے۔

اردو ادب میں ستارہ کے علاوہ لڑکی کا نام بھی رکھا جاتا ھے۔ یہ نام دقیقی کے یہاں بھی موجود ھے۔ لفظ ناھیدہ، ناھدہ، ناھد جوان لڑکی کے معنی آتا ھے۔ ڈاکٹر معین نے صاحب «برھان قاطع» کے ناھید بمعنی لڑکی لکھنے پر تعرض کیا ھے۔ اس سلسلے کی بحث کے لئے دیکھئے «مزدیسنا» ص۳۲۹، «برھان قاطع» ص۱۶۳، ۲۱۱۳، «ستارۂ ناھید» ص ۱۱، «یشت» ۱ : ۱۵۸ - ۱۷۶۔

نوروز: اردو میں تلمیح کے علاوہ اس پر الگ نظمیں موجود ھیں۔ سودا کی نظم یہ ھے:
قطعۂ مبارک نوروز (کلیات ۱ : ۴)

ھوا یہ سال نو فرخندہ فیروز   تری محفل میں شمع دولت افروز . . .
تجھے ھر روز ھووے عید نوروز   تفضل سے جناب مرتضی کے

غالب (دیوان ۱۲۷) نے حسب ذیل قطعہ عید نوروز کے موقع پر لکھا تھا:

اے شاہ جہاں گیر جہاں بخش جہاندار   ھے غیب سے ھر دم تجھے صد گونہ بشارت . .
نوروز ھے آج اور وہ دن ھے کہ ھوے ھیں   نظارگی صنعت حق اھل بصارت
تجھ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک   غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

ایک اور نظم میں نوروز، عید شوال اور ھولی کے ایک وقت پر ھونے کے سلسلے میں لکھا ھے (ص ۲۸۰):

مرحبا سال فرخی آئیں   عید شوال و ماہ فروردیں
گرچہ ھے بعد عید کے نوروز   لیک بیش از سہ ھفتہ بُعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ھولی کی   جا بجا مجلسیں ھوئیں رنگیں
تین تیوھار اور ایسے خوب   جمع ھرگز ھوئے نہونگے کہیں

ذوق نے بھی ایک قطعۂ تہنیت جشن نوروز پر لکھا ھے، اس کی پہلی بیت یہ ھے:

آج ھے بلبل تصویر تلک زمزمہ سنج　　　خسروا سن کے ترا مژدۂ جشن نوروز

یہ عید نوروز جو ادبیات سے بڑھکر عوام میں اثر کرچکی ھے، ایران کا ایک قدیم تیوھار ھے۔ کرسٹن سن کا بیان ھے کہ سال کے تیوھاروں میں سب سے مقبول نوروز (نوک روچ) تھا۔ وہ سال کا پہلا دن ھے۔ فردوسی کی[1] روایت کے اعتبار سے جمشید نے اس عید کی ابتدا کی تھی:

بفر کیانی یکی تخت ساخت　　　چه مایه بدو گوهر اندر شناخت
که چون خواستی دیو برداشتی　　　ز هامون بگردون بر افراشتی
چو خورشید تابان میان هوا　　　نشسته برو شاه فرمانروا
بجمشید بر گوهر افشاندند　　　مرآن روز را روز نو خواندند
سر سال نو هرمز فروردین　　　بر آسود از رنج تن دل ز کین
چنین روز فرخ از آن روز گار　　　بمانده از آن خسروان یاد گار

مہرگان:

مہرگاں ھمت عالی کا جو لائے بادل
ایسے نیساں سے وہ آفاق پہ ھو قطرہ فشاں
جن کی شادبی گوھر کو اگر دیکھے تو دور
طرفۃ العین میں ھو کاھربا کا یرقاں　(دیوان ذوق ص ۲۲۶)

«برھان قاطع» (۲۰۶۶) میں ھے:

«نام روز شانزدهم از هر ماه و نام ماه هفتم از سال شمسی باشد و آن بودن آفتاب عالمتاب است در برج میزان که ابتدای فصل خزان است و نزد فارسیان بعد از جشن و عید نو روز ازین بزرگتر جشنے نمی باشد و تا شش روز تعظیم این جشن کنند، ابتدا از روز شانزدهم و آنرا مهرگان عامه خوانند و انتها روز بیست و یکم و آنرا مهرگان خاصه خوانند....»

مہرگان، مہر اور گان (لاحقۂ نسبتی) سے بنا ھے، لفظ (مہر) کی تفصیل «برھان» میں ان الفاظ میں ھے:

«نام فرشته ایست موکل بمهر و محبت و تدبیر امور و مصالح که در ماه مهر که ماه هفتم از سال شمسی و روز مهر که شانزدهم هرماه باشد بدو متعلق است

---

[1] — اس سلسلے کی تفصیلی بحث دیکھئے برھان قاطع حاشیہ ص ۲۱۸۹ - ۲۱۹۳ اور «جشن نوروز» تالیف دکتر معین

و بنابر قاعدۂ کلی که میان مغان یعنی آتش پرستان متعارف است که چون نام ماہ و روز موافق آید آن روز را عید کنند و این روز ازین ماہ بغایت بزرگ و مبارک دانند و جشن سازند و عید کنند و بمہرگان موسوم دانند»

ڈاکٹر معین («برہان قاطع» حاشیہ ص ۲۰۹۵ ببعد) نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے:

«ہر ماہ کی سولھویں تاریخ جو مہر روز کہلاتی ہے روشنی کے فرشتہ (مہر) سے منسوب ہے، ماہ مہر کی سولھویں تاریخ (روز مہر) کو ایرانی ایک بڑا جشن مناتے تھے۔ بندھشن کی رو سے مشیا و مشیانہ (آریائی آدم و حوا) اسی روز متولد ہوئے۔ یہ جشن ٦ روز ہوتا۔ روز مہر (١٦) سے شروع ہوکر ۲۱ کو (جو رام[1] روز کہلاتا تھا) ختم ہوتا۔ شروع کا دن مہرگان عامہ اور خاتمے کا مہرگان خاصہ کہلاتا تھا۔ قدیم ایران میں صرف دو موسم ہوتے تھے، اول گرمی دوسرے سردی۔ نو روز گرمی کی ابتدا اور مہرگان سردی کے آغاز کے جشن تھے۔ جشن مہرگان اسلامی دور میں مدتوں[2] منایا جاتا رہا۔ منوچہری کے اشعار سے ظاہر ہے کہ سلطان مسعود غزنوی (۴۲۱-۴۴۰ھ) کے دور میں یہ جشن بڑی شان و شوکت کے ساتھہ منایا جاتا تھا۔ ابوالفضل بیہقی (چاپ فیاض ص ۲۷۳) نے بھی مسعود کے دور کے ضمن میں اس جشن کی وضاحت کی ہے...»

ہندوستان میں یہ جشن معمول نہیں۔ مگر اردو شاعری میں فارسی کی راہ سے داخل ہوا جس کا ذکر خال خال آیا ہے۔

زمزمہ:

ہاں دل درد مند زمزمہ[3] ساز
کیوں نہ کھولے در خزینۂ راز (دیوان غالب ۱۳۰)

«برہان قاطع» میں ہے (۱۰۳۰):

«زمزمہ بمعنی زمزم است که باہستگی چیزی خواندن۔ وکلماتے که مغان در محل ستایش و مناجات به باری تعالی و پرستش آتش و چیزی خوردن بر زبان رانند»۔

---

۱ دیکھئے مزدیسنا ص ۴۵۲-۴۵۳

۲ فخر الدین گرگانی اس جشن کا ذکر کرتا ہے:

نثارت آوریدم مہرگانی
روان چون آب چشمۂ زندگانی
گہے گفتی که این باغ خزانست
که دروی میوہ ہای مہرگانست (مزدیسنا ص ۴۵۲)

۳ نیز دیکھئے دیوان ذوق ص ۲۴۸ وغیرہ

متقدمین کی کتابوں میں جن میں قدیم ایران اور زرتشتیوں سے متعلق بحث شامل ہے، زمزم و زمزمہ آیا ہے۔ یہی باز[1] ہے جو آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں، فردوسی کہتا ہے:

فرود آمد از اسب و برسم[2] بدست

به زمزم همی گفت، لب را ببست

زنار: زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال (غالب ١٦٩)
دیوانگی سے دوش پر زنار بھی نہیں (" ١٨٣)
آغوش خم حلقۂ زنار میں آوے (" ٢٣٤)

زرتشتیوں میں کشتی یا کستی باندھنے کی رسم اسی طرح ہے جس طرح ہندوؤں میں جنیو باندھنے کی۔ اور ان دونوں کے سلسلے کی ساری تفصیل مشابہ ہے۔ یہ کلمہ فارسی ادبیات میں برابر استعمال[3] ہوا ہے۔ کستی کا مادہ[4] KOST ہے جس کے معنے پہلوی میں طرف، کنار، پہلو ہوتے ہیں۔

زنار فرہنگوں کی رو[5] سے ہر دھاگے کو عموماً اور بت پرستوں اور زرتشتیوں کے دھاگے کو خصوصاً کہتے ہیں۔ فارسی کی کتابوں میں گاہے زنار[6] سے مراد زرتشتیوں کی کستی (یا کشتی) ہے۔

میرے خیال میں اردو میں زنار کا لفظ براہ راست فارسی سے آیا، اور فارسی میں زرتشتیوں کے کستی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اس بنا پر یہ قیاس صحیح ہے کہ اس کے استعمال سے زرتشتی عنصر کی نشاندھی ہوتی ہے۔

رستخیز و رستاخیز: شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا (غالب ١٤٦)
دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کا رستخیز (اقبال ١٠٣)
دل ہر ذرہ میں غوغاے رستاخیز ہے ساقی (" ٣١٦)
تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز (" ٣٢١)

«برہان قاطع» میں ہے (٩٤٨): «قیامت را گویند که محشر باشد»

در اصل اوستائی لفظ irista (مردہ، مرا ہوا) سے مشتق ہے، پہلوی rist اور خیز

١ — دیکھئے مزدیسنا ص ٢٥٣ ببعد
٢ — ایضاً ص ٢٥٨ ببعد
٣ — مثلاً خاقانی کہتا ہے: ریسمان سبحه بگسستند و کستی بافتند گوهر قندیل بشکستند و ساغر ساختند
٤ — مزدسینا ص ٢٤٣
٥ — برہان قاطع ص ١٠٣٣
٦ — نو روز نامه تعلیقات ص ١٢٣

(از خاستن) یعنی پہلوی Ristakhez ، پازند Ristakhezh - پس رستاخیز کے لغوی معنی مردوں کا اٹھنا[1] ہوا -

بہشت: اوستا vahishta ، مادہ vohu (خوب) isht (علامت تفصیل) پس بمعنی خوبتر ، بہتر (صفت تفضیلی) موصوف محذوف انگھو (جہاں ، گیہاز) - پہلوی vahisht ، فردوس، جنت ، اچھی و پرنعمت جگہ ، جہاں اچھے لوگ مرنے کے بعد جائیں گے -[2]

دوزخ: پہلوی doshakhv ، اوستا daozhahkhv ، اوستای متاخر دژ انگھو[3] بمعنی جہان بد ،

گبر: فریاد کروں کس سے کہ رواداری کی تیرے
کہنے کے لئے گبر و مسلمان ہے برابر (سودا ۲ : ۲۳۰)

«برهان قاطع» (۱۷۷٤) میں گبر کے منجملہ اور معنوں کے یہ معنی دئے ہیں :
«وهم بمعنی مغ باشد که آتش پرست است»

آقاے پورداود کا خیال ہے کہ یہ لفظ ایک آرامی کلمے سے جو کافر کے ہم ریشہ ہے، مشتق ہے اور آجکل ترکی میں «گور» کہلاتا ہے اور اس کے معنی مشرک اور بے دین کے ہیں ، لیکن ایران میں زرتشتیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - بعض پارسیوں نے اس کو ایک لفظ سے جس کا ہزوارش Gabra ہے مشتق بتایا ہے ، مگر آقاے پورداود اسے[4] غلط بتاتے ہیں -

مجوس: («ادبی خطوط غالب» ص ۱۰٤) - مجوس اور مجوسی جو اردو و فارسی میں مستعمل ہے ، در اصل مغ سے معرب[5] ہے - یونانی میں Magos ، لاطینی Magus اور آرامی مجوشا - یہ لفظ زرتشتیوں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے -

مغ: موبدان زرتشی کی کلیسائی حکومت میں مغ کمتر درجے کے لوگ تھے - یونانی اور لاطینی مصنف مغ اور موبد دونوں لفظ مگوس (Magos) سے بلا امتیاز مراد لیتے ہیں - مغان مغ کی جمع ہے جس کی پہلوی شکل مگوآن یا مگو گان ہے ، بڑے بڑے آتشکدوں کے رئیس مغان مغ (مگوآن مگو یا مگو مگوآن) کہلاتے تھے -

---

۱ــ دیکھئے برهان حاشیہ ص ۹٤۸ - اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طرح زرتشتی عقائد میں حشر اجساد ہے (نقد غالب ۳۵۲)
۲ــ ایضاً ص ۳۲۷ ح
۳ــ ایضاً ص ۸۹٦ ح
٤ــ دیکھئے مزدیسنا ص ۳۹۵ ، برهان قاطع ص ۱۷۷٤ ح
۵ــ برهان قاطع ۱۹٦۹ ح

موید : «ادبی خطوط غالب» ص ۱٥٤ ،

کبھی زرتشتیوں میں ایسے کہ سارے موبد (دیوان ذوق ۲٤۱)۔

مغان مغ سے اوپر کا طبقہ موبدوں (مگوپت) کا تھا۔ تمام سلطنت ایران کلیسائی اضلاع میں منقسم تھی جن میں سے ہر ایک ضلع ایک موبد کے ماتحت ہوتا تھا۔

موبد موبدان[1] : تمام موبدوں کا رئیس اعلیٰ جس کو زرتشی دنیا کا پوپ کہنا چاہئے موبد موباں (مگوپت مگوپتان) تھا ۔ تاریخ میں سب سے پہلے اس کلیسائی عہدے کا ذکر اردشیر اول (م ۲٤۱ء) کے عہد میں ہوا ہے ۔ اس نے ایک شخص جس کا نام شاید ماہداذ تھا موبد موبدان مقرر کیا ۔ ممکن ہے کہ یہ عہدہ اس سے پہلے موجود رہا ہو لیکن اس کی غیرمعمولی اہمیت اسی وقت سے ہوئی جب سے مزدائیت[2] کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا ۔ تمام کلیسائی امور کا نظم و نسق موبد موبدان کے ہاتھ میں تھا ۔ دینیات اور عقائد کے نظری مسائل میں فتوے صادر کرنا ، مذہبی سیاسیات میں عملی معاملات طے کرنا اسی کا کام تھا ۔ کلیسائی عہدہ داروں کو وہی مقرر اور معزول کرتا اور خود اس کا تقرر بادشاہ کے اختیار[3] میں تھا ۔

زرتشی کلیسائی حکومت کے بہت سے اور بعض دوسرے زرتشی الفاظ فارسی اور اردو شاعری میں استعمال ہونے لگے ۔ رفتہ رفتہ یہی الفاظ مخصوص تلمیح و اصطلاح بن گئے اور صوفی شعرا نے ان کو بلا تکلف برتنا شروع کر دیا ۔ مغبچہ[4] جو شراب پلانے کی خدمت پر مامور تھا تصوف کی دنیا میں تجلیات فاسدۂ سالک کے مترادف ہوگیا ۔ مغ[5] موحد کے معنی میں استعمال ہونے لگا ۔ پیرمغاں ، پیردیر ، پیرخرابات ، پیر میخانہ ، جو شراب خانوں کے مالک ہوتے ، ان سے انسان کامل ، اور مرشد مراد ہوتے جو سالک کو حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ۔ کبھی کبھی وہ حضرت علی کے لئے بھی استعمال ہوجاتے ۔ دیر مغاں ، کوے مغاں ، سرائے مغاں ، خرابات مغاں ، عالم معنی ، مقام تکمیل نفس ، دلِ عارف جو وحدت کا ہمرنگ ہوتا ہے ، عارفوں اور اولیاء اللہ کی مجلس کے لئے استعمال ہونے لگے ۔ گبر عالی حوصلہ ، طالب حقیقی و موحد ، عارف یکرنگ وحدت کا مترادف ہوگیا ۔ گبری ظلمت خلق ، بلند حوصلگی کے لئے مخصوص ہوا ۔

---

۱ موبدان موبد بھی کہتے تھے

۲ ـــ یعنی زرتشی مذہب

۳ ـــ دیکھئے ایران بعہد ساسانیان ص ۱٥۱ ـ ۱٥۲

٤ ـــ دیکھئے کلیات سودا ۲ : ۳۰٤ ، دیوان ذوق ص ۲٤٤

٥ ـــ اقبال کہتے ہیں (۱۷۹) مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

مے مغانہ وہ ذوق ہے جس کی بدولت حقائق کی روشنی سالک کے دل میں پیدا ہوتی ہے ورنہ وہ تو وہی شراب ہے جو مغاں کے میخانہ میں ملتی ہے ۔

اقبال کہتے ہیں ؛ رگ تاگ منتظر ہے تری بارش کرم کی
که عجم کے میکدوں میں نہ رہی مے مغانہ (کلیات ص ۳۲۰)

تو پیر میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا (ص ۹۶)

پیر مغاں، فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیف غم نہیں مجکو تو خانہ ساز دے (ص۱۱۷)

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانہ میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردخلیق (ص ۳۳٦)

سورا کہتے ہیں : زاہد و پیر مغاں، برہمن و شیخ اے یار (کلیات ۲۲۸)
بارود و گولی پیر مغاں، میکدہ کے بیچ (ص ۳۰۴)

هیربد ؛ «ادبی غالب خطوط» ص (۱۵٤) میں ہے :

«زردشت آتش کدۂ الخ: زردشت کو آتشکدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی کو میخانے سے ہے ۔ زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تھا ۔ آتش کدہ کے پجاری کو موبد اور هیربد[1] کہتے ہیں»

آتشکدوں میں مراسم نماز کا ادا کرانا هیربدوں سے متعلق تھا ۔ هیربد وهی لفظ ہے جو اوستا میں ائیشر پایتی ہے ۔ طبری نے لکھا ہے کہ خسرو پرویز نے آتشکدے تعمیر کرائے جس میں بارہ ہزار هیربد زمزمہ و مناجات کے لئے مقرر کئے ۔

هیربدوں کا رئیس اعلیٰ هیربدان هیر تھا جو موبدان موبد کے بعد سب سے بڑا صاحب منصب سمجھا جاتا تھا، حاکم شریعت کے فرائض بھی هیربدان هیربذ انجام[2] دیتا ۔

خدا : پہلوی متأخر خواتاے، پہلوی اشکانی خواتاذ، پازند خودائے سے مشتق ہے، بعض لوگوں نے اوستائی خوذائے اور ہوذائے سے مشتق بتایا ہے ۔ پہلوی اور پازند میں خواتاے شاہ کے معنی میں آتا ہے ۔ اس بنا پر (خواتاے نامک) «شاہ نامہ» کہلاتا[3] ہے ۔ لیکن فارسی

---

۱ ـــ متن میں بیربد کتابت کی غلطی ہے

۲ ـــ دیکھئے ایران بعهد ساسانیان (ص ۱۵۳ ـ ۱۵٤)

۳ ـــ برہان ص ۷۱۸ ح

اور اردو میں خدا مطلق اللہ تعالیٰ[1] کے لئے آتا ھے۔ مضاف کی شکل میں صاحب اور مالک کے لئے عام ھوجاتا ھے -

فرشتہ : « اوستا » میں Fraeshta ھے اور فارسی باستان میں Fraishta - یہ دو جزء Fra اور aish (بمعنی فرستادہ ، فرستہ) سے بنا ھے- سنسکرت میں بھی قاصد کے معنوں میں اسی مادے کا لفظ Preshita ھے[2] - گو لفظاً فرشتہ « اوستا » اور فارسی باستان سے مستفاد ھے لیکن اس کے معنی میں غالباً وسعت بعد میں ھوئی -

نماز : اس کے لغوی[3] معنی بندگی ، اطاعت ، سجود ، پرستش ، خدمتگاری ، ادائے طاعت ، فرمان برداری کے ھیں اور اصطلاح میں مسلمانوں کی مخصوص نماز (= صلوۃ)، فارسی میں لغوی معنی میں بھی استعمال ھے :

شہے کہ بارگاہ اوست سجدہ گاہ ملوک ھمی برند بآن سجدہ گہ ملوک نماز

(سوزنی سمرقندی)

یہ کلمہ « اوستا » میں نمہ (دعا) اور نِمس ، پہلوی میں نمچ اور پازند میں نماژ ھے - اس کا مادہ (نم) بمعنی خم ھونا ، تعظیم کرنا ، ھے -

روزہ : روز + ہ سے بنا ھے ، اس میں « ہ » نسبت کے لئے ھے یعنی منسوب بروز ؛ یک روزہ ، دو روزہ ، ھم روزہ -

روز «اوستا» میں raochah ، فارسی باستان میں rauchah ، پہلوی میں roch ھے «اوستا» میں روشنی کے معنی میں اور فارسی باستان اور پہلوی میں دن[4] کے لئے آتا ھے -

اس سے ظاھر ھے کہ روزہ کی اسلامی اصطلاح یہیں سے لی گئی ھے -

کلیسا و کنشت : اقبال (کلیات ص ٢٨٩ ، ٢٩٣ ، ٣٨٤)

جہاں مغرب کے بت کدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں

اے وائے آبروے کلیسا کا آئینہ رومانے کردیا سر بازار پاش پاش

پیر کلیسیا ، یہ حقیقت ھے دل خراش

حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت اور ھوئی فکر کی کشتی نازک رواں

١ ــــ آقاے دکتر صادق کیا استاد پہلوی دانشگاہ تہران نے بتایا ھے کہ پہلوی میں بھی کبھی کبھی خدا کے معنی میں آتا ھے (دیکھئے متن پہلوی ص ٣٠)

٢ ــــ دیکھئے برھان قاطع ١٤٦٠ ح ، ١٤٦٢ ح

٣ ــــ ایضاً ٢١٦٧ متن و حاشیہ

٤ ــــ ایضاً ص ٩٧١ متن و حاشیہ و ص ٩٧٣ ح

اگرچہ کلیسا اور کلیسیا عیسائیوں اور یہودیوں کے معبد کا نام[1] ہے لیکن پہلوی[2] میں بھی یہ لفظ آیا ہے اور اسی سے فارسی اور اردو میں رائج ہوا -

کنشت اور کلیسا مترادف استعمال ہوتے ہیں - حالانکہ کنشت فرہنگ نویسوں[3] کے نزدیک آتشکدہ کے لئے استعمال ہوتا ہے - پہلوی رسم خط میں Kanashya بمعنی مجمع ہے اور اس سے معرب کنست ہے جو صاحب « برہان قاطع » کے یہاں[4] آتشکدہ و آتش خانہ کے معنی میں آیا ہے - اس سے صاف ظاہر ہے کہ کلیسا اور کنشت دونوں اصطلاح فارسی ادب سے اردو میں آئیں اور ان سے قدیم ایرانی اثر کی نشاندہی ہوتی ہے -

خورشید : « اوستا » huarekhshaeta ، پہلوی khvarshet (لغوی معنی آفتاب روشن) - زرتشتی عقائد میں ایک فرشتہ ہے[5] جو آفتاب کا موکل ہے - اس کے ذریعے وہ امور جو خور کے روز (ہر مہینے کا گیارھواں[6] دن) کے لئے مخصوص ہیں، انجام پاتے ہیں - «اوستا» اور پہلوی زبان میں آفتاب کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل تھا -

ماہ : «اوستا» اور فارسی باستان mawngh] قدیم ایران میں یہ لفظ علاوہ چاند کے ایک فرشتہ (ایزد کرۂ ماہ) کے لئے مستعمل تھا اور یہ فرشتہ خورشید کی طرح بہت محترم و معزز سمجھا جاتا تھا - تاریکی جو دیو اور عفریت کا کام ہے ، اسکو ختم کرنے کا کام صرف اسی کے سپرد ہے - « یسنا » کی رو سے چاند گھوڑوں کی نسل کو برقرار رکھتا ہے - «یشت» میں اسکو گھاس اور دوسرے نباتات کا مربی کہا گیا ہے - ہر ماہ کی بارھویں تاریخ کا یہی نام ہے اور اس روز کی حفاظت اسی فرشتے کے سپرد ہے - اردو و فارسی زبان میں اگرچہ مطلقاً چاند کے معنی میں آتا ہے، ممکن ہے اسکی صفت[7] کے تعین میں اس کے وسیع معنی پیش نظر رہے ہوں،

آسمان و زمین : زرتشتی مذہب میں یہ دونوں مقدس سمجھے جاتے ہیں اور «اوستا» میں کئی دفعہ ان کا ذکر آیا ہے (تشتریشت بند ۸ ، مہریشت بند ۹۵ وغیرہ) اور بار بار ان دونوں کو

---

۱ ــ برہان قاطع ، ۱۶۸۸ ، میں ترسا و نصاری کے معبد کا نام لکھا ہے (ترسا کے معنی آتش پرست بھی دئے ہیں ص ۴۸۴) لیکن اقبال نے ص ۲۹۰ پر معبد یہود کے لئے یہی نام لکھا ہے -

۲ ــ برہان ۱۶۸۸ ح

۳ ــ برہان ۱۷۰۹ متن و حاشیہ

۴ ــ ایضاً

۵ ــ برہان قاطع ص ۷۸۶ ــ ۷۸۷ متن و حاشیہ، ص ۷۸۸ ح

۶ ــ مزدیسنا ص ۴۷۴

۷ ــ چاند کو کنایۃً صباغ تنگنار اور سورج کو صباغ جواہر کہا گیا ہے · دیکھئے برہان ص ۱۳۳۲

ایزد بتایا گیا ہے جو آسمان اور زمین کی حفاظت پر مامور ہیں اور یہ مہینے کے بڑے فرشتے ہیں، ہر ماہ کی ۲۷ ویں تاریخ کی نگرانی ایزد آسمان کے سپرد[1] ہے -

بہمن و دے و اردی بہشت[2] ؛

اٹھہ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل (سودا ۲ ؛ ۲۳۱)

ان تین ایرانی مہینوں میں دے[3] اور بہمن[4] جاڑے کے اور اردی بہشت[5] بہار کا دوسرا مہینہ ہے - ان میں سے دو امشاسپند کے نام ہیں اور ایک یعنی دے بعض ایزدوں کے نام کا جزء ہے -

فروردین : دیوان غالب ۲۸۰ -

پہلوی فرورتین ماخوذ ہے فارسی باستان فرورتینام[6] (فرورتی کی جمع مونث حالت اضافی) سے - اور ' فرورتی ' کی اوستائی شکل فروشی ہے جو « اوستا » کی رو سے ایک قوت ہے جس کو اہورمزدا نے نیکوں کی حفاظت کے لئے پیدا کیا ہے، بلکہ اچھی مخلوق کی آفرینش میں اس کا ہاتھہ ہے - پس ماہ فرورتین فروہروں کے اترنے کا ماہ ہوا - فرورتین ایزد کا بھی نام ہے - غالباً « گوہر » اسی فروہر سے بنا ہے ' گوہر کا معرب جوہر ہے -

سام[7] ؛ رستم کا دادا ، ایران کا نامی پہلوان ، ان کا سلسلۂ نسب جمشید تک پہنچتا ہے ، سام کا باپ نریمان اور دادا گرشاسپ تھا ، سیستان کے پہلوانوں کا یہ خاندان ایران کی اساطیری تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتا - فردوسی کی روایت نریمان اور سام کے بارے میں مختلف ہے ، اکثر اس کو نریمان کا بیٹا لیکن کبھی کبھی بھائی بھی بتاتا ہے - فارسی ادبیات میں بعض رزمیہ داستانیں سام سے متعلق موجود ہیں جن میں سے ایک « سام نامہ »[8] ہے - اردو ادب

---

۱ ـــ برہان قاطع میں ہے کہ آسمان آسیا مانند یا آس مانند سے مرکب ہے یعنی چکی کی طرح پھرنے کی وجہ سے اس کا یہ نام ہوا ، مگر ڈاکٹر معین اسکو صحیح نہیں بتاتے - وہ کہتے ہیں کہ آسمان پتھر کی طرح سمجھا گیا اس بنا پر اوستا اور فارسی باستان میں بطور اسماں اور پہلوی اور فارسی میں بصورت آسمان ہے - آس اوستا میں پتھر کے معنی میں آتا ہے آسیا اسی سے بنا ہے (برہان قاطع ص ۴۲ ح)

۲ ـــ دیکھئے دیوان ذوق ص ۱۹۷ ، ۲۰۵

۳ ـــ بمعنی آفریدگار از مصدر دا بمعنی دادن ، اوستائی لفظ Dadhva ہے

۴ ـــ اوستائی شکل Vohu Man

۵ ـــ اوستائی شکل Asha Vahishta

۶ ـــ برہان حاشیہ ص ۱۴۷۶ ، ۱۴۷۸

۷ ـــ دیکھئے حماسہ سرائی ص ۵۵۳ - ۵۵۴ ، برہان قاطع ص ۱۰۷۵ متن و حاشیہ

۸ ـــ ایضاً ص ۳۳۵ - ۳۴۰ ، اسے خود خواجو کرمانی کی تصنیف بتایا گیا ہے

میں اس کا ذکر بحیثیت ایک نامور پہلوان کے ہوا ہے - مثلاً دیکھئے کلیات سودا ص ۳۰۱ ، ۳۰۷ دیوان غالب ص ۱۳۷ ، دیوان ذوق ص ۲۰۶[1] -

رستم: اردو ادب میں اسم علم کے علاوہ بطور اسم جنس اور خطاب و لقب کے بھی استعمال ہوتا ہے - سودا کے کلیات سے چند مثالیں اسم علم کی پیش کی جاتی ہیں:

عجب نہیں سپرافگن ہوں آکے رستم و سام (ص ۳۰۱)

رستم کو خبر ہوکہ ترا اس پہ ہی آہنگ (ص ۳۸۰)

غالب کے یہاں یہ مثال ہے:

رزم میں اوستاد رستم و سام[2] (ص۱۳۷)

رستم یا رستہم ایران کے اساطیری دور کا نامی پہلوان زال کا بیٹا اور سام کا پوتا تھا اور سیستان کا رہنے والا تھا - ایران کے شاہی خاندان کا نہایت وفادار تھا ، ساری لڑائیاں اسی کی بدولت سر ہوئیں ، ہفتخوان رستم بطور تمثیل کے مستعمل ہے -

یہ نام دو جزء[3] رودت اور تہم سے مرکب ہے ، پہلا جز Roadha (نمو) سے [رستن ، روئیدن اسی سے نکلا ہے] اور تہم Takhma (بمعنی دلیر و پہلوان) سے نکلا ہے ، تہمتن جو رستم کا لقب تھا ، اسی مادے سے ہے ، اس کے معنی قوی پیکر ہوئے -

رخش: رستم کے گھوڑے کا نام ہے لیکن یہ بطور اسم جنس کے بھی استعمال ہوا - اردو ادب میں بھی اس کا استعمال اسم جنس اور اسم معرفه (علم) دونوں طرح ہوا ہے - سودا[4] کی یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جوں مہر ترے رخش فلک سیر کے آگے (ص ۲۳۱)

زیر ران ہے جو ترے رخش فلک سیر شہا (ض ۲۳٤)

خوبی کا تو مذکور تیرے رخش کا یکسو (ص ۲۵۸)

اس رخش فلک سیر کا تو آن کے لے تنگ (ص ۲۸۲)

بعض لوگوں نے رخش نام کو فارسی لفظ رخش کی طرف منسوب کیا ہے لیکن نولدکہ نے اس کو غلط بتایا ہے[5]

---

۱ ـــ رستم کی طرح اس کو بھی دستان سام لکھا ہے

۲ ـــ ذوق کہتے ہیں: حاتم دوراں، منذرنعماں، رستم دستاں، شیر نیستاں (دیوان ص ۲۰۰) نیز دیکھئے ص ۲۰۱، ۲۱۸

۳ ـــ دیکھئے برہان ص ۹٤۸ ح وفرہنگ شاہنامه ٤٤٥

٤ ـــ ذوق کے یہاں بھی متعدد مثالیں ہیں دیکھئے دیوان ص ۲۲۱ ، ۲۵۹

۵ ـــ حماسۀ ملي ایران ص ۱۸ ح

بہمن : اس نام کے ایک کیانی بادشاہ کا ذکر ہو چکا ہے ، سودا[1] نے ذیل کی بیت میں برزو کے ساتھ اس کا نام شامل کر کے ظاہر کیا ہے کہ وہ ایک نامی پہلوان تھا -

مر مٹنے کا جو بہمن و برزو وغا کے روز ہو جائیں تیرے سامنے آپس میں کر قرار

یہاں مراد اسفندیار کے بیٹے سے ہے ، «بندھشن»[2] میں یہ نام وھومن اور «شاھنامہ» میں بہمن ہے - اسفندیار رستم کے ہاتھوں قتل ہوگیا تو اس کے خون کے بدلے میں بہمن نے رستم کے بیٹے فرامرز کو قتل کر دیا - اس کے نام ایک مشہور رزمیہ مثنوی « بہمن نامہ » محفوظ ہے جس کی تفصیل «حماسہ سرائی» کے صفحات ۲۸۹ تا ۲۹۶ پر پائی جاتی ہے -

برزو : کلیات سودا ج ۲ ص ۳۰۷

یہ پہلوان رستم کا پوتا اور سہراب کا لڑکا تھا - اس کی ماں شنگان کی رہنے والی شہرو نامی تھی - برزو کی پیدائش سے پہلے سہراب نے اپنی بیوی شہرو کو ایک انگوٹھی اپنی نشانی دی تھی - برزو نے بڑے ہوکر افراسیاب کے حکم سے ایرانیوں سے جنگ کی مگر یہاں قید ہوگیا - اس نے جب اپنے نسب نامے کو ظاہر کیا تو ایران کے پہلوانوں میں اس کا شمار ہونے لگا - اس کے نام ایک مثنوی « برزو نامہ » موجود ہے جس کا تعارف «حماسہ سرائی» میں (۳۰۳ تا ۳۱۰) ہوا ہے -

گودرز : دیوان غالب ص ۱۳۷

گودرز کا خاندان رستم کے خاندان کی طرح اپنی پہلوانی و شجاعت میں ایران کی اساطیری تاریخ میں غیر معمولی شہرت کا حامل ہے - اس کا باپ کشواد زریں کلاہ فریدوں کے عہد کا نامی پہلوان تھا - گودرز کاؤس اور خسرو کے دور کا پہلوان اور مدبر تھا ، درفش کاویانی اسی کے خاندان میں رہا -

گیو : دیوان غالب ص ۱۳۷

گودرز کا بیٹا اور اس خاندان کا سب سے نامی پہلوان تھا - اس نے رستم کی بیٹی بانو گشسپ سوار سے شادی کی تھی - اس سے دوسرا نامی پہلوان بیژن پیدا ہوا -

بیژن : دیوان غالب ص ۱۳۷

رستم اور گیو کے بعد اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا - وہ افراسیاب کی بیٹی منیژہ کی وجہ سے توران کے ایک کنوئیں میں قید ہوگیا تھا - «شاھنامہ» کی داستان بیژن و منیژہ نہایت مشہور ہے - اس کے یہ دو شعر ضرب المثل سے ہوگئے ہیں :

---

۱ ــ کلیات ج ۲ ص ۳۰۷ ۲ ــ حماسہ سرائی ص ۵۹۶

منیژه منم دخت افراسیاب برهنه ندیده تنم آفتاب
برای یکے بیژن شور بخت فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

اس کے نام سے ایک رزمیہ مثنوی «بیژن نامہ» ہے جس کی تفصیل «حماسہ سرائی» (ص ۳۱٦ تا ۳۱۷) میں ملے گی۔

رہام : دیوان غالب ص ۱۳۷

گودرز کا بیٹا تھا۔ اس کا نام اشکانی تاریخ میں نہیں ملتا، جب کہ اس کے باپ گودرز اور بھائی گیو اور بھتیجے بیژن اشکانی بادشاہوں اور امرا کی فہرست میں شامل ہیں۔ (ایضاً ص ۵۷٦)

بہرام ؛ کلیات سودا ۲ : ۳۰۷

گودرز کا یہ بیٹا تھا۔ اشکانی تاریخ اس کے ذکر سے خالی ہے۔

دو ادبی روائتیں :

اردو اور فارسی ادب کی حسب ذیل دو روائتیں قدیم ایرانی اثرات کی نشاندھی کرتی ہیں :

(۱) سپند جلانے سے نظر بد کے اثر کو دور کرنا، ذوق کہتے ہیں :

میں مجمر فنا میں ہوں کیا دانۂ سپند کھولے ہے کاربستہ کی میری صدا گرہ (دیوان ص۲۱۱)

ہندوستان میں ادب سے بڑھکر عوام میں یہ چیز رائج ہے۔ اگرچہ مجھے اس روایت کا ذکر پہلوی یا اوستائی ادب میں نہیں ملا لیکن حنظلۂ بادغیسی نے جو فارسی کے قدیم ترین شاعروں میں ہے اس رسم کا ذکر اس طرح کیا ہے :

یارم سپند اگرچہ بر آتش همی فگند از بہر چشم[1] تا نرسد مر ورا گزیز
اورا سپند و مجمر ناید همی بکار با روی همچو آتش و با خال چوں سپند

اس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ قدیم ایرانی رسم تھی۔

(۲) پیراھن کاغذی[2] یا کاغذی جامہ۔ ایران میں رسم تھی کہ داد خواہ کاغذی لباس پہن کر حاکم کے سامنے جاتا اور داد خواھی کرتا۔ حافظ :

کاغذیں جامہ بخوناب، بشویم کہ فلک رہ نمونیم بپاے علم داد نکرد

غالب کہتے ہیں (دیوان ٤، ۱٤۲) :

۱ــــ لباب الالباب ۲ : ۲
۲ــــ برہان قاطع ص ٤۳۸، ص ۱۵٦۹ متن و حاشیہ

پہنے ہے پیرہن کاغذ ابری، نیساں   یہ تنک مایہ ہے فریادی جوش ایثار
نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا   کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

غالب خود ایک خط میں لکھتے ہیں[1] :

« ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے جیسے مشعل دن کو جلانا، یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا »

میرزا غالب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ ایران میں یہ رسم جاری ہوگی۔ مگر ڈاکٹر معین نے اس کا بیان زمانۂ ماضی کے ساتھ کیا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ زمانۂ حال کی موجودگی مشتبہ ہے۔

میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ یہ رسم بھی قدیم ایران سے چلی آرہی ہوگی

اردو ادب پر قدیم ایرانی و زرتشتی اثرات کا کسی قدر تفصیلی اور ضروری ذکر صفحات بالا میں ہوچکا ہے، البتہ قدیم ایران اور مذہب زرتشت نے اردو زبان پر جو اثرات مترتب کئے انھیں فی الحال نظرانداز کیا جاتا ہے۔ یہ خود ایک بہت وسیع اور دلچسپ موضوع ہے جس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ادھر ہندی زبان و ادب پر فارسی اثرات کے تعین کے سلسلے میں دو کتابیں نکل چکی ہیں۔ ان کی مدد سے قدیم ایرانی عناصر کا اردو زبان میں تعین کسی قدر آسان ہوجائے گا۔

ہندوستان کی تہذیب پر ایرانی اثرات بھی کافی گہرے ہیں اور یہ وہ اثرات ہیں جو فارسی کے وسیلے سے پیدا ہوئے۔ یہ بجائے خود ایک دلچسپ مطالعہ ہے جو بڑی توجہ کا محتاج ہے۔ اس ضمن میں بھی ابتدائی کام ہوچکا ہے بہر حال یہاں اتنا عرض کردینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں میں بہت سے نام ایسے ہیں جو زرتشتی اور قدیم ایرانی ہیں۔ یہ نام ان میں ہندوستانی زرتشتیوں کے ذریعے نہیں پھیلے بلکہ فارسی ادب کے ذریعے عام ہوئے۔ ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں :

ناهید ، خورشید ، تہمینہ[2] ، نوشابہ[3] ، رستم ، سہراب ، منیژہ ، جمشید ،
خسرو ، پرویز ، دارا ، سکندر ، شیریں ، فرہاد ، بہرام وغیرہ

۱۔ عود هندی ص ۳۰ ، دیوان غالب (شرح غالب) ص ۳۱۷
۲۔ رستم کی بیوی سہراب کی ماں
۳۔ ملک بردع کی شہزادی ۔ بردع آذر بائیجان کے حدود میں تھا ۔ (برہان ۲۵۲ ۔ ۲۵۳ حاشیہ)

مونس الاحرار مولفۂ احمد بن محمد کلاتی اصفہانی

«مونس الاحرار[1]» جس کا واحد نسخہ حبیب گنج کے کتابخانے میں موجود ہے، فارسی اشعار کی نہایت اہم بیاض ہے۔ اس کا مولف احمد بن محمد کلاتی اصفہانی ہے جس نے «حدائق السحر» مولفۂ رشیدالدین وطواط (م: ۵۷۳ھ۔ ۱۱۷۷) کے تتبع میں اسے مرتب کیا تھا۔ «حدائق السحر» میں ہر صنعت کی وضاحت کے لئے اساتذۂ سلف کے دو تین شعر بطور سند کے پیش کئے گئے تھے۔ کلاتی نے اساتذۂ سخن کے کلام سے صنائع و بدائع کے ہزاروں[2] شعر منتخب کرکے ایک مجموعہ تیار کیا اور اُس کا نام «مونس الاحرار فی دقائق الاشعار» رکھا اور پوری کتاب تیس باب میں منقسم کی۔ مرتب لکھتا ہے:

«خادم مخلص اضعف عباد اللہ الوہاب احمد بن محمد بن احمد بن محمد المعروف به کلاتی اصفهانی به محلۂ دردشت[3] از دواوین ملوک و حکما و اشعار امراء شعرا که مشهور بود، انتخابی کرد و مجموعۂ ساخت چنانکه از تمامی مصنوعات و لطائف و بدائع که رشید الدین در حدائق السحر یاد کرده ...... هم بدان صنعت بابی موضوع کرده تا از هیچ دقیقه و لطیفه بی نصیب نباشد .. و این مجموعه لطائف و این یار دلدار و حریف غمگسار و محبوب افاضل روزگار را مونس الاحرار فی دقائق الاشعار، نام کرده شد بترتیب سی باب . . . در روز پنج شنبه اول ربیع الآخر سنه اثنی وسبع مائة»

۱ــ مرزا محمد قزوینی نے مونس الاحرار پر جو مضمون «بیست مقاله» میں شائع کیا ہے وہ اسی قبیل کی ایک دوسری کتاب ہے جو اس سے تقریباً ۳۹ سال بعد میں مرتب ہوئی البتہ ایک نامعلوم مصنف نے اس پر ایک مفید مضمون شائع کیا ہے۔

۲ ــ مجموعے کی فنی حیثیت اتنی قابل توجہ نہیں ہے جتنی کہ وہ قابل قدر اشعار جو دیوانوں اور بیاضوں وغیرہ میں نہیں ملتے۔

۳ ــ آج کل یہ محلہ اسی نام سے باقی ہے، اصفہان کے شمال کے دو محلوں کے نام «جغرافیای مفصل ایران» (ج ۲ ص ۴۲۲) کی رو سے دردشت اور دروازۂ نو ہیں۔

اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ ۷۰۲ ھ (۱۳۰۲ ع) میں تیار ہوا تھا۔ لیکن اس مجموعے میں کچھہ اشعار ایسے ہیں جو یقیناً اس سنہ کے بعد کے ہیں۔ مثلاً ایک قصیدے کا عنوان یہ ہے:

«کلامی در مدح الجایتو سلطان غیاث‌الدین[1] محمد خدا بندہ طاب ثراہ»

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ کلامی نے یہ قصیدہ ۷۰۵ ھ اور ۷۱۶ ھ کے درمیان لکھا، کیونکہ یہی ایلخانی سلطان خدا بندہ کا دور حکومت تھا۔

۲۔ «طاب ثراہ» سے ظاہر ہے کہ اس مجموعے میں جب یہ قصیدہ شامل ہوا تو خدا بندہ وفات پا چکا ہے، بالفاظ دیگر ۷۱۶ ھ کے بعد یہ قصیدہ اس بیاض میں منتخب ہوا۔

ایک اور قصیدے کا عنوان[2] ملاحظ ہو:

«وله کلامی ایضاً در جلوس زبدۂ آل چنگیز خان ابو سعید خاں»

اس کے ذیل میں جو قصیدہ درج ہوا ہے، اس کے چند شعر یہ ہیں:

بیمن طالع و تائید لطف یزدانی — نشست شاہ جوان بر سریر سلطانی
بشہر یار جوان مملکت جوانی یافت — اگر چہ پیر بد این خاک تودۂ فانی
بیافت تاج و سریر و کلاہ زیب و شرف — چنانکہ رونق بستان ز باد نیسانی
شود کہ مور صفت بر میان کمر بندد — کہ تازہ شد اثر دولت سلیمانی
فروغ دیدۂ سلطان ابو سعید کہ ہست — باصل شاہ جہان و سکندر ثانی
بر آستان تو ای شاہ مصطفی سیرت — سزد کلامی اگر کردہ است حسانی
چہار سال کہ آمد برون ز اصفاہان — بسی کشید غم و محنت و پریشانی
بدان امید کہ با احتساب بستاند — ز یرلغ پدر آن پادشاہ ربانی
چنیں مصیبت ہائل ز غیب واقع شد — ز اقتضای قضاہا و حکم یزدانی
تواش بجای پدر ہمچنان بفرمایش — ز لطف یرلغ و انعامہای سلطانی

---

۱ — مثلاً دیکھئے یہ ابیات: (ص ۷۳۱)

کامران سلطان غیاث الدین محمد آنکہ یافت — بخت او پیروز بختی تخت او نیک اختری
اختر برج سپہر جاہ چنگیز خان کہ ہست — آفتابش در غلامی، آسمان در چاکری

۲ — ص ۷۳۳

ان اشعار سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ یہ قصیدہ ابو سعید خان پسر خدا بندہ کے جلوس کے موقع پر نظم ہوا اور چونکہ وہ ۷۱۷ ھ (۱۳۱۷ ع) میں تخت نشین ہوا ، اس سے طے ہوگیا کہ یہ قصیدہ اسی سنہ میں لکھا گیا اور کچھ دنوں بعد اس مجموعے میں شامل ہوا -

۳ - کلامی کا وہ قصیدہ جو شاہ علی وزیر کی مدح میں ہے ، وہ بھی «مونس الاحرار» میں شامل ہے۔ یہ قصیدہ اس طرح[1] شروع ہوتا ہے :

ز ہی بنای وزارت بجاہ تو آباد	نظیر ذات تو از مادر زمانہ نزاد
وزیر ملک علی شاہ خواجۂ عادل	کہ دست عدل تو داد دل زمانہ نداد
خدای داند و حقا کہ در زمانہ نبود	چو تو وزیر بہنگام کیقباد و قباد
زسعی رای تو سلطانیہ چو بغداد است	ولیک چشم اعادی چو دجلۂ بغداد
کلامی تو ازین سان کہ داد داد سخن	روا بود کہ نہ بیند ز دہردون بیداد

شاہ علی (متوفی ۷۲٤ھ) الجائتو کی حکومت کے زمانے میں ۷۱۲ ہجری میں سعد الدین ساؤجی کے قتل کے بعد رشید الدین فضل اللہ کے ساتھ وزارت میں[2] شریک ہوا ، اور ۷۱۸ ہجری میں ابو سعید کے عہد میں آخر الذکر کے قتل ہوجانے پر بلا شرکت غیرے وزارت کے منصب جلیلہ[3] پر فائز ہوا - اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ ۷۱۲ اور ۷۱۸ کے درمیان لکھا گیا بلکہ وزیر کی جیسی تعریف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا شرکتِ غیر وزیرالممالک تھا - اس قیاس کی صحت میں یہ قصیدہ ۷۱۸ ہجری کے بعد لکھا گیا ہوگا۔

٤- اس قصیدہ میں اپنے سلطانیہ جانے کا ذکر کرتا ہے ، اور جیسا کہ معلوم ہے اس نئے شہر کی بنیاد الجائتو کے زمانے میں ۷۱۰ ہجری[4] میں پڑی تھی - اس سے صاف طور پر معلوم ہے کہ «مونس الاحرار» میں ۷۰۲ ہجری کے بعد کی متعدد نظمیں شامل ہیں۔

ان امور کو مولف کی بیان کردہ تاریخ ترتیب سے مقابلے کرنے پر ان نتائج میں سے کسی ایک نتیجے کو قطعی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا :

۱- ممکن ہے اثنی اور سبع مائۃ کے درمیان کوئی لفظ رہ گیا ہو - چونکہ اس مجموعے کا کوئی اور نسخہ دریافت نہیں ہوسکا ہے اس لئے کتابت کی غلطی کا احتمال ختم نہیں ہوسکتا -

---

۱ مونس الاحرار ص ٤۷۲

۲ براؤن ،تاریخ ادبیات ایران ۳ : ۷۰

۳ ایضاً ص ۷۱

٤ ایضاً ص ٤۸

۲- ممکن ھے ۷۰۲ھ ترتیب کے آغاز کی تاریخ ھو اور خاتمہ بعد میں ھوا ھو- ایسا بھی ھوسکتا ھے کہ مذکورۂ بالا قصیدے اور اسی قسم کی دوسری اور نظمیں نظر ثانی کے وقت شامل کرلی گئی ھوں، کیونکہ مرتب کے حسب ذیل قطعے سے بظاھر ایسا معلوم ھوتا ھے کہ کلامی اس کا دوست تھا، اور دوست کے کچھہ اشعار کا نظر ثانی کے وقت شامل بیاض کرلینا بعید از قیاس نہیں ھوسکتا-

ولہ (کلاتی) ۲۰، ۳۰، ۱، ۴۰، ۱۰

مال تصغیر قلب کن پس از آن	حرف یا را در آخرش بنگار
اسم یار است نام پیشۂ او	الفی درمیان موی گذار (کذا)

آخری مصرعہ واضح نہیں ھے، پھر بھی پہلے تین مصرعوں اور اوپر جو اعداد ھیں ان سے کلامی کا مرتبِ کتاب (کلاتی اصفہانی) کا دوست ھونا پوری طرح ثابت ھے-

۳- ممکن ھے کہ یہ مجموعہ کافی بعد میں تیار ھوا ھو اور مرتب نے غلط تاریخ درج کردی ھو- اس کا خفیف سا شبہ جو پیدا ھوا اس کے قرائن یہ ھیں:

۷۴۱ھ (۱۳۴۰ع) میں[1] محمد بن بدر جاجرمی نے بھی ایک مجموعہ «مونس الاحرار فی دقایق الاشعار» نام سے تیار کیا، جس کا مقدمہ تمام کا تمام کلاتی کے مقدمے میں شامل ھے، مزید براں ابواب کی تقسیم و ترتیب اور اشعار کے انتخاب میں بھی یہی بات نہایت واضح طور پر نمایاں ھے- اس سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ھے کہ دونوں میں سے ایک نے سرقہ کیا ھے- چونکہ محمد بن بدر جاجرمی کا مجموعہ ۷۴۱ھ کے قریب مرتب ھوا اور احمد کلاتی نے اپنے مجموعے کی تاریخ ۷۰۲ھ دی ھے، اس لئے اول الذکر پر الزام عاید ھوتا ھے- لیکن اس کے باوجود اس کو کئی اعتبار سے احمد کلاتی پر تفوق حاصل ھے:

۱ — وہ احمد کلاتی کے مقابلے میں زیادہ مشہور ھے، اس کا باپ تو

---

۱ — نسخۂ کور کیان کے آخر میں یہ رباعی ھے:

در ھفتصد و چل بود ویک اندر رمضان	مہر اندر حوت ماہ اندر سرطان
بر دست محمد بن بدر شاعر	مجموعہ تمام شد بفضل یزدان

مرزا محمد قزوینی کا خیال ھے کہ یہ خود محمد جاجرمی کا اپنا نسخہ ھے اس سے اس کو سال تالیف اور سال کتابت دونوں سمجھنا چاھئے

اپنے دور کے ممتاز شاعروں میں تھا۔ وہ خود شاعر اور فاضل تھا، اور حمداللہ مستوفی، خواجوی کرمانی، اوحدی اصفہانی اور سلمان ساوجی[1] کا معاصر تھا۔

۲ـــ «مجمع الفصحا» کے مقدمے[2] میں اس کتاب کا ذکر تذکرہ کی حیثیت سے ہے، مگر قرائن ایسے ہیں جن کی بنا پر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ «تذکرۂ مونس الأحرار» سے یہی کتاب مراد ہے، دوسری نہیں۔ علاوہ اور قرائن کے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک مولف اپنی دو کتابوں کو ایک ہی نام دے۔

۳ـــ اس کتاب کے کئی نسخے مل گئے ہیں، چنانچہ حسب ذیل نسخوں کی مدد سے میر صالح طبیبی نے تہران سے جز اول[3] شائع کردیا ہے۔

(الف) عکس نسخۂ کورکیان

(ب) نسخۂ کتابخانۂ ملک تہران

(ج) نسخۂ کتابخانۂ آستان قدس مشہد

(د) نسخۂ کتابخانۂ آقای نفیسی تہران

(ہ) جزوے شامل فہرست و بعضی ابواب ساقطہ، کتابخانۂ دانشکدۂ ادبیات تہران

۴ـــ کم از کم ایک نسخہ مولف کی حیات ہی کا موجود ہے۔ مرزا محمد قزوینی کا بیان سنئے[4]:

«نسخۂ (کورکیان) کہ عکس حاضر از روی آن برداشتہ شدہ است بظن قوی متاخم بعلم نسخۂ اصلی است یعنی بخط خود مولفِ کتاب محمد بن بدر جاجرمی شاعر است کہ آن را از اول تا بآخر بخط دستی خود کہ خط نسخ خوش ملیحی بود است، بشیوۂ خطوط آن عصر نوشتہ و در ماہ رمضان ہفت صد و چہل و یک ہجری آن را باتمام رسانیدہ است... و علاوہ بر این وضع خط و کاغذ و مرکب و صور نقاشی و بعضی املاہای مخصوصۂ کلمات ہمہ از ممیزات و خصوصیات نسخ آن عصر است و ہمہ قرینۂ واضحہ است بر این کہ این نسخہ بدون ہیچ شک و شبہہ موخر از قرن ہشتم ممکن نیست استنساخ شدہ باشد»

بہر حال ان امور کی بناپر دونوں کے تقدم و تاخر کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ

---

۱ ــ دیکھئے «بیست مقالۂ قزوینی» ص ۱۸۴ ۲ چاپ جدید/ جلد اول ص ۱۱

۳ ــ دیکھئے مقدمۂ مرتب ص ث ۴ «بیست مقالۂ قزوینی» ص ۱۸۶ـ۱۸۷۔ سب سے پہلے مرزا محمد نے بیست مقالہ کے ذریعے اس مجموعے کی اہمیت و قدر و قیمت سے روشناس کرایا تھا۔

نہیں کیا جاسکتا ۔ کلاتی کے خلاف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس نے اپنے دیباچے کا حسب ذیل جملہ دیباچۂ « گلستان سعدی »[1] سے صراحۃً نقل کرلیا ہے :

« باد خزان را برورق او دست تطاول نیا شد و گردش زمان عیش ربیعش را بطیش خریف مبدل نکند » ۔

لیکن ساتھ ہی غزل کے بجائے قصیدہ پر ایک باب قائم کرنے سے کلاتی کے نسخے کی تقدم کا استدلال کیا جاسکتا ہے ، علاوہ بریں آٹھویں صدی ہجری کے شعرا کے کلام سے نسخۂ کلاتی محفوظ ہے جبکہ اس کے برعکس جاجرمی نے خواجوی کرمانی (متوفی ۷۵۳ھ ۔ ۱۱۵۲ع) اور عماد کرمانی (م : ۷۸۳ھ ۔ ۱۱۷۱-۷۲) کا کلام اپنے مجموعے میں داخل کیا ہے ۔

اب ذیل میں دونوں دیباچوں کے ابتدائی اور آخری حصے بالمقابل درج کئے جاتے ہیں تاکہ صحیح طور پر اندازہ ہوسکے کہ ان دونوں میں سے کسی نے قطعی سرقہ کیا ہے :

کلاتی

سپاس و ستائش بی نہایت بادشاہی راکہ صفتی از صفات کمالش جود است، و حمد و ثنای بی غایت پروردگاری راکہ یک خلعت از خزانۂ کرمش وجود ، مہر از حقۂ فطرتش مہرۂ ، دریای جود از ابر امرش قطرۂ ، عقل در ادراک صفاتش حیران ، و چرخ در ازاء قدرتش سرگردان ، قادری کہ گردِ عجزگرد سرا پردۂ کبریاش محیط نگردد ، دانندۂ کہ رموز نقوش نظرات لوح ضمیر بندگان از علم او مخفی نماند چنانکہ در قرآن مجید فرمودہ است کہ « یعلم خاینۃالاعین و ماتخفی الصدور » ۔ بالا و نشیب ہست کردۂ جباری اوست ، و روشن و تاریک نشان قہاری او ۔ « الا لہ الخلق و الامر ، تبارک اللہ رب العالمین »

———

جاجرمی

سپاس و ستائش بی نہایت بادشاہی را کی صفتی از صفت کمالش جود ست ، و حمد و ثنای بی غایت پروردگاری را کی یک خلعت از خزانۂ کرمش وجود ، مہر از حقۂ فطرتش مہرۂ ، دریای جود از ابرامرش قطرۂ ، عقل در ازاء صفاتش حیرانی ، چرخ در ادراک قدرتش سرگردانی ، قادری کی گرد عجز گرد سرپردہ اش محیط نگردد ، دانندۂ کی رموز نقوش نظرات لوح ضمیر بندگان از علم او مخفی نماند چنانکہ در قرآن مجید میفرماید « یعلم خانیۃالاعین و ماتخفی الصدور » ۔ بالا و نشیب کردۂ جباری اوست، روشن و تاریک نشان قہاری او ۔ « الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین »

———

۱ ــــ دیکھئے کلیات چاپ تہران ص ۹

و یقین بنده آنست که امروز در علم شعرو شاعری مجموعهٔ بدین جزالت موجود نیست و درستی این بمطالعه و مقائسه مفهوم گردد و درباب لغت فرس بتمامی و عروض نوشته شد که اصحاب این صناعت را از آن ناگزیر باشد و این مجموعه بلطائف و این یار دلدار و حریف غمگسار و محبوب افاضل روزگار را مونس الاحرار فی دقائق الاشعار نام کرده شد بترتیب سی باب . ...

درشب پنج شنبه اول ربیع‌الآخر سنه اثنی و سبع مائة ـ التماس از اهل فضل آنست که بوقت مطالعت هرکجا سهوی بینند از روی کرم در صحت آن کوشند، باری سبحانه و تعالی چشم اهل فضل را بجمال مطلوب مکحل گرداناد بحرمت‌النبی‌المختار و آله الاخیار :

چو فهرست بیند هنر مند مرد
بسهوی نگیرد بر آنکس که کرد
معانی بجوید از آن کالبد
ببندد همی چشم از قال بد
زجد و زهزلش برآید مراد
مراورا ز هردو برآید مراد
چو نیکوست جد، هزل هم بدمگیر
که درزیر ابراست بدر منیر
گل و خار باهم در آید بباغ
د خانست وپس نور روشن چراغ
من ابن بیتها را ابرباب (کذا) باغ
نوشتم که باشد سوءالعین داغ

و یقین خادم آنست که امروز در علم شعر و شاعری مجموعهٔ بدین جزالت موجود نیست و درستی این معنی بمطالعه معلوم گردد و این مجموعه را مونس‌الاحرار فی دقایق الاشعار نام کرده شد و برسی باب نهاده آمد.

التماس از اهل فضل آنست کی بوقت مطالعه هر کجا سهوی باشد از روی کرم صحت واجب شناسند . . .

شعر

و عین‌الرضا من کل عیب کلیلة
ولکن عین السخط تبدی المساویا

باری سبحانه و تعالی چشم اهل فضل بجمال مطلوب مکتحل گرداناد بحرمت‌النبی‌المختار :

شعر

چو فهرست بیند خرد مند مرد
بسهوی نگیرد بر آنکس کی کرد
معانی نجوید از آن کالبد
به بندد همی چشم از قال بد
زجد و زهزلش برآید مراد
مراورا ز هر دو برآید مراد
چونیکوست جد هزل هم بدمگیر
کی در زیر ابراست بدر منیر
گلی و خار باهم ندیمند بباغ
دخانست بس نور بخش چراغ

دونوں دیباچوں کی نثر و نظم اور عربی عبارات یکساں ہیں، آخر میں صرف چند جملوں کا الٹ پھیر ہے، یہ یکسانیت توارد نہیں سرقہ ہے، لیکن اس صریح سرقے کے باوجود ہمارے پاس ایسے قرائن نہیں کہ قطعی طور پر حکم لگایا جاسکے کہ دراصل مقدمہ کس نے لکھا اور کس نے اس کو نقل کرلیا۔

کلاتی اور جاجرمی کی نوعیت اور طرز و اسلوب کا ایک مجموعہ علی بن محمد المشتہر بتاج حلاوی نے مرتب کیا۔ ایک نا معلوم مضمون نگار کے بقول « وہ آٹھویں صدی کا غیر مشہور شاعر ہے جس کے ابواب کی ترتیب بالکل کلاتی کے مطابق ہے » ۔ دونوں میں صرف تین[1] چار جگہ تھوڑا سا فرق ہے ۔ کلاتی کا ٢٤ واں باب طرد و عکس و ردالعجز پر مشتمل ہے، حلاوی نے اس کا الگ باب قائم نہیں کیا ہے ۔ البتہ کلاتی کے ٢٥ویں باب کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے ۔ اس طرح عیدین کے اشعار مراثی سے الگ ہو گئے ہیں ۔ کلاتی کا ٢٩ واں باب قلندریات و ہزلیات سے متعلق ہے، حلاوی کے یہاں یہ باب غزلیات کے لئے مخصوص ہوگیا ہے اور تیسویں باب میں عروض کے بجائے مدخل نجوم و تعبیر منظوم کو شامل کرلیا ہے ۔ علاوہ بریں کتاب کے آخر میں ایک معتدبہ حصہ اضافہ کرکے اس کو محض رباعیات سے مخصوص کیا ہے ۔

حلاوی نے ٥٧ شاعروں[2] کا انتخاب شامل کیا ہے جن میں بنت کعب، بدر الدین صاحب ایران، بہرامی، سراجی، سیف الدین اعرج، شجاعی، نجم الدین رازی اور ہمام الدین تبریزی کا کلام کلاتی کے مجموعے میں نہیں ۔ باقی ٤٩ شاعر[3] وہی ہیں جو کلاتی کے یہاں مذکور ہیں اور دونوں میں بیشتر کلام یکساں ہے ۔

اگرچہ نامعلوم مصنف نے کلاتی کے مجموعے کو اصل اور جاجرمی اور تاج حلاوی کو نقش ثانی بتایا ہے لیکن میرے پیش نظر کوئی ایسی قطعی بات نہیں جس سے حلاوی کے مجموعے کے تاخر زمانی پر استدلال کیا جاسکے سوائے اس کے کہ ابواب کی ترتیب اور منتخب کلامی کی یکسانیت کے پیش نظر حلاوی کے مجموعے کا نام کلاتی سے مستفاد سمجھنا چاہئے اور اسی بنا پر اس کو اول الذکر پر تقدم زمانی[4] حاصل ہوگا ۔

---

١ ــ انھوں نے صرف باب سی ام میں فرق بتایا ہے، لیکن ان کی دی ہوئی فہرست سے مقابلہ کرنے پر اور فرق معلوم ہوئے ۔ ٢ ــ مضمون نگار کی دی ہوئی تعداد ہے، انھوں نے کلاتی کے ١٠١ معلوم شاعروں کے بجائے ٧٦ اور جاجرمی کے ٢٢١ کے بجائے ٢٠٤ تعداد لکھی ہے، علاوہ بریں شاعروں کے نام کہیں کہیں غلط درج ہو گئے ہیں ۔ ٣ ــ مضمون نگار نے صرف ٤٢ شاعر مشترک بتائے ہیں ۔ ٤ ــ حلاوی کے مجموعہ کا ایک نسخہ اکسفورڈ میں موجود ہے مگر نا معلوم مصنف کے بیان کے مطابق فہرست نگار کا یہ بیان کہ وہ بارھویں صدی کے تذکرہ نگار عبدالوہاب بےنظیر کی تالیف ہے، غلط ہے ۔

چونکه مصنف مذکور کے سامنے تینوں مجموعے تھے ممکن ہے ان کا فیصلہ کسی خاص بنیاد پر ہوا ہو ۔ البتہ یہ بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح کلاتی اور جاجرمی کے متعلق یہ طے ہے کہ ایک نے دوسرے سے محض استفادہ نہیں بلکہ سرقہ کیا ہے ، اسی طرح کلاتی اور حلاوی کا معاملہ ہے ۔ خواہ حلاوی نے کلاتی سے استفادہ کیا ہو ، یا اس کے برعکس صورت ہو۔ مگر اس استفادے میں سرقہ کا الزام نہیں عائد ہوسکتا کیونکہ حلاوی کا دیباچہ مختلف ہے جس کے چند جملے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :

بندۂ ضعیف نحیف علی بن محمد المشتہر بتاج الحلاوی را بر علم دقائق شعر عبوری افتاده بود ، و بر فن حقائق نظم عثوری حاصل شده بواعث همت و دواعی نہمت بعضی از مخادیم و اصحاب ترتیب تحریص نمود بر ساختن مجموعۂ که مستجمع مصنوعات دری و مستودع ابیات فارسی باشد۔ اگرچه بزرگان در استحداث ایں انواع تطویل کرده اند و در استخراج این اقسام اطناب نموده . . . چنانکه مصنف کتاب حدایق السحر ، استاد رشید الدین وطواط . . . . اما سبب این مستشہدات که در این زمان غیر مصطلح و لغات و ابیات که در این وقت غیر متداول است ، بیشتر خاطر از تکرار آن ملول گشته و نفرت گرفته ۔ این بندۂ فقیر . . . از لطایف اشعار استادان التقاطی کرد و از خرمن ابشان خوشۂ برچید و آنچه در این باب از آن چاره نباشد و سخن شناسان ماهر اختیار کرده اند ، اعتبار کرد ۔ لا تطویل ممل ولا تقصیر مخل این مجموع ساخت و این بضاعت مزجات و نقد بی ارج را دقایق الاشعار نام کرد ۔

کلاتی کے حالات زندگی پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے ۔ تذکروں اور تاریخوں میں اس کا ذکر عام طور نہیں ملتا ۔ البتہ « مونس الاحرار » کے ۲٦ ویں باب کے ذیل میں اس نے « لکاتبہ » کے عنوان سے اپنا مختصر سا کلام درج کیا ہے جو اگرچہ شعری اعتبار سے کچھ بھی قابل لحاظ نہیں لیکن اس سے بعض مفید باتیں معلوم ہوئیں ۔ مثلاً

شاعری میں اسے لغز و معما سے دلچسپی تھی ، اگر ایسا نہوتا تو دوسرے ابواب کے تحت بھی اپنا کلام درج کرتا ۔

بعض اشخاص جن سے کلاتی کی وابستگی تھی ان میں حسب ذیل کے نام آئے ہیں :

کسی «ابو المجد» کو وہ بزرگ اور بزرگوار کہتا ہے[1] :

چیست اسمی بزرگوار و بزرگ	کز عدد فا و زا بود بشمار
اوّل و رابعش یکی را دان	دویم دو و ثالثش دو و چار
هشمتش باز عشر حرف ششم	هفتمش سه و پنجمین سی آر
هشت حرفست جمع آن تو بدان	که بود نام سرور احرار

کسی «یوسف» کو سرور[2] قرار دیتا ہے :

از تهجی تو چار حرف بیار	که بود جمع .. آن بشمار
اولش یا و چارمش فا گیر	دویمش عشر از سوم بنگار
جمع گردان حرر فها را پس	که بود اسم سرور عیار

کوئی «کلامی» نامی شاعر اس کا دوست[3] تھا ، اور غالباً وہ مولانا لطیف الدین کلامی اصفہانی ہے جو ایلخانی سلاطین خدا بندہ اور ابو سعید کے دربار سے متعلق تھا ، جس کے متعدد قصیدے کلاتی نے نقل کئے ہیں اور جس کے متعلق شروع میں اشارہ کیا جاچکا ہے ۔

کسی «حسن» نامی کو اس[4] بیت میں اپنا دوست بتاتا ہے :

گرت از نام یار نیست گزیر	عدد هشت را بدندان گیر

ایک لغز میں[5] اس نے «اسم و القاب مہتری» کا ذکر کیا ہے ۔ اس سے «حیدر نظام دین» نکلتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے ان کا نام حیدر اور لقب نظام الدین تھا ۔

عنب (: انگور) پر ایک لغز اس طرح نظم[6] کرتا ہے :

چیست آن بینی که در فصل خریف	چون رسد آن میوهٔ باشد لطیف
معتدل باشد بطبع و ساز دار	بی گنه آویخته یکسر بدار
رنگهای مختلف باشد همه	همچو مروارید و یاقوت و شبه
سود مند است آن بنزد خاص و عام	نزد ایشان هم غذا وهم ادام
مادر سه دختر است آن یکسره	یک نکو بخت و یکی شوم و شره
ز آن یکی آرد حلاوتها بکام	و آن دگر باشد همی نعم الادام
پس سیم ام الخبائث نام او	شور بختی کافتد اندر دام او
مصطفی آن را جماع الاثم خواند	شارب او هم بدوزخ در بماند
بشنو این مرموز خوشتر از رطب	تا بدانی در عرب اسم العنب

---

۱ ــ مونس الاحرار ص ۱۲۶٤ ۲ ــ ایضاً ۳ ایضاً ۱۲٦٥ ٤ ــ ایضاً ٥ ــ ص ۱۲٦۷ ٦ ــ ٦٧-۱۲٦٦

اس سے زیادہ کلاتی کے متعلق کچھ اور نہیں معلوم ہے۔ اب اس کی تالیف «مونس الاحرار» کی اہمیت پر کسی قدر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔

بدر جاجرمی کی کتاب جس کے کافی مطالب کلاتی کے نسخے میں شامل ہیں، اس کے متعلق مرزا محمد قزوینی کا بیان[1] یہ ہے:

«ولی اگر از جنبۂ شاعریت او چشم پوشیده اشعار خود را موقعةً کنار بگذاریم و فقط سلیقۂ او را در طرز تالیف و ترتیب این کتاب مقیاس حکم قرار دهیم میتوان گفت که الحق در انتخاب مبسوط و مفصل این همه قصاید غرا و غزلیات و مقطعات و رباعیات از این همه شعراء فارسی زبان و مخصوصاً از اساتید قدما که اکنون اغلب اشعار ایشان از میان رفته است بلکه حتی اسامی بسیاری از ایشان نیز در عصر ما بکلی از اذهان فراموش شده است، مؤلف خدمت بسیار بزرگی بزبان فارسی و ادبیات فارسی نموده است و ایرانیان بغایت شکرگزار کسی باید باشند که آثار دویست نفر از شعراء ایشان را از اقدم القدما گرفته الی شعراء قرن هشتم در بطون دفاتر مخلد نموده است و اقلاً این مقدار از آثار ادبی ایران را (اگرچه در جنب آنچه از اشعار شعراء ما از میان رفته است کقطرة من بحر او کحلقة فی فلاة می باشد) از تلف ابدی نجات داده است»

تقریباً یہی خصوصیات کلاتی کے بھی مجموعے کی ہیں۔ مگر یہ اجمال بڑی تفصیل کا محتاج ہے، جس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ «مونس الاحرار» کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ صرف اس وقت لگایا جا سکتا ہے جب اس کے مطالعے کے وقت حسب ذیل امور پیش نظر رکھے جائیں۔

۱۔ صاحب دیوان شعرا کے دیوانوں سے «مونس الاحرار» کے مطالب کا مقابلہ کرکے یہ معلوم کرلیا جائے کہ اس میں کتنا ایسا کلام ہے جو دواوین میں نہیں پایا جاتا۔

۲۔ غیر معروف شعرا کے جو اشعار اس میں درج ہیں ان کا مقابلہ تذکروں، بیاضوں، تاریخوں اور فرہنگوں میں نقل شدہ اشعار سے کیا جائے۔

۳۔ ایسے شاعروں کا تعین کیا جائے جو سوائے اس مجموعے اور کہیں مذکور نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مجموعے کا اس طرح مطالعہ کافی صبر آزما ہے جس کے لئے بڑی

۱۔ بیست مقالۂ قزوینی ص ۱۸۶

مدت درکار ہے ، البتہ تھوڑی سی توجہ سے یہ بات واضح طور معلوم ہو سکیگی کہ اس سے فارسی ادب میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے ۔ اس کی کسی قدر تفصیل درج کی جاتی ہے :

(۱) اہم شاعروں کا زائد یا قابل ذکر کلام :

۱ ۔ ابوالفرج رونی (م : ۴۹۰ ھ) کا یہ قصیدہ مطبوعہ دیوان[1] میں نہیں ہے :

گرمایه گیرد از رخت ای دلبر افتاب

عاشق شود زمانه بصد دل بر آفتاب — ص ۹۰۳

یہ قصیدہ شمس الدین کی مدح میں ہے ۔ (دریای فضل و گوهر افضال شمس دین الخ)۔

۲ ۔ اسدی طوسی (م : ۴۶۵ ھ) کا قصیدہ[2] « در مناظرۂ عرب و عجم » عام طور پر نہیں ملتا :

روزی من و جوقی عرب جلد و سخندان

بودیم به بزم مهی از می خوش و خندان — ص ۱۶۳

۳ ۔ ابو المعالی رازی (م : ۵۴۱ ھ) کا یہ قصیدہ[3] نہایت کمیاب و اہم ہے :

گر مشک زره وار بود ماه زره ور

ور سیم سمن‌بوی بود سرو سمن بر — ص ۴۷۹

۴ ۔ سنائی غزنوی (م : بعد ۵۲۸) کے نام ۱۵ قصیدے اور ایک مسمط نقل ہیں، یہ سب دیوان میں موجود ہیں ، مگر حسب ذیل قطعہ دیوان میں نہیں ملتا :

آن زمان شد که شاعران گفتند خواجگان تیغ آز را سپرند (ص ۱۳۱۱)

علاوہ بریں ایک قصیدہ شمس طبسی کے نام سے غلط درج ہے ۔ بات اصل یہ ہے کہ پہلے شمس طبسی کے نام کا ایک قصیدہ ہے ، اس کے بعد مسلسل تیں بار « وله » آیا ہے ،

---

۱ ۔ ابوالفرج کے دو مشہور قصیدے ۔ گرفت مشرق . . . سوار آتش و آب ، (دیوان ص ۱۵) اور قبول یافت . . . اختر آتش و آب دیوان ص ۱۷) شمس طبسی کے نام سے درج ہوگئے ہیں ۔ (مونس الاحرار ص ۹۲۴ ، ۹۲۵)

۲ ۔ اس کے چار مناظرے ، مناظرۂ آسمان و زمین ، مناظرہ مغ و مسلمان ، مناظرۂ نیزہ و کمان، مناظرۂ شب و روز مجمع الفصحا میں مذکور ہیں (چاپ جدید ص ۲۸۸ ۔ ۲۹۶) لیکن بدیع الزمان فروزانفر نے سخن و سخنوران (۲ : ۸۹ ۔ ۹۴) میں بعض کی نسبت غلط بتائی ہے ۔ آخری نظم تذکرۂ دولت شاہ (ص ۳۶ ببعد) میں بھی نقل ہے ۔ مونس الاحرار میں آخری مناظرہ کے بجائے مناظرۂ عرب و عجم ہے ۔ اس مناظرہ کا براون نے ذکر کیا ہے ۔ تاریخ ادبیات ایران (۲ : ۱۴۹)، تاریخ ادبیات در ایران موافۂ دکتر صفا (۲ : ۴۰۷) ۔

۳ ۔ یہ قصیدہ نہ اباب الالباب ۲ ، ۲۲۸ میں ہے اور نہ مجمع الفصحا (ص ۱۹۷) میں ۔ ڈاکٹر صفا نے اس کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں (۲ : ۶۰۳) ۔

اور تین قصیدے « آتش و آب » ردیف کے درج ہوئے ہیں - ان میں سے پہلے دو مسعود سعد سلمان کے ہیں اور آخری سنائی کا ہے ، جو عمیدالشعرا سید محمد ناصر علوی کی مدح میں ہے اور جس میں اس طرح کے اشعار ممدوح کا پتا دیتے ہیں :

چو طبع سید گردد چمن بزینت و فر   چو عدل سید گردد برابر آتش و آب
سر محامد سید محمد آنکه شدست   باند همت و نظمش بگوهر آتش و آب

مطلع یه ہے : بتی که گر فگند یک نظر بر آتش و آب
شود ز لطف جمالش مصور آتش و آب ـ   ص ۹۲۷

۵ ـ سید حسن غزنوی (م : ۵۵۵ ھ) کی حسب ذیل نظمیں بعض لحاظ سے اہم ہیں :

آن دلبری که خوبی بسیار یار اوست   دردا که در دلم همه پیکار کار اوست ص ۱۰۷٤

مگر یه ترکیب دیوان قطران (ص ٤٤۰) میں شامل ہے گو دیوان قطران کے صرف ایک نسخے کی بنا پر مطبوعه دیوان میں شامل ہوا - یه ترکیب بند امیر ابراہیم بن حسن کی مدح میں ہے لیکن یه نام دیوان قطران میں کہیں اور نہیں آیا ہے - مطبوعه نسخے کے حاشیه میں لکھا ہے که مرحوم کسروی در شہر یاران گمنام در چند ابراهیم نام می برد که بسلطنت رسیده اند ولی نام پدر هیچ یک را حسن نمی نویسد ، سید حسن غزنوی کے ممدوحین میں بھی اس نام کا کوئی امیر نہیں ملتا - ایک قابل ذکر بات یه ہے «مونس الاحرار» میں اس نظم سے پہلے قطران ہی کی ایک اور نظم ہے :

تا بدیدم[1] آن گل رخسارت ای عیار یار
در دل من خست از غم ای بت فرخار خار   (۱۰۹۳)
مستست خفته ماه تو در بوستان ستان
بوسه ستان و زان مه خفته ستان ستان   (۱۰۹٤)
هست شکر بار یاقوت تو ای عیار یار
نیست کس را نزد آن یاقوت شکربار بار   (۱۰۹۵)
سپهر مهر مکارم زمانه کرد خطاب
سپهر مهر مکارم نصیر ملک و ملک   (۱۱۹۷)

پہلے قصیدے کے سامنے کسی نے پنسل سے ظہیر فاریابی لکھ دیا ہے ، لیکن

---

۱ ـ قطران کے ایک ترکیب بند کا دوسرا بند دیوان ٤٤۳ اس طرح شروع ہوتا ہے :
گل برون آمد ز پرده چون تو ای عیار یار   همچو من نالید بلبل بر سر گلزار زار -

ظہیر کے دیوان میں جو تہران سے ابھی شائع ہوا ہے ، ان میں سے کوئی قصیدہ موجود نہیں ہے۔

٦ ۔ خاقانی شروانی (م: ۵۹۵ ھ) کا یہ مرثیہ مطبوعہ دیوان میں نہیں ہے:

همیشه تا جهان بوده و زین پس تا جهان باشد

نباشد این غم‌ان کس را نه کس را این غمان باشد (۱۲٤۱)

۷ ۔ عثمان مختاری (م: ۵۳۵ یا ۵۵۲ھ) کے چند قصائد اور ایک ترجیع بند « مونس الاحرار » میں نقل ہیں۔ ان میں سے سب مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں۔ البتہ قصیدۂ ذیل دیوان کے صرف ایک[۲] نسخے میں پایا جاتا ہے ، اس بنا پر اہم ہے:

ای طرب انس و جان نگار وفادار ماه منی ای پسر بچهره و دیدار (ص ۱۱۳۳)

۸ ۔ عسجدی مروزی (م: بعد ٤۳۲ ھ) کا یہ قصیدۂ مصنوع[۲] کافی اہم ہے:

باران قطره قطره همی بارم ابر وار هر روز خیره خیره ازین چشم سیل بار

یہ قصیدہ چند کتابوں میں درج ہے ، مثلاً لباب‌الالباب ، عرفات‌عاشقین ، مجلۂ ارمغان سال ۲٤ شمارۂ ۷ ، ۸ ، اور «مونس‌الاحرار» مولفۂ بدر جاجرمی ۔ لیکن عباس اقبال آشتیانی نے « حدائق‌السحر » کے حواشی میں اس کی کمیابی کا ذکر اسطرح کیا ہے: بعضی از ابیات این قصیده مغلوط و معنی آن نامفهوم است ، چون نسخهٔ دیگری ازآن نداشتیم تصحیح آنها میسر نگردید ،

۹ ۔ عنصری (م: ٤۳۱) کے ۱٤ قصیدے اس مجموعے میں موجود ہیں جن میں چھہ قصیدے قدیم مطبوعہ دیوان میں نہیں پائے جاتے اور دو ظہیر فاریابی کے ضمن میں نقل ہوگئے ہیں ۔ لیکن ان دونوں کی نسبت ظہیر کی طرف قطعاً غلط ہے کیونکہ اولاً دونوں سلطان یمین الدولہ محمود کی مدح میں ہیں اور ظاہر ہے کہ ظہیر محمود سے تقریباً ۲ صدی بعد کا شاعر ہے ۔ ثانیاً یہ دیوان ظہیر میں موجود بھی نہیں ہیں ۔ ذیل میں دونوں قصیدوں (ص ۸۳٦، ۸۳۹) سے چند ضروری شعر درج کئے جاتے ہیں:

تا همی جولان زلفش گرد لالستان بود عشق زلفش را بگرد هر دلی جولان بود

یمن دادش تا یمین دولت عالی شود امن دادش تا امین ملت و ایمان بود

جاودان فرمان روا باد و همی گوید فلک تا مرا دوران بود محمود را فرمان بود

---

۱ ــ دیکھئے دیوان مطبوعہ تہران (بکوشش همایون فرخ ص ۱۲۱)

۲ دیکھئے صفا : تاریخ ادبیات در ایران ۱ : ۵۷۸

ماه رخسارش همی در غالیه پنهان شود   مشک زلفینش همی بر لاله شادروان شود
خسرو مشرق یمین الدوله آن کز تیغ او   هر چه دشوار است بر دولت همی آسان شود

چھ زاید قصیدوں کے مطلعے اس طرح شروع ہوتے ہیں :

ابر سیمابی اگر سیماب ریزد بر گهر	۵۱۳
جهان تا شد برو عاشق جمالا	٦٨٦
گه آن آراسته زلفش زره گردد گهی چنبر	۷۵۹
بهار و زینت باغی نه باغ بلکه بهار	۷٦۱
گر از عشقش دلم باشد همیشه زیر بار اندر	۱۱۱٦
بگرد بادل تو ای ملک وفا بیعت	۱۱۱٦

۹ - قطران تبریزی (م : بعد ٤٦٦ ھ) کے حسب ذیل قصیدے مطبوعہ دیوان میں نہیں ملے :

دل من دلبری دارد که نفروشم بصد جانش هزار آرام دارد جان ز لؤلؤ پوش مرجانش	۵۳٦
دو نوبهار پدید آمدند ز اول سال ز فصل سال و ز وصل شه ستوده خصال	۷۷٤
بر مه رخشان دو زلف و دست مشک[1] افشان کند تیره شبها را فروغ دو رخش رخشان کند	۹۷۱

۱۰ - کمال اسماعیل (م : ٦٣۵ ھ)

تا زبانم بکام جنبان است در ثنای رئیس لنبان است	۱۳۱۲

یہ سو ابیات کی هجویه مثنوی ہے جو دیوان کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے -

۱۱ - مسعود سعد سلمان (م : ۵۰۵) کی حسب ذیل نظمیں مطبوعہ دیوان میں نہیں ہیں :

جیش شهست خیز نگارا بیار می	سستی مکن بوقت بهاران بکار می	۲۷۸
آمده تازه بهار خرم و خوش ای نگار	آنچه بر و جان و دل تازه شود دربهار	۲۸۱
شد چو بهشت برین روی زمین از بهار	باد صبا جلوه کرد روی گل کامگار	۲۸٤
در درد خیر کند عشق خار خار	با رنج دیر دیر کند صبر دار دار	۱۰۷۰
دی مرا گفت خواجهٔ که ترا	روزها شد که . سیم و زر ناید	۱۳۱۲
این سدید و نجیب هر دو غرند	این یکی عور و آن دگر هندو	۱۳۱۲

۱ اس بحر اور ردیف و قافیه کے تین قصیدے دیوان میں موجود ہیں (ص ۸۵، ۸۹، ۹۲)

ان چند شاعروں کے اشعار کے مقابلے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ «مونس الاحرار» سے فارسی ادبیات میں قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے ، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خود «مونس الاحرار» کے مولف کا بیان (کم از کم جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس کے اعتبار سے) ہرگز ہر طرح کے سقم سے پاک نہیں ہے، لیکن یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان زائد اشعار کی موجودگی سے یہ بات ثابت ہے کہ تحقیق متن کا سلسلہ منقطع نہ سمجھنا چاہئے -

(۲) ہندوستانی فارسی ادب :

ہندوستانی فارسی ادب کے خزانے میں اس کی رو سے گرانقدر اضافہ ممکن ہے ، چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

۱ - برہان الدین بزاز دہلی[1] کے ممتاز فقیہ تھے ، عہد بلبنی میں ان کو امتیاز حاصل ہوا - برنی لکھتا ہے[2] :

« و ہم در عصر بادشاهی بلبن چندین علمای سرآمده که از نوادر استادان بودند ، در صدر افادت سبق می گفتند چنانکه مولانا برهان الدین بلخ و مولانا برهان الدین بزاز و مولانا نجم الدین دمشقی الخ » -

لیکن جو نظم « مونس الاحرار » میں درج ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بزاز کا تعلق عہد شمسی (۶۰۷ - ۶۳۳) سے بھی تھا - اس نظم[3] کے چند شعر ہدیۂ ناظرین ہیں :

روز نوروز است کم کن ای بت طناز ناز
همچو بلبل در نواها پردهٔ دمساز ساز

بر من ارچه رفت حیف ای جان نجویم جز رضات
ز انکه از بذل شهنشه می برد محسود سود

شمس دین ظل حق سلطان گیتی آنکه گشت
از کف دُربار او اندر صف موجود جود

بو المظفر ایلتتمش کو بحکم ار تیر تیر
بگذراند و ز نوالش می بیابد تیر تیر

۱ دیکھئے بزم مملوکیہ ص ۲۲۲، نزهة الخواطر ا : ۱۲۸
۲ مطبوعہ (علی گڑھ) ص ۱۲۰ - ۱۲۱ ، *Religion and Politics* ص ۱۵۷
۳ مونس الاحرار ص ۱۰۸۰

مولانا برهان الدین بزاز کا کلام جاجرمی[1] اور حلاوی[2] کے مجموعوں میں شامل ھے - دانشکدۂ ادبیات تہران کی ایک قدیم بیاض (فہرست ص ١٥٣) میں سلطان العلما برهان‌الدین کا کلام موجود ھے ، قرائن ایسے ھیں کہ موصوف کو برهان الدین بزاز سمجھا جاسکتا ھے -

٢ - تاج الدین بخاری، بلبن کے دونوں بیٹوں کا استاد تھا - دونوں نے «آداب السلاطین» مولانائے موصوف سے پڑھی تھی چنانچہ ضیاء برنی نے «تاریخ فیروز شاھی» میں[3] اس سلسلے میں سلطان معزالدین کی ایک روایت نقل کی ھے جو سلطان نے اپنے باپ سے سنی تھی - مولانا ، سلطان شمس الدین ھی کے زمانے میں معزز ھو چکے تھے اور بقول ضیاء برنی اسکے ندیم تھے- «مونس الاحرار» میں تاج‌الدین بخاری کے ذیل میں[4] ایک قصیدہ درج ھے جو نظام الدین محمد جنیدی کی مدح میں ھے - ممکن ھے کہ اس قصیدے میں تاج الدین کا روئے سخن سلطان التمش کے وزیر نظام الملک جنیدی کی طرف ھو جو نہایت علم دوست وزیر گذرا ھے- اسی کے نام عوفی نے «جوامع الحکایات» معنون کی تھی- اس وزیر کی وفات سلطان رضیہ[5] کے عہد میں (٦٣٤ - ٦٣٧) واقع ھوئی - اگر شاعر کا خطاب اسی وزیر سے ھے تو یہ قصیدہ ٦٣٤ کے قبل ھی[6] لکھا گیا ھوگا - لیکن ناصرالدین اور بلبن کے دور میں نظام‌الملک جنیدی کا ایک عزیز قریب وزرات کے عہدے[7] پر متمکن تھا ، وہ بھی بڑا علم دوست تھا اور کئی شاعروں نے اس کے نام قصیدے لکھے ھیں - اس بنا پر قطعی طور پر اسی قصیدے کی نسبت شمسی عہد کے نظام الملک کی طرف نہیں سمجھی جاسکتی - قصیدے کے چند شعر درج ذیل ھیں :

این منم یارب ز عشق لعل و مروارید بار — بر رخ چو زر ز ابر دیدہ اشک سیم بار
این منم یارب کہ بر زر سیم بارم بے دریغ — ھر زمانی در ھوای لعل و مروارید بار
درج لعل پُر ز مروارید اورا برد آب — بذل دست سیم و زر بخش وزیر شہ شعار
خواجۂ عالم نظام الدین کہ مروارید و لعل — سنگ پندارد ز همت سیم و زر چون خاک و خار
آصف ثانی محمد کو ز رغبت بی سوال — لعل و مروارید و زر ویسم بخشد بی شمار

---

١ دیکھئے مضمون (بلا نام) ص ٥٩، نمبر ٢٩ - مگر میر صالح طیبی کی فہرست میں یہ شاعر شامل نہیں ھے (دیکھئے مونس الاحرار چاپی مقدمہ)

٢ ایضاً ص ٦٣ نمبر ١٢ ٣ ص ١٦٦ - ١٦٧ ٤ ص ١١٧٩

٥ دیکھئے طبقات ناصری چاپ چغتائی ص ٩٦

٦ اس سنہ سے قبل اس کا اقتدار ختم ھو چکا تھا

٧ طبقات ناصری (ص ١٢٣) سے معلوم ھوا کہ عین الملک محمد نظام جنیدی ٦٥١ هجری میں وزیر منتخب ھوا تھا

گوهر آل جنید آن کامران سیم و زر لعل و مروارید جسته از کف او زینهار
زر و سیم و لعل و مروارید لازم گفته ام در مدیحت این قصیده تا بماند یاد گار

« مجمع الفصحا » میں تاج الدین فارسی کا ذکر موجود[۱] ہے ۔ اسے ساکن دہلی اور سلطان شمس‌الدین (التمش م : ٦٣٣ ھ) کا دبیر بتایا گیا ہے اور اس کی دو غزلیں اور ایک قصیدے کی ۲ بیت نقل کی ہیں ۔ قصیدہ رکن الدین فیروز پسر التمش (م : ٦٣٤) کی مدح میں ہے ۔ گمان یہ ہے تاج الدین فارسی وہی ہے جو تاج الدین بخاری کے نام سے « مونس‌الاحرار » میں مذکور ہے ۔ تاج الدین بخاری کے اشعار دانشکدہ ادبیات تہران کی قدیم بیاض (فہرست ص ۱۵۳ نمبر ۱۸) میں درج ہیں ۔

۳ ۔ شہاب الدین مہمرہ کے تین قصیدے[۲] نقل ہیں جن میں « منه ببرگ سمن پیش تودۂ عنبر » والا قصیدہ « منتخب التواریخ » میں موجود نہیں البتہ اور جگہوں پر ہے ، یہ تینوں قصیدے « مجمع الفصحا » کے چھ قصیدوں[۳] میں شامل ہیں ۔

٤ ۔ سید عزالدین[٤] علوی ، بلبن (٦٦٤-٦٨٦ ھ) کے عہد کا ایک شاعر تھا جس کو مصنوعات میں کافی دستگاہ تھی چنانچہ « مونس الاحرار » میں ایک توشیح درج ہے جس کا عنوان یہ ہے :

سید عزالدین علوی که لقب ممدوح و پدر بر می آید از اول و آخر مصرعها بدین[۵] دو بیت ،

ای بحق خسرو سکندر فن در دریای عزدین بلبن
شه نصر دول محمد راد از کف جود تو ز بن گلشن
ایا شهی که زکوست رسد بچرخ صدا شگفت گلبن فتح تو در صباح و عزا

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلبن کے بڑے بیٹے سلطان محمد کا مداح تھا ، سلطان محمد ٦٨٣ھ میں شہید ہوا ، اس سے ظاہر ہے کہ یہ نظم اس سنہ سے قبل کی ہوگی ۔

اس نے صنعت غیرمنقوطہ میں تین نظمیں[٦] لکھیں جن میں سے دوسری کسی وزیر کے نام ہے جس کا نام محمد تھا :

داور عالم و مدور ماه وحده لا اله الا الله
حاکم داد گرکه عالم را حلۂ مهر داد و کلۂ ماه

---

۱ چاپ جدید (تہران ۳٦ ۱۳ ، جلد ۱ ص ٤٦٤
۲ ص ۱۱٦۸ ، ۱۱۷۷ ، ۱۱۹۳
۳ چاپ قدیم جلد ۱ ص ۳۰٤ ۔ ۳۰۵
٤ تاریخوں میں یہ نام مذکور نہیں ہے
۵ ص ۳٤٦
٦ ص ۱۱۹۵ ، ۱۱۹٦

ملکا در ولاء صدر رسل　　　سالمم دار در ورع همه گاه الخ

که کرد کار[۱] کرم مردوار در عالم　　　که کرد اساس مکارم ممهد و محکم
عماد عالم عدل سوار ساعد ملک　　　اساس طارم اسلام و سرور عالم
محمد اسم، عمر عدل و کام او دردهر　　　ملوک وار در آورده اسم عدل وکرم
کلام او همه سحر حلال در هر حال　　　مراد او همه اعطاء مال در هر دم

وعدهٔ وصل داد دلدارم　　　وعدهٔ او مراد دل دارم

اس طرح ایک[۲] نظم صنعت منقوطه میں لکھی:

بتی زین نقش نغز تیغ بینی　　　بچین نقشی چنین بینی نه بینی

دو[۳] مرصع قصیدے اور لکھے ہیں جن میں پہلا سلطان محمد پسر بلبن کے نام ہے:

شد مصفا جمال استفتاح　　　شد توفا کمال استنجاح
شهریار عجم نصیر دول　　　افتخار امم امیر نواح
خسرو دین محمد بلبن　　　پهلو کین مؤید فتاح
هم ترا عز جاودان مقرون　　　هم ترا عز ذوالبنان مداح
آمد آن مکرم ملک آیات　　　آمد آن منعم فلک رایات
بو تراب امم جلال ملک　　　آفتاب کرم جمال قضات
خوانمش احمد علی آثار　　　دانمش ارشد ولی اثبات
در سخن نیست چون من از اقران　　　در زمین نیست چون من از سادت

یہ دونوں قصیدے محمد بن محمد جنیدی وزیر کی مدح میں لکھے ہیں:

ای غمزهٔ[٤] تو سحر نهان کرده آشکار　　　جز بر دلم نبود دگر در جهانش کار
عالی نسب مکان خرد سرور جهان　　　فرخنده تاج دین، سر احرار روزگار
افضل محمد بن محمد توئی چو او　　　کآل جنید راست به تو فخر و افتخار
ابن الوزیر از مدد خامه و بنان　　　لؤلؤ و در کنی بدر سائلان نثار
ای صورت تو یوسفی و خلق احمدی　　　ای شمع خاندان وزارت بزرگوار

---

۱ ص ۱۱۹۶، مجمع الفصحا ا: ۳۰٦ میں شرف قزوینی کا ایک قصیدہ صنعت مہملہ میں اس طرح شروع ہوتا ہے:
امام و سرور صدر ممالک اسلام　　　صلاح ملک و ملل مالک ملوک کرام

۲ ص ۱۱۹۷　　۳ ص ۱۱۲، ۱۱۱۳　　٤ ص ۱۱۳۹

زهی[1] ستارهٔ فتح و زهی سپهر ظفر	زهی مدار کلاه و زهی مدار کمر
کمال دولت و دین تاج ملک صدر صدور	وزیر و جان جهان صاحب ستوده سیر
چون یافتم شرف دس بوس حضرت تو	برستم از همه اندیشهای خوف و خطر
خدایگان وزیران مشرق و مغرب	ترا خطاب بود بر مثال جد و پدر
محمد بن محمد چراغ آل جنید	که با یزید بود حاسدت میاں سقر

حاجرمی نے بھی سید عزالدین کی ایک توشیح اس طرح نظم کی ہے[2] :

رضی الملک والا تاج دولت	شدی آل محمد را تو افسر الخ

اگرچہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں عزالدین ایک ہی ہیں لیکن دونوں کے ایک ہونے کے امکانات ہیں اس لئے کہ کلامی اور جاجرمی نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا ہے ، دوسری بات یہ کہ فہرست میں اس کا نام سید عزالدین قزوینی لکھا ہے اور اسی نام کے ایک شاعر کا کلام حلاوی[3] نے بھی انتخاب کیا ہے ۔ حلاوی کا کلاتی سے استفادہ کرنا مسلم ہے ، اس لئے امکان ہے کہ ایک ہی شاعر تینوں کے یہاں ہو ۔

اگر تینوں ایک ہیں تو سید عزالدین علوی کا ایرانی ہونا مسلم ہوجاتا ہے ، اس لئے کہ جاجرمی اور حلاوی دونوں نے اس کو قزوینی لکھا ہے (گو جاجرمی کے یہاں متن میں صرف سید عزالدین درج ہے)

دولت شاہ نے سید عزالدین علوی نام کے ایک شاعر کو ابوالعلا گنجوی ، خاقانی، مجیر بیلقانی وغیرہ کا معاصر بتایا ہے[4] لیکن وہ ہمارے پیش نظر شاعر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لئے کہ اولاً وہ « مجمع الفصحا » کی رو[5] سے شروانی تھا ، ثانیاً دونوں کے زمانوں میں تقریباً پون صدی کا فرق ہے ـ مگر دانشکدۂ ادبیات کی بیاض (فہرست ص ۵۳ نمبر ۹ میں عز علوی سے مراد یہی شاعر ہے ۔ ہندوستان کی تاریخوں سے اس شاعر کی شخصیت کا تعین نہ ہوسکا ۔

۵ ۔ عمیدلومکی کے حسب ذیل نظمیں « مونس الاحرار » میں مندرج ہیں ۔ ان میں صرف ایک[5] جاجرمی کی کتاب[6] میں اور بعض « خلاصة الاشعار » میں نقل ہیں ، تعجب ہے کہ « منتخب التواریخ » کے ۸ قصیدوں میں سے کوئی اس میں شامل نہیں ۔

---

۱ ص ۱۱۳۹ ، ۱۱۴۰ ۲ مونس الاحرار (چاپی) ص ،لی،
۳ دیکھئے فہرست مطبوعہ ,مضمون مصنف نامعلوم، ص ۳۶ ۴ چاپ براؤن ص ۶۳
۵ جلد ۱ : ۳۳۹ ۶ ص ۱۳۴

۱ - نالم ز دل چو نای من اندر حصار نای	پستی گرفت همت من زین بلند جای	۳۴۴
۲ - برآمد ز من ناله بر چرخ مینو	چو رفت از برم آن نگار پری رو	۳۴۴
۳ - گفتم بگاه صبح یکی جام می بیار	گفتا که بیدلان را با جام می چه کار	۱۰۴۰
٤ - گفتم چه سر داری گفتا سر وفا	گفتم که شد پشیمان گفتا دل از جفا	۱۰۴۲
٥ - چون است حال تو بمن امروز یار گفت	گفتم که هست بی تو مرا حال زار گفت	۱۰٤٤
٦ - پیام دادم نزدیک آن بت دلبر	که مهرو مهر تو دارم بدیده و دل بر	۱۰٤٦
۷ - اگر نه مست شد بلبل فغان چندین چرا دارد	اگر بااو نه گل می خورد رخ رنگین چرا دارد	۱۰٤۸
۸ - گلبن دی حورده را بادصبا داد داد	باده خور اکنون همه برگل و شمشاد شاد	۱۰۸۲
۹ - آهن ونی چو پدید آمد ز صنع کردگار	درمیان تیغ و کلک افتاد جنگ و کارزار	۱۱٤۸
۱۰ - زلف نگار گفت من از قیر و چنبرم	شب صورت و شبه صفت و مشک پیکرم	۱۱٤۹
۱۱ - مزاج گرم دلان را شدی که زینت تو	مزاج گرم دلان را ز برگ و شاخ بت	۱۲۰۰

لیکن ان سے بعض کی نسبت عمید کی طرف مشکوک اور بعض کی غلط ہے ، نمبر ٥ ، ٦ ، ۷ ، عمید کے نہیں معلوم ہوتے کیونکہ ممدوح اتابک سعد ہے مثلاً ملاحظہ ہو:

عذر است این زمان که بخدمت همی شوم — گفتم بخدمت که مرا بنده وار گفت

آن سروری که مهتر آن روز گار اوست — گفتم که کیست مهتر این روزگار گفت

ملکا اتابک آنکه سزد سروری ورا — گفتم که اوست سرور هم و نامدار گفت

بنیاد داد مخلص دین سعد دولت است — گفتم که یافت دولت و دین زو شعار گفت

پوشیده داشتن تو همی نام خویشتن — گفتم که (نام) گیری ازین نامدار گفت

تیسرے میں اتابک سعد کو مخاطب کیا ہے :

اگر نه سعد را دولت فزون از معتصم باشد — کمینه بنده افزون تر ز ... چرا دارد

اگر نه با سعادت بود خواهد تا ابد عمرش — نخستین حرف نامش چون سعادت سین چرا دارد

دوسرا قصیدہ درمیانی ہے ، وہ بھی اسی شاعر کا ہے جس نے « سعد » سے اپنا تخلص حاصل کیا ہے - عام طور پر معلوم ہے کہ شیخ سعدی نے اپنا تخلص اتابک سعد کی رعایت سے سعدی رکھا تھا ، مگر شیخ کے دیوان میں ان قصائد میں سے کوئی بھی نہیں پایا جاتا - عمید کا بھی اسی بنا پر نہیں ہوسکتا کہ اس کے تخلص کو سعد سے کوئی مناسبت نہیں -

قصیدہ نمبر ٤ میں « جلال دین مغیث دین » کا فقرہ ممدوح کے لئے آیا ہے ، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ طغرل نے لکھنوتی میں ٦٤٠ ھ کے قریب دھلی سے علیحدگی

اختیار کرکے مغیث الدین کے نام سے آزادی کا اعلان کردیا تھا[1] ، ممکن ھے عمید نے اسی بادشاہ کے لئے یہ قصیدہ لکھا ھو لیکن یہ قیاس بہت کمزور ھے اس لئے کہ پھر امرا و فرماں روایان دھلی سے اس کی وابستگی مشتبہ ھوجائے گی -

قصیدہ نمبر ۹ کے ان دو ابیات سے ظاھر ھوتا ھے کہ شاید یہ قصیدہ عمید کا نہو بلکہ کسی ایسے شاعر کا ھو جو ملک شاہ کا مداح رھا ھو :

سایۂ یزدان ملک شه آفتاب خسروان آن شهنشه کامیاب، آن بادشاه روز گار
آن شهنشاهی که هست اندر عرب اندر عجم درمیان دست او تیغ و قلم را افتخار

اور اگراس قصیدے کی نسبت مشکوک ھے تو قصیدہ نمبر ۱۰ بھی مشتبہ ھو جاتا ھے -

عمید کا لقب فخرالملک تھا بعض لوگوں نے فخر الملک یا فخر الدین اور عمید یا عمید الملک یا عمید الدین کو دو الگ الگ شاعر قیاس کیا ھے - مثلاً « نا معلوم » مضمون نگار نے فخر الملک اور عمید الملک کے تحت اشعار کو الگ الگ دو ناموں سے کردیا ھے (ص ۵۷ نمبر ۴۹ اور ۵۳) - اسی طرح آقاے دانش پژوہ نے دانشکدۂ ادبیات کی بیاض کے اس شاعر کے اشعار فخر الملک اور عمید الملک دو الگ عنوان کے تحت درج ھونے کی وجہ سے دو الگ شاعر تجویز کیا ھے (فہرست ص ۵۳ نمبر ۸ اور ۲۲)- مگر واقعہ یہی ھے کہ فخر الدین یا فخر الملک اور عمید الدین یا عمید الملک ایک ھی شاعر ھے - جو اشعار فخر الملک کے عنوان کے ذیل میں درج ھیں ان میں بھی تخلص عمید ھی آیا ھے -

۶- محمود خطاط بلبن کے دور کا شاعر معلوم ھوتا ھے اس لئے کہ اس کا ایک قصیدہ صراحۃً محمد جنیدی وزیر کی مدح میں ھے - اگرچہ قطعی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کس جنیدی کا مداح تھا مگر اس کو سیدعز الدین کی طرح افضل محمد کہتا ھے اس سے دوسرے جنیدی کی طرف اشارہ معلوم ھوتا ھے - اس کی پانچ مختصر نظمیں « مونس الاحرار» میں درج ھیں ، جن میں سے پہلی جنیدی اور دوسری کسی وزیر کی مدح میں ھیں، تیسری ، چوتھی اور پانچویں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں :

ای رشک خورشیدو قمر ای سرو بستان جمال ای پرتو نورلقا ای حسن رویت راکمال
امروز بر کیوان شدم پیش در صدر عجم آن ملک و ملت راظفر آن دین ودولت را جلال
افضل محمد صدر دین آن مفخر آل جنید اسلام را زو افتخار آمد از و ما را مجال (۱۱۳۶)

---

[1] دیکھئے طبقات ناصری ص ۱۶۱ (لاھور ۱۹۳۲ء)

نگاری سخنور	بهاری سمن بر	بهشتی مهیا	جمالی مصوز
سزاوار مدحت	چو آثار صاحب	زپاکی سرشته	ز آهو مطهر
کمال بزرگی	جمال فتوت	جلال کریمی	ابو الفتح صفدر (۱۳۷)
گمارد سه	برمن	ز هجران	همی یاری (۱۳۸)
ای سنگ دل	از عشق تو	گشتم	بی جان (ایضاً)
نگاری	نهاده	سماعی	بچامه (ایضاً)

تاریخوں میں اس شاعر کا نام نہیں ملتا لیکن بعض بیاضوں میں یہ نام آیا ہے - مثلاً تاج حلاوی[1] نے اس کا کلام نقل کیا ہے -

۷ - حکیم طرطری رکن الدین فیروز شاہ (۶۳۳ - ۶۳٤) کے دور کا شاعر ہے، اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں، البتہ اس کے دو قصیدے موجود ہیں جن میں پہلا رکن الدین فیروز کی مدح میں ہے - یہ قصیدہ « مونس الاحرار » (ص ۹۱۳) میں منقول ہے اور پہلے اور دوسرے دونوں قصیدے « مجمع الفصحا[2] » میں موجود ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ تقی اوحدی کو ایک مجموعے میں چھ سات قصیدے ملے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ « مجمع الصفحا » میں « عرفات عاشقین » کے قصیدے نقل کئے گئے ہیں- جاجرمی[3] اور حلاوی[4] نے بھی حکیم طرطری کا کلام نقل کیا ہے - دانشکدۂ ادبیات تہران کی بیاض (فہرست ۱۷۲ نمبر ۷) میں بھی کچھ اشعار ہیں - پہلا قصیدہ یہ ہے :

هست گوئی عارض آن ترک زیبا آفتاب   گر بود ممکن که دارد برج دیبا آفتاب
شاہ رکن الدین که دولت را مهیا دارد او   همچو باغ نوبهاری را مهیا آفتاب

۸- حکیم اواوی (؟) اس کے صحیح نام کے سلسلے میں اختلاف ہے- « مجمع الفصحا » میں ہے[5] کہ بعض لوگوں کے نزدیک دیولی اور ولولی صحیح ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ دیول کا رہنے والا تھا، دیول ولایت تتہ میں ہے اور دیبل اس کا معرب ہے - « مونس الاحرار » میں دوبار[6] یہ نام الواوی ہے جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے - جاجرمی کے یہاں[7] ولولی ہے - میر صالح طبیبی[8] نے غالباً « ریاض العارفین » کے حوالہ سے

---

۱ مضمون (مصنف نامعلوم) ص ٦٤
۲ ۱ : ۳۲۷
۳ دیباچه ص (کح)
٤ مضمون (مصنف نا معلوم) ص ٦۳
۵ ۱ : ۲۱۸
٦ ص ٥٦٤، ۹۳٤
۷ دیباچه ص کک نمبر ۲۱۸
۸ ایضاً (حاشیه)

اس کا نام محمد اور شوریدۂ بیسرو سامان، معاصر میر جبرئیل بتایا ھے - کلاتی کے یہاں حسب ذیل تین قصیدے اس کے نام سے درج ھیں :

ای پسر چند زنی چنگ درین دامن جنگ
جنگ و آزار بیکسو نه و چنگ آر بچنگ (۵۳۸)

ببرد خنجر خسرو قرار از آتش و آب
اگر چه دارد رنگ و نگار از آتش ز آب (۹۳۴)

نشسته ام ز دل و چشم باسر آتش و آب
توان نشستن ساکن چنین در آتش و آب (۹۳۸)

لیکن ان میں سے پہلا بلاشبہ حکیم مذکور ھی کا ھے - اس کے چند شعر یہ ھیں :

آنچه برمن شکن زلف تو کردست بصلح — ناصر دولت بر دشمن خود کرد بجنگ
میر جبرئیل جهانگیر که از بازوی او — تیر نا جسته رود در دل سنگ از فرسنگ

دوسرے اور تیسرے قصیدے مسعود سعد سلمان کے ھیں چنانچه اس کے دیوان میں موجود ھیں[۱] -

۹ - فرید کاتب (؟) ناصر الدین قباچه والی سندھ (م : ٦٢٤) کے دور کا ایک شاعر «لباب الالباب (ج ۲ ص ٤١٨) میں مذکور ھے مگر اس تذکرہ کے قلمی نسخوں کے کرم خوردہ ھونے کی بنا پر اس شاعر کا نام معلوم نہوسکا - البته اس کا ایک قصیدۂ سوال و جواب موجود ھے جس میں ایک شعر اس طرح ھے :

گفتم ز شاعران که چنین نظم کرده بود — گفتا فرید کافی در عهد انوری

بعض جگه یه مصرعه اس طرح آیا ھے : گفتا فرید کاتب در عهد انوری -

اور اسی بنیاد پر بعض لوگوں نے فرید کافی اور بعضوں نے فرید کاتب کو اس قصیدہ کا مصنف قرار دیا ھے - مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کا مصنف نہیں ھو سکتا، اس لئے که فرید کاتب اور فرید کافی دونوں ناصرالدین قباچه کے دور سے کافی پہلے کے ھیں - مزید براں، خود «لباب الالباب» میں یه دونوں پہلے الگ الگ مذکور ھوچکے ھیں - تو پھر دوبارہ ان میں سے کسی ایک کا ذکر قرین قیاس نہیں ھو سکتا -

---

۱ - ص ۲۵، ۲۳ (بالترتیب)

پروفیسر سعید نفیسی نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے، ان کا خیال ہے کہ «گفتا فرید کاتب[1] (یا کافی[2]) در عهد انوری» سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرید، قدیم شاعر ہے، اس کا ذکر محض حوالۃً آیا ہے۔ قصیدۂ زیر بحث سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔ اتفاق سے یہی قصیدہ فرید احول اسفرائنی کے دیوان میں شامل ہے۔ اس سے پروفیسر نفیسی نے قیاس کیا ہے کہ ممکن ہے اس قصیدے کا تعلق فرید احول[3] سے ہو۔

«این قصیده که گویندهٔ آن در لباب الالباب معلوم نیست در دیوان فریدالدین احول اسفراینی شاعر معروف قرن هفتم نیز هست. فرید احول عمر خود را در اصفهان و سپس در شیراز در دربار اتابکان فارس گذراینده و قسمتی از پایان عمر او مصادف با جوانی سعدی بوده و مداح خاص اتابک عضدالدین سعد بن زنگی (۵۹۱ - ۶۲۳) و پسرش فخرالدین ابوبکر (۶۲۳ - ۶۵۸) و پسر دیگرش محمد بن سعد (۶۵۸ - ۶۶۰) و ابش خاتون (۶۶۲ - ۶۸۶) بوده و بدین گونه قطعاً تا جلوس ابش خاتون در ۶۶۲ھ زنده بوده است ... درین صورت ممکن است فریدالدین احول اسفراینی در آغاز کار و پیش از انکه باصفهان و شیراز رفته باشد در جوانی از خراسان بهندوستان رفته و چندی مداح عین‌الملک فخرالدین حسین بن ابوبکر اشعری بوده باشد و این قصیده ازوست که در جوانی در هند سروده است»

پروفیسر نفیسی کا یہ قیاس سراسر بے بنیاد ہے، اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

(الف) جس مصرعے میں فرید کاتب (یا فرید کافی) آیا ہے پروفیسر نفیسی کے نزدیک اس کا تعلق مصنف قصیدہ سے مطلق نہیں ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے (اور بظاہر صحیح بھی ہے) تو پھر شاعر کا نام فرید ہونے پر اصرار کیوں ہے۔ اس کا کچھ بھی نام ہوگا۔ آقائے نفیسی کی کوشش کسی دوسرے فرید نامی شاعر (فرید احول) کی تلاش کے سلسلے میں محض اپنے پہلے بیان کی تردید ہے۔

---

۱ فرید کاتب کے حالات کے لئے دیکھیے لباب‌الالباب ج اول ص ۱۵۲ - ۱۵۴، تذکرہ دولت شاہ ص ۱۰۶ - ۱۰۸

۲ فرید کافی کے حالات کے لیے دیکھیے لباب‌الالباب ج اول ص ۱۲۰ ۱۲۵،

۳ تعلیقات لباب‌الالباب ص ۷۶۰ ببعد

(ب) « لباب الالباب » میں اس شاعر کی جو تفصیل دی ہے وہ فریدالدین احول پر ہرگز پوری نہیں اُترتی - وہ ہندوستان آنے کے قبل ایک مدت تک بامیان میں تھا اور وہیں سمنگان، سرک اور متعلقہ علاقے کی سرداری (ایالت) اس کے نام مقرر ہوگئی - عام طور پر وہ صاحب السیف والقلم کے لقب سے مشہور، اور سلطان جلال الدین کے دربار میں محترم ہوا اور باوجود اس کے کہ بہت سے مداحوں نے اس کی مدح کی ہے اس نے عین الملک فخرالدین حسین کی تعریف سے گریز نہیں کیا[1] - ظاہر ہے یہ شخص فرید احول ہرگز نہیں ہو سکتا -

(ج) جب تک فرید احول کی عمر سو کے قریب نہ سمجھی جائے اس کا ۶۱۸ سے قبل عین الملک کی مدح کرنا ممکن نہ ہوسکے گا کیونکہ اس کی عمر کی حد آخر ۶۸۶ ہوگی اس لحاظ سے ۶۱۸ ہجری کا جوان شاعر اس سنہ میں اپنی عمر کی ایک صدی پوری کررہا ہوگا - یہ ساری باتیں بعید از قیاس ہیں -

بہر حال « مونس الاحرار » میں بھی یہ قصیدہ فرید کاتب[2] کی ملکیت بتایا گیا ہے جو شبہہ سے خالی نہیں - اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ فرید کاتب سے جو انوری کا معاصر تھا، الگ ہے، پھر بھی اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کا نام فرید ہی سمجھا جائے، کیونکہ جس مصرعے میں فرید کاتب ہے وہ تو یقیناً انوری ہی کے معاصر کی طرف منسوب ہوگا - میرا خیال یہی ہے کہ داخلی طور پر کوئی بات ایسی نہیں جس سے شاعر کا نام معلوم ہوسکے اور اسی بنا پر میرے نزدیک اس کا نام فرید تصور کرنا صحیح نہ ہوگا -

اس کے باوجود « مونس الاحرار » میں فرید کاتب کے نام سے اس قصیدے کا شمول یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس قصیدے کی ملکیت کا جھگڑا ساڑھے چھ سو سال سے زیادہ پرانا[3] ہے -

ہندوستان کی ادبی تاریخ کے سلسلے میں یہ مجموعہ اس لحاظ سے اور بھی قابل توجہ

---

۱ لباب الالباب ج ۲ ص ۴۱۹ ۲ ص ۱۳۰۸

۳ دولت شاہ نے فرید کاتب کو انوری کا شاگرد بتاتے ہوئے وہی قصیدہ جو حسین اشعری کی مدح میں ہے پیش کیا ہے - ظاہر ہے کہ یہ دونوں متضاد باتیں ہیں جو شاعر دور سنجر میں انوری کا معاصر ہو وہ ۶۱۸ھ سے قبل ناصر الدین قباچہ کے وزیر کی مدح کیونکر کرسکتا ہے - چونکہ یہ بات مسلم طور پر معلوم ہے کہ شاعر بلاشبہ قباچہ ہی کے عہد کا ہے اس لیے سنجری دور کے کاتب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا - (دیکھئے تذکرہ دولت شاہ ص ۱۰۷ - ۱۰۸)

ہے کہ عام رائے کے خلاف یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے فارسی‌گو شعرا شروع ہی سے ایرانی شعرا کی صف میں شامل ہیں ۔ البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے ملک کا ممتاز ترین شاعر امیرخسرو اس مجموعہ میں شامل نہ ہو سکا۔ بظاہر اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس وقت امیر بقیدحیات تھے اور شاید ہندوستان کے زندہ شاعروں کو کلانی اپنے مجموعے میں شامل نہ کرنا چاہتا ہو ۔ لیکن اس سے ہندوستان کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں کیونکہ بہر حال بعض خالص ہندوستانی شعرا بھی اس میں شامل ہیں، دوسرے یہ کہ خود ایران کے بعض مسلم الثبوت استاد کے اشعار اس مجموعے میں نہیں آسکے ہیں ۔

جیسا عرض ہو چکا ہے ایران کی ادبی تاریخ میں « مونس‌الاحرار » سے قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے ۔ اس میں اچھے خاصے ایسے غیر معروف شاعر شامل ہیں جن کا کلام اتنی بڑی تعداد میں اور کہیں نہیں مل سکتا ۔ مکمل قصیدے اور دوسری نظمیں سوائے اس مجموعے کے اور کسی جگہ عموماً نہیں ملتیں ۔ ذیل میں ایسے چند شعرا کے کلام کا ذکر کیا جا رہا ہے جو بعض لحاظ سے قابل توجہ ہے ۔

۱ــ ادیب طبری کا حسب ذیل قصیدہ یہاں موجود ہے، یہی جاجرمی کے یہاں[1] ہے، حلاوی کے مجموعہ[2] میں اس کا کلام شامل ہے، گمان غالب ہے کہ یہی قصیدہ ہوگا ۔ کچھ کلام دانشکدہ ادبیات تہران کی ایک بیاض میں بھی ہے (فہرست ص ۱۷۲ نمبر ۳) ۔

بہار آمد گلی از وی بیاراست بہار اندر بہار اندر بہاراست (ص ۱۰۸۰)

۲ــ بدیع‌الزمان خواجگی کا یہ قصیدہ کہیں اور نہیں مل سکا :

دی پشیم آمد ناگہاں خورشید خوبان خطا
با قد چون سرو سہی با خد چون ماہ سما (ص ۴۰۵)

۳ــ جمال اشہری کے دو قصیدے موجود ہیں، وہی دونوں جمال‌الدین قزوینی کے ذیل میں « مجمع الفصحا »[3] میں شامل ہیں ۔ مولف مذکور نے اس کو ساکن ابہر بتایا ہے ۔ لیکن جمال اشہری جاجرمی کے یہاں اسی نسبت سے موجود ہے ۔ اور اشہری نسبت دانشکدۂ ادبیات کی بیاض میں بھی آئی ہے (فہرست ص ۱۸۰ نمبر ۳۴۲) ۔

۱ مونس الاحرار (مطبوعا) ص ب
۲ مضمون نامعلوم مصنف ص ۶۳
۳ چاپ جدید ۱ : ۵۰۳

(ب) «لباب الالباب» میں اس شاعر کی جو تفصیل دی ہے وہ فریدالدین احول پر ہرگز
پوری نہیں اترتی - وہ ہندوستان آنے کے قبل ایک مدت تک بامیان میں تھا اور وہیں
سمنگان، سرک اور متعلقہ علاقے کی سرداری (ایالت) اس کے نام مقرر ہوگئی - عام
طور پر وہ صاحب السیف والقلم کے لقب سے مشہور، اور سلطان جلال الدین کے دربار
میں ملازم ہوا اور باوجود اس کے کہ بہت سے مداحوں نے اس کی مدح کی ہے اس
نے عین الملک فخرالدین حسین کی تعریف سے گریز نہیں کیا[1] - ظاہر ہے یہ شخص فرید
احول ہرگز نہیں ہو سکتا -

(ج) جب تک فرید احول کی عمر سو کے قریب نہ سمجھی جائے اس کا ۶۱۸
قبل عین الملک کی مدح کرنا ممکن نہ ہوسکے گا کیونکہ اس کی عمر کی حد آخر ۶۸۶
ہو گی۔ اس لحاظ سے ۶۱۸ ہجری کا جوان شاعر اس سنہ میں اپنی عمر کی ایک صدی پوری
کر رہا ہوگا - یہ ساری باتیں بعید از قیاس ہیں -

بہر حال «مونس الاحرار» میں بھی یہ قصیدہ فرید کاتب[2] کی ملکیت بتایا گیا ہے
جو شبہ سے خالی نہیں - اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ فرید کاتب سے جو انوری
کا معاصر تھا، الگ ہے، پھر بھی اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کا نام فرید ہی سمجھا
جائے، کیونکہ جس مصرعے میں فرید کاتب ہے وہ تو یقیناً انوری ہی کے معاصر کی
طرف منسوب ہوگا - میرا خیال یہی ہے کہ داخلی طور پر کوئی بات ایسی نہیں جس سے
شاعر کا نام معلوم ہوسکے اور اسی بنا پر میرے نزدیک اس کا نام فرید تصور کرنا
صحیح نہ ہوگا -

اس کے باوجود «مونس الاحرار» میں فرید کاتب کے نام سے اس قصیدے کا
شمول یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس قصیدے کی ملکیت کا جھگڑا ساڑھے چھ سو سال سے
زیادہ پرانا[3] ہے -

ہندوستان کی ادبی تاریخ کے سلسلے میں یہ مجموعہ اس لحاظ سے اور بھی قابل توجہ

---

۱ لباب الالباب ج ۲ ص ۴۱۹

۲ دولت شاہ نے فرید کاتب کو انوری کا شاگرد بتاتے ہوئے وہی قصیدہ جو حسین اشعری کی مدح میں ہے پیش کیا
ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں متضاد باتیں ہیں جو شاعر دور سنجر میں انوری کا معاصر ہو وہ ۶۱۸ھ سے قبل ناصر الدین
قباچہ کے وزیر کی مدح کیونکر کرسکتا ہے۔ چونکہ یہ بات مسلم طور پر معلوم ہے کہ شاعر بلاشبہ قباچہ ہی کے عہد کا ہے
اس لیے سنجری دور کے کاتب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا - دیکھئے تذکرہ دولت شاہ ص ۱۰۷ - ۱۰۸

۳ ص ۱۳۰۸

ہے کہ عام رائے کے خلاف یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے فارسی‌گو شعرا شروع ہی سے ایرانی شعرا کی صف میں شامل ہیں ۔ البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے ملک کا ممتاز ترین شاعر امیرخسرو اس مجموعہ میں شامل نہ ہو سکا ۔ بظاہر اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس وقت امیر بقیدحیات تھے اور شاید ہندوستان کے زندہ شاعروں کو کلانی اپنے مجموعے میں شامل نہ کرنا چاہتا ہو ۔ لیکن اس سے ہندوستان کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں کیونکہ بہر حال بعض خالص ہندوستانی شعرا بھی اس میں شامل ہیں، دوسرے یہ کہ خود ایران کے بعض مسلم الثبوت استاد کے اشعار اس مجموعے میں نہیں آسکے ہیں ۔

جیسا عرض ہو چکا ہے ایران کی ادبی تاریخ میں «مونس‌الاحرار» سے قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے ۔ اس میں اچھے خاصے ایسے غیر معروف شاعر شامل ہیں جن کا کلام اتنی بڑی تعداد میں اور کہیں نہیں مل سکتا ۔ مکمل قصیدے اور دوسری نظمیں سوائے اس مجموعے کے اور کسی جگہ عموماً نہیں ملتیں ۔ ذیل میں ایسے چند شعرا کے کلام کا ذکر کیا جا رہا ہے جو بعض لحاظ سے قابل توجہ ہے ۔

۱ــــ ادیب طبری کا حسب ذیل قصیدہ یہاں موجود ہے، یہی جاجرمی کے یہاں[1] ہے، حلاوی کے مجموعہ[2] میں اس کا کلام شامل ہے، گمان غالب ہے کہ یہی قصیدہ ہوگا ۔ کچھ کلام دانشکدہ ادبیات تہران کی ایک بیاض میں بھی ہے (فہرست ص ۱۷۲ نمبر ۳) ۔

بہار آمد گلی از وی بہاراست   بہار اندر بہار اندر بہاراست   (ص ۱۰۸۰)

۲ــــ بدیع‌الزمان خواجگی کا یہ قصیدہ کہیں اور نہیں مل سکا :

دی پشیم آمد ناگہاں خورشید خوبان خطا
با قد چون سرو سہی با خد چون ماہ سما   (ص ۴۰۵)

۳ــــ جمال اشہری کے دو قصیدے موجود ہیں، وہی دونوں جمال‌الدین قزوینی کے ذیل میں «مجمع الفصحا»[3] میں شامل ہیں ۔ مولف مذکور نے اس کو ساکن ابہر بتایا ہے ۔ لیکن جمال اشہری جاجرمی کے یہاں اسی نسبت سے موجود ہے ۔ اور اشہری نسبت دانشکدۂ ادبیات کی بیاض میں بھی آئی ہے (فہرست ص ۱۸۰ نمبر ۳۴۲) ۔

۱   مونس الاحرار (مطبوعا) ص ب
۲   مضمون نامعلوم مصنف ص ۶۳
۳   چاپ جدید ۱ : ۵۰۳

ای همرگ کوه حری وی همتک باد صبا

برتافتن را چون قدر دریافتن را چون قضا (ص ٤٠٢)

بر نیست هست بسته ببیند بچشم سر

هر کس که دید بسته ترا بر میان کمر (ص ٤٨٩)

٤ــ جمال الدین کاشی کا حسب ذیل ترجیع بند موجود هے - اس کا کچھ کلام جاجرمی نے بھی[1] نقل کیا هے -

من رندم و مست لا اُبالی وین شیوه مراست لایزالی (ص ٣٨:)

٥ــ جمال الدین سمرقندی کی حسب ذیل توشیح اس مجموعے میں موجود هے - اس کا کلام جاجرمی[2] اور حلاوی[3] نے منتخب کیا هے - بیاض دانشکدهٔ ادبیات (فہرست ص ١٧٤ نمبر ٧٦) میں بھی اس شاعر کا کچھ کلام شامل هے -

ایا بہار سمن بر نگار حور صور شراب هجر چشیدم بسی بعشق تو در (٣٣٧-٣٣٨)

٦ - جوهری زرگر کی حسب ذیل نظمیں کلاتی نے نقل کی هیں - ان میں سے کوئی بھی «تذکره دولت شاه»، «مجمع الفصحا» اور مجموعهٔ جاجرمی میں شامل نہیں هے -

ای ساربان[4] امشب یکی از بهر من اشتر مران

رنج از هیون باد پا، هین بر زمین نه یکزمان (٣٠٧)

ای کریم الدین کریم شرق دور روزگار

ای کریم الدین کریم شرق شاخ سروری (١١٩٨)

با من ز قضا نماز دیگر افتاده پری رخی برابر (١٣٠٣)

٧ - ابو نصر احمد الرافعی، محمد الرافعی اور عبدالرافع تینوں ناموں کے ذیل میں کلاتی نے نظمیں لکھی هیں، اول الذکر کا حسب ذیل قصیده :

چه رویست آنکه در حسنش همی بیدل شود ناظر

چه مویست آنکه در وصفش همی گمره شود خاطر (ص ٤٩٢)

اس قصیدے کی ٦ ابیات «مجمع الفصحا» میں رافعی نیشاپوری کے ذیل میں درج هیں -

---

١ مونس الاحرار چاپی دیباچه ص «که» ٢ ایضاً ٣ مضمون (مصنف نامعلوم) ص ٦٣

٤ جاجرمی نے اسی بحر، ردیف و قافیه میں جوهری کا ایک قصیده نقل کیا هے :

ای تند بد خو ساربان تندی مکن با کاروان الخ (ص ١٤٧)

محمد الرافعی کا یہ قصیدہ :

تاکی غم آن نگار مانی او با طرب و نشاط مانی (٧٢٤)

« مجمع الفصحا » میں رافعی نیشاپوری کے ذیل میں[١] موجود ہے، مگر مولف کا قول ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک وہ عبدالرافع هروی کا قصیدہ ہے۔ اس آخرالذکر شاعر کو « مجمع الفصحا » میں الگ[٢] بیان کیا گیا ہے مگر اس کے ذیل میں جو کلام نقل ہوا ہے وہ مندرجۂ بالا تینوں شاعروں میں سے کسی کا نہیں۔

عبدالرافع کے دو ترجیع بند ہیں :

ای یافتہ ز جود تو انوار مہر و ماہ زوار درگه تو با دوار مہروماہ (٢٥)

باغ ویران را بسعی ابر کرد آباد باد صد هزاران آفرین حق بر ابر و باد باد (١٠٧٧)

ان میں دوسرا ترجیع قطران کا ہے اور دیوان قطران[٣] میں موجود ہے۔ اسی سے بالکل اوپر « مونس‌الاحرار » میں سید حسن کے نام سے ایک ترجیع ہے لیکن یہ نسبت بھی غلط ہے، یہ بھی قطران[٤] ہی کا ہے۔

٨ ـ شیخ روز بهان البقلی (م: ٦٠٦) کے حسب ذیل تین قصیدے « مونس الاحرار » میں ہیں[٥] :

واجب آمد درحقیقت خانه ویران داشتن
همچو نوح این خاکدان برآب طوفان داشتن (١٦٤)

بدار الضرب ایمان زن زر وحدت ز کان لا
که تا مقبول عشق آئی شوی در معرفت والا (١٧٠)

الا ای جان پر آسیب اگر جنت عیان بینی
برون آئی ز طبع خوش و از دوزخ امان بینی (١٧٤)

ان تینوں میں سے کوئی بھی « مجمع الفصحا » میں نقل نہیں ہے۔

---

١ چاپ قدیم ١ : ٢٢٠ ٢ ایضاً ١ : ٢٣٦ ٢٣٧

٣ دیوان ص ٤٤٢ ٤ ایضاً ص ٤٤٠

٥ یہ تینوں قصیدی حکیم سنائی کے تتبع میں ہیں، شیخ خود ایک صوفی منش تھے اس بنا پر حکیم کی پیروی خلاف قیاس نہیں۔

۹ ۔ شمالی دهستانی کے ٤ قصیدوں میں حسب ذیل قصیدہ « مجمع الفصحا » میں[1] موجود نہیں ہے :

بتی دارم که یک ساعت برون نایم ز فرمانش
چون ایمان دارم اندر دل بخوبی عهد و پیمانش (٥٤٤)

۱۰ ۔ شمس جاسی (!) کے نام سے یہ قطعہ مندرج ہے :

در خدمتت ای صدر ملک مرتبه دزدیست
کو زهر بسحر از دهن مار بدزدد (۱۳۵۸)

یہی قطعہ شمس الدین خاستی کے نام مجموعۂ قصائد (حبیب گنج ٤٩ ۔ ۲) ص ۲٦٦ پر موجود ہے ۔ اس بنا پر اس شاعر کو شمس طبسی سے الگ سمجھا جارہا ہے ۔ دانشکدۂ ادبیات تہران کی بیاض میں شمس‌الدین نحاسی (فہرست ص ۱۸۰ نمبر ۳٤٥) غالباً یہی شاعر ہے ۔

۱۱ ۔ شہاب الدین سلیمان شاہ ، کمال الدین اسماعیل کا معاصر تھا چنانچہ اس نے ایک قطعہ میں کمال کو مخاطب کیا ہے ۔ یہ سوال و جواب اس مجموعے میں موجود ہے ۔

چو نیست مرا بخدمتت راه وصال سر بر خط دیوان تو دارم مه و سال
گفتم بفلک در تو چه نقصان آید گر ز آنکه رسانیم زمانی بکمال (۱۳۵۰)

۱۲ ۔ صائن شیرازی کا ایک قصیدہ « مونس الاحرار » میں نقل ہے ، وہی جاجرمی[2] کے یہاں بھی ہے ، مگر اول الذکر میں صائن کے بجائے صابر ہے جو کتابت کی غلطی پر محمول ہوسکتا ہے لیکن دانشکدۂ ادبیات[3] تہران کی بیاض میں ایک شاعر صابر الدین شیرازی شامل ہے ، کیا عجب یہ دونوں شاعر ایک ہی ہوں ۔ قصیدۂ مذکور یہ ہے :

سبق برده بحسن و لطف و ناز و غنج و زیب و فر
ز هند و لیلی و شیرین ، ز عذرا ویسه و شکر (٧٤٦)

۱۳ ۔ طیان ژاژ خاے کی متعدد ہزلیات « مونس الاحرار » میں نقل ہیں ۔ انوری نے دوبار طیان کا ذکر کیا ہے :

زانکه مقبول مصطفی نشود آنچه طیان ژاژخا آرد (دیوان ص ۳٧٦)
بمعبود طیان و ممدوح حسان اگر ژاژ طیان بحسان فرستم (ص ٤٢٦)

۱ چاپ قدیم ۱ : ۳۰۹ ۲ ص ۱۲٤ ۳ فہرست ص ۱٧٦ (مجلۂ دانشکدۂ ادبیات شمارۂ ۱ سال هشتم)

« مجمع الفصحا » میں اسے طیان ژاژ خاے بمی کرمانی بتایا گیا ہے[1] اور اس میں کافی شعر نقل ہیں مگر ان میں کوئی ہزلیات کی قسم کی نہیں ہے ۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ دوسرا شاعر تو نہیں ۔ اس قیاس کو اس سے تقویت ملتی ہے کہ دانشکدۂ ادبیات تہران کی بیاض میں طیان ژاژ خاے اور طیان بمی کے نام سے جو اشعار منقول ہیں ان کے لحاظ سے آقاے دانش پژوہ نے ان کو دو الگ شاعر قرار دیا ہے (فہرست ص ۱۷۶ نمبر ۱۸٤ ، ص ۱۸۰ نمبر ۳٤٦) ۔ طیان کی ہزلیات یہ ہیں :

بر فاستان[2] گیتی و بر فاجران ریم	۱۳۰۵
ای خواجه بدانکه مر زنت را	۱۳۰۶
مادرت را هجا نخواهم کرد	»
خواندی بخیره خیره مرا . . .	»
آدمی شیر پیل را دربند	»
دی محتسبی براه دیدم	۱۳۰۸
بربطی بشکسته شد از احمقی	»
نه هرکاری سرود آرد بسر بر	»

۱٤ ۔ قاضی عثمان بیرقی کا ایک قصیدہ کلاتی کے مجموعے میں نقل ہے ، قاضی عثمان نامی ایک شاعر کا کلام جاجرمی[3] نے بھی انتخاب کیا ہے ، لیکن معلوم نہیں کہ دونوں ایک ہی شاعر ہیں یا الگ الگ ۔ قاضی عثمان قزوینی نام کے کسی شاعر کا کلام دانشکدۂ ادبیات تہران کی بیاض میں شامل ہے (ص ۱۷۷ نمبر ۲۱۰) ۔ مگر یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ عثمان قزوینی ، قاضی عثمان اور عثمان بیرقی ایک ہی ہیں یا الگ ۔ قصیدۂ مذکور یہ ہے :

سمن بری که مرا زو رسید کار بجان ز بسکه خوردم بی وصل او غم هجران (۲۲٤)

۱۵ ۔ عزالدین حسن بہرام شاہ غزنوی کے دور کا شاعر ہے، اس کا کلام جاجرمی نے نقل نہیں کیا ہے ، ممکن ہے کسی دوسرے عزالدین کے تحت درج ہو۔ کلاتی کے یہاں یہ قصیدہ ہے :

گہر بر زر همی بارم ز یاقوت درافشانش
شدم چون ذره در سایه ز حورشید درخشانش

---

۱ ص ۳۲۸

۲ مہستی گنجوی نے اس کا جواب لکھا تھا :
اینست قلتبان که جهان را بکه گرفت زیبد که هم بقافیه هم کوران ریم (ایضاً ص ۱۳۰۷)

۳ مونس الاحرارچاپی دیباچه ص ، کح ،

خداوند جہان بہرام شه آن خسرو عادل

که با عمر خضر دادست حق ملک سلیمانش (۵۳۲)

۱۶ - علی فتحی بہرام شاہ غزنوی کے عہد کا شاعر ہے، جاجرمی نے اس کا کلام درج نہیں کیا ہے - البتہ دانشکدۂ ادبیات تہران کی ایک بیاض (فہرست ص ۱۷۷ نمبر ۲۳۵) اور مجموعہ تاج جلاوی میں کچھ کلام درج[1] ہے - « مونس الاحرار » میں یہ قصیدہ شامل ہے :

ای ذات تو از آفت و از عیب مبرا

احسان تو زبید که کند عطر مطرا

بر بنده علی فتحی یارب تو ببخشای

دارد چو بدرگاه تو پیوسته تولا (ص ۱٤)

۱۷ - علی فرقدی کے حسب ذیل دو قصیدے اس مجموعے میں مندرج ہیں، ممکن ہے یہ شاعر فرقدی خراسانی سے جس کے اشعار « مجمع الفصحا » (۱ : ۳۸۰) میں درج ہیں الگ ہو، :

پیش ازین کاید پدیدار از پس صبح آفتاب

ماه رویا بر صبوحی در فگن جام شراب . (٤۱۰)

ای رسیده نام اقبال تو از چین تا بزنگ

عدل تو بزدوده از آئنۂ انصاف زنگ

میر زنگی مرکز دولت توئی کز جود تست

باده اندر جام اهل حکمت و دانش چو رنگ (٥٦٦)

۱۸ - عزیز مستملی کا جو قصیدہ « مونس الاحرار » میں درج ہے . وہی جاجرمی[2] کے یہاں ہے اور اسی کے ۱٤ شعر « مجمع الفصحا »[3] میں منقول ہیں - اس کا تخلص عزیز کے بجائے عزیزی معلوم ہوتا ہے مثلاً :

عزیزی گرچه از چشم و لبانت ببادام و شکر هم نیست درخور

قصیدے کا مطلع یہ ہے :

زهے چشم ولبت بادام و شکر نه بل کز شکر و بادام خوشتر (۱۱٦٦)

۱۹ - عماد الدین اکرم نامی ایک فاضل نے امامی ہروی کے سوال کے جواب میں ایک قطعہ لکھا تھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے :

زهی لطیف سوالی که طوطی قلمت (۱۳٥۱)

---

۱ مضمون ,مصنف نامعلوم' ص ٦۳ ۲ دیباچه ص , کج ، ۳ چاپ قدیم ۱ : ۳۳۹

جاجرمی کے مجموعے میں[1] یہ شاعر مذکور ہے ۔

۲۰ ــ عماد الدین یوسف فضلوی نے ایک قصیدہ میں قرب قیامت کی پیشین گوئیاں کی تھیں ، وہ قصیدہ اس مجموعے میں شامل ہے ۔ جاجرمی نے بھی کچھ کلام منتخب کیا ہے[2] ۔ حلاوی کے یہاں یہ شاعر مذکور نہیں ۔ قصیدۂ مذکور اس طرح شروع ہوتا ہے :

ظہور « إنّ معَ العسرِ یُسراً » را برخوان
ز آیتی کہ « ألم نشرح » آمد از قرآن (۶۷۴)

۲۱ ــ غضائری رازی کے صرف دو قصیدے پائے جاتے ہیں ۔ پہلا وہ ہے جس میں محمود غزنوی کی غیر معمولی مدح ملتی ہے ، دوسرا عنصری کے جواب میں ہے ۔ عنصری نے غضائری کے پہلے قصیدہ پر تعریض کی تھی ، دوسرا قصیدہ اسی کا جواب ہے ۔ یہ تینوں قصیدۂ لامیہ ہیں اور سب کی بحر یکساں ہے ۔ « مونس الاحرار » میں غضائری کا پہلا اور عنصری کا قصیدہ درج ہے ، لیکن آخرالذکر قصیدے کا عنوان یہ ہے : « در جواب عنصری غضائری » ۔ اس میں غضائری کا لفظ یقیناً زائد ہے ۔ اس آخری قصیدے کے ختم کے قبل ہی تھوڑی سی جگہ چھوٹی ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اس کے اشعار کو الگ قطعہ سمجھا ہے ۔ عنصری کے قصیدے کے بعد ایک اور نظم « از نسیم گل و گلالہ او » شروع ہوتی ہے ۔ اس کا عنوان درج نہیں ہے ۔ لیکن بظاہر یہ غضائری کی نہیں کیونکہ اس میں قطب الدین ابوالمظفر ابراہیم کی مدح ہے ۔ اگر اس سے مراد ابراہیم غزنوی ہے تو وہ غضائری کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا ہے ۔ قصیدۂ مذکور اس طرح شروع ہوتا ہے :

اگر کمال بجاہ اندرست وجاہ بمال مرا ببیں کہ ببینی جمال را با کمال (۶۹۳د)

۲۲ ــ فیروز کاتب کا حسب ذیل قصیدہ اس مجموعے میں درج ہے ۔ جاجرمی اور حلاوی کے یہاں یہ شاعر مذکور نہیں ۔ کسی نے پنسل سے کاٹ کر فرید بنا دیا ہے اور یہ غلط ہے اس لئے کہ فیروز تخلص موجود ہے ، اور یہ فرید سے بدلا بھی نہیں جاسکتا اس لئے کہ دونوں کا وزن مختلف ہے ۔

ای دلبری کہ ہست دلت بیکران کران افتادہ ام زہجر تومن ناتوان توان (۱۰۹۶)

۲۳ ــ فخرالدین رازی کے دو قطعے اس مجموعے میں شامل ہیں :

قادری کو بحکم صنع لطیف قادر آمد بر آفرینش تو ۱۳۵

[1] دیباچہ ص « کح »
[2] دیباچہ ص « کح »

فخر ملت امام عالمیان   آنکہ بُد زیر طاق گردون طاق   ۱۳۵۱

امام رازی کے کچھ اشعار بیاض دانشکدہ (فہرست ص ۷۷ نمبر ۲۴۳) میں موجود ہیں -

۲۴ــحکیم فرخاری کا ایک قصیدہ مسمط «مونس الاحرار» میں درج ہے - حاجرمی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن حلاوی کے یہاں اس[1] کا کلام موجود ہے - دانشکدۂ ادبیات کی بیاض[2] میں بھی یہ شاعر شامل ہے - فرخاری کا مسمط یہ ہے :

جانا اگرت چہرۂ چون ماہ نبودی   دستم زبر زلف تو کوتاہ نبودی   (۳۰۲)

۲۵ــاحمد کلاتی اصفہانی[3] کا کلام سوائے اس مجموعے کے اور کہیں نہیں مل سکتا - اس کے حسب ذیل ۱۱ معمے و چیستان یہاں درج ہیں :

چیست اسمی بزرگوار و بزرگ   کز عدد فا و زا بود بشمار   (۱۲۶۴)
اسمی چه بود که حرف آن چار بود   جمعش هفتی که با دو چل یار بود   «
از تہجی تو چار حرف بیار   که بود جمع آن ... بشمار   «
چون بگیری عشر فا و خمس ها   وآنگه هردو نصفی از نامی بود   «
گرت از نام یار نیست گزیر   عدد هشت را بدندان گیر   «
قلب صبر بگیر بپیوند بعمر نوح (!)   وین هردوحرف راتو نگهدار بی حجاب   (۱۲۶۵)
مال تصغیر قلب کن پس از آن   حرف یا را در آخرش بنگار   «
بین عیدین را چو بشماری   سبع آن را در آخرش بنگار   «
ثلث سیصد به سیصد اندر بند   معنی اثم بعد از آن بنگار   «
چیست آن بینی (!) که در فصل خریف   چون رسد آن میوۂ باشد لطیف   (۱۲۶۶)
رقم قوس و صاجش برگیر   تیر و مه را در آخرش بنگار   (۱۲۶۷)

۱ مضمون (مصنف نامعلوم) ص ۱۳   ۲ فہرست مجلہ دانشکدۂ ادبیات سال ۸ شمارہ ۱) ص ۱۷۷ نمبر ۲۳۲

۳ پروفیسر نفیسی نے «ارمغان علمی» (ص ۱۲۷) میں کلاتی کو کلامی کی تصحیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ کلاتی سے مراد مولانا لطیف الدین کلامی اصفہانی ہے جو سلطان الجایتو اور سلطان ابوسعید کا مداح تھا - مگر یہ حسب ذیل وجوہ کی بنا پر غلط ہے - (الف) اسکی بیس نظموں میں ہر جگہ کلامی ہے، اگر وہ مرتب ہوتا تو اراقمہ یا اکاتبہ کی طرح کے فقرے ہوتے - ایک جگہ اس کا نام مولانا لطیف الدین کلامی اصفہانی لکھا ہے جو کاتب کا اضافہ نہیں ہو سکتا اور مرتب اپنا نام اسطرح نہ لکھتا -

(ب) مرتب نے اپنے ۱۱ معمے اور چیستان انتخاب کئے ہیں اور اکاتبہ کے ذیل میں درج کئے ہیں -

(ج) ایک معمے میں کلامی کو اپنا دوست قرار دیتا ہے اور بظاہر معاصر شاعر کلامی ہی مراد ہے -

٢٦ــ کلامی اصفہانی کے اشعار کا سب سے بڑا انتخاب یہیں ملتا ہے ، جاجرمی اور حلاوی نے اس کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے ۔ کلامی مرتب « مونس الاحرار » کا دوست تھا ، اسی بنا پر اس کی کافی نظمیں مجموعہ میں شامل ہیں ۔ ہر نظم کا مطالع درج ذیل ہے :

چون نہان شد چشمۂ خورشید مشکین در نقاب (٤٢٧)
مرا که خاک سرکوی دوست بالین است (٤٥)
چو ماه روی تو عکسی بر آفتاب انداخت (٤٥٢)
زهی بنای وزارت بجاه تو آباد (٤٧٢)
چیست[1] آن پیکر خمیده چو نون (٦٣١)
زهی سریر معانی نهاده بر گردون (٦٣٠)
طفل نهٔ چند از این دایهٔ نامهربان (٢٣٤)
پایۂ تخت این زمان با چرخ دارد همسری (٧٣١)
بیمن طالع و تائید لطف یزدانی (٧٣٣)
ای فتنۂ عقیق لبت آبدار لعل (٩٧٨)
ای نموده ز لبت لعل بدخشان گوهر (٩٩١)
محرم اسرار سلطان میر خوبان است و بس (٩٩٢)
تا هست جهان جان جهان شیخ علی باد (٩٩٣)
زهی ز پستہ شیرنیت شرمسار شکر (٩٩٤)
ای عنبر تو بر ماه متکا کرده (٩٩٦)
همای ماه رخت سایه بر جهان انداخت (٩٩٨)
باز دیگر باغ وبستان رونقی دیگر گرفت (٩٩٩)
بتم نقاب سمن را بمشک و ناب کند (٠٠١)
زلف آن ماه خم از چنبریلدا دارد (١٠٠٢)
حوری که آمد برارم خورای رضوان زیورش (١٠٠٤)

٢٧ــ محمود کرمانی سید ذوالفقار شروانی کا معاصر معلوم ہوتا ہے کیونکہ دونوں کے ممدوحین میں نظام الدین عمر کا نام ملتا ہے ۔ محمود کا صرف حسب ذیل قصیدہ « مونس الاحرار » میں موجود ہے ، مجھے یہ قصیدہ کہیں اور نہیں مل سکا ۔

[1] یہ چیستان تذکرۂ نصرآبادی ٤٩٣) میں اس عنوان سے نقل ہے : کلامی باسم انگشتری

ای ندیده چشم دولت مثل تو صاحبقران

دست پرور ، دشمن‌افگن، دادگستر ، عدل ران (۱۱۴۳)

۲۸—امیر مسعود کا حسب ذیل قصیدہ جو اس مجموعے میں نقل ہے ، مسعود سعد سلمان کے دیوان میں نہیں ہے - یہ در اصل امیر معزی کا ہے اور اس کے دیوان (ص ۷۰) میں موجود ہے :

ای زلف و عارض تو بہم ابرو آفتاب

با بوی مشک و رنگ بقم ابرو آفتاب (۹۱۱)

۲۹—معین‌الدین کا ایک قطعہ « مونس‌الاحرار » میں مندرج ہے جو مجدالدین ہمگر کو لکھا گیا تھا ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف معین‌الدین پروانہ ہیں جو ۶۷۵ھ میں آباقا کے دور میں قتل ہوگئے تھے - یہ قطعہ اس قطعہ سے جدا ہے جس میں معین‌الدین ، نورالدین رصدی ، افتخارالدین کرمانی اور شمس‌الدین صاحب دیوان نے انوری اور ظہیر کے تفوق کے بارے میں مجدالدین ہمگر سے استفسار[1] کیا تھا - قطعۂ مذکور یہ ہے :

صاحبا قرآن مجدت گر فرستی یک دو روز

کردم از آیات و الفاظ مجیدش مستفید (۱۳۴۳)

اس کا جواب بھی اس مجموعے میں موجود ہے (ص ۱۳۴۳)

۳۰—مولانا نسیمی ، نامی ایک غیر معروف شاعر کا ایک قطعہ اس مجموعے میں درج ہے :

ہنر باید از مرد نہ ریش وجامہ بود ریش و جامہ تماشای عامہ (۱۳۱۱)

ایران میں « مونس الاحرار » کا کوئی نسخہ دریافت نہیں ہو سکا ہے ، اور جاجرمی کے مجموعے کا پہلا حصہ چھپ چکا ہے ، اس بنا پر پیش نظر نسخے کے بابوں اور شاعروں کی فہرست بہت مفید ہوگی -

فہرست ابواب «مونس الاحرار» کلاتی :

۱ دیکھئے دولت شاہ ص ۱۶۶ - ۱۶۷

۲ اس سے پہلے ۸ صفحے میں دیباچہ اور فہرست ابواب ہے ، دیباچہ کی فہرست فارسی میں اور متن کی عربی میں ہے -

۳ دو قصیدے توحید کے یہاں نقل ہیں -

جن شاعروں کا کلام «مونس الاحرار» میں شامل ہے ان کی ایک فہرست شائع ہوئی جو ناقص اور نا مکمل ہے، ذیل کی فہرست میں اگرچہ بعض شاعروں کے نام داخل نہیں (نام نا معلوم ہونے کی بنا پر) پھر بھی یہ زیادہ قابل اعتبار ہے ـ بعض شاعروں کا کلام زیادہ ہے اور بعض کا محض برائے نام:

١ ابن مالو (کذا)[7]

٢ ابو الفرج رونی[8]

٣ ابو المعالی رازی

٤ اثیر الدین اخسیکتی

---

١ اس باب کا خاتمہ اور دوسرے باب کی ابتدا متعین نہیں ہے (اصلاح قیاسی) ـ نامعلوم مصنف نے ٣١٣ پر باب کا خاتمہ تجویز کیا ہے ـ

٢ اس کا خاتمہ اور گیارہویں کی ابتدا معلوم نہیں ہے ـ نامعلوم مصنف نے ٧٨٨ پر نئے باب کی ابتدا بتائی ہے

٣ خاتمہ ناقص ہے ـ

٤ اس باب کے ص ١١٩٤ بعد پر ٦ قصیدے (٢ سید حسن کے اور ٤ ظہیر کے) دوبار نقل ہوئے ہیں، (دیکھئے ص ٨٦٨ و ص ٨١٧ ـ ٨٢٣) ـ

٥ یہ باب پورا غائب ہے مگر نامعلوم مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا ـ

٦ اس کے بعد نسخہ بے ترتیب ہوگیا ہے، باب ٣٠ پہلے شروع ہوگیا، اور باب ٢٩ بعد میں، باب ٣٠ میں سے لغة الفرس بالکل حذف ہوچکا ہے ـ

٧ ١٧، ١٢، ١٤، ١٧، ١٨، ٢٠، ٢٢، ٢٥، ٢٦، ٣٠، ٣٣، ٤١، ٤٣، ٥٤، ٦٠، ٦١، ٦٣، ٦٨، ٧٦، ٨٥، ٨٨، ٨٩، ٩٥، ٩٦، یہ مطبوعہ مضمون کی فہرست میں شامل نہیں ہیں اس کے برخلاف تین شاعر زیادہ ہیں بہاءالدین، برہانی، فخرالدین اومکی (آخرالذکر عمیدالدین اومکی ہو ہے ـ

٨ فہرست میں سنجری غلط ہے

٥ ادیب صابر
٦ ادیب طبری
۷ ازرقی هروی
۸ اسدی طوسی
۹ امامی هروی
۱۰ انوری ابیوردی
۱۲ بدرالدین جاجرمی
۱۳ بدیع الزمان خواجگی
۱٤ بدیعی سیفی
۱۱ برهان الدین بزار
۱۵ ابوالفتح بستی
۱٦ پور بہاے جامی
۱۷ تاج الدین بخاری
۱۸ پور خطیب گنجه
۱۹ جمال الدین اشهری
۲۰ جمال الدین سمرقندی
۲۱ جمال الدین عبد الرزاق
۲۲ جمال الدین کاشی
۲۳ جوهری زرگر
۲٤ سید حسن غزنوی
۲۵ حمید الدین
۲٦ قاضی حمید الدین
۲۷ خاقانی شروانی
۲۸ سید ذوالفقار شروانی[۳]
۲۹ ابو نصر احمد الرافعی[۱]
۳۰ محمد الرافعی
۳۱ رشید وطواط
۳۲ رفیع لنبانی
۳۳ روحانی غزنوی
۳٤ شیخ روز بہان البقلی
۵۳ سعدی شیرازی
٦۳ سعید هروی
۳۷ سنائی غزنوی
۳۸ سوزنی سمرقندی
۳۹ سیف الدین نیشاپوری
٤۰ شمالی دهستانی
٤۱ شمس جاسی (کذا)
٤۲ شمس طبسی
٤۳ شهاب الدین سلیمان شاه
٤٤ شهاب مهمره
٤۵ صائن الدین شیرازی[۲]
٤٦ حکیم طرطری
٤۷ طیان ژاژ خاے
٤۸ ظهیر فاریابی
٤۹ عبدالرافع
۵۰ عبدالقادر نایني
۵۱ عبدالواسع جبلی
۵۲ قاضی عثمان بیرقی

---

۱ فہرست میں اردستانی غلط ہے ۔
۲ فہرست میں طالقانی غلط ہے
۳ اصل میں صابر الدین ہے ۔

٥٣ عثان مختاری
٥٤ عزالدین حسن
٥٥ عزالدین علوی[1]
٥٦ عزیز (ی)[2] مستملی
٥٧ عسجدی
٥٨ علی فتحی
٥٩ علی فرقدی
٦٠ عماد الدین
٦١ عماد الدین اکرم
٦٢ عمادالدین یوسف فضلوی
٦٣ عمادی شهریاری
٦٤ عمعق بخارائی
٦٥ عمید لومکی
٦٦ عنصری
٦٧ غضائری رازی
٦٨ فخر الدین رازی
٦٩ فخری اصفهانی
٧٠ فرخاری
٧١ فرید احوال
٧٢ فرید کاتب
٧٣ فیروز کاتب
٧٤ قطران تبریزی
٧٥ قوامی مطرزی
٧٦ کلاتی اصفهانی
٧٧ کلامی اصفهانی
٧٨ کمال اسماعیل
٨٩ لامعی جرجانی
٨ لولوی[3]
٨١ مجد الدین همگر
٨٢ مجیر بیلقانی
٨٣ محمود حطاط
٨٤ محمود کرمانی
٨٥ امیر مسعود (صح‌المیر معزی)
٨٦ مسعود سعد سلمان
٨٧ امیر معزی
٨٨ معین الدین (پروانه)
٨٩ مهستی گنجوی
٩٠ ناصر خسرو علوی
٩١ نجیب الدین جرباذقانی
٩٢ نسیمی
٩٣ نصیر ادیب
٩٤ نظام الدین
٩٥ نعمان سوری
٩٦ نور الدین مقدم

---

١ فہرست میں عزیز الدین ہے -
٢ فہرست میں عزیز الدین مشتملی مشتبہ ہے -
٣ فہرست میں واوالجی حکیم ہے جو متن سے مطابقت نہیں رکھتا -

تصحیحات و اضافے

ص ۲۰ س ۱۵ - ۱٦ : اهل نقطه کی پیروی میں الخ — صادقی بیگ کتابدار نے بھی اس رباعی سے اس کے باطل عقیدے کی طرف اشاره کیا ہے - « باین حال عقیده اش چنان است که از مضمون رباعی ذیل معلوم میگردد » الخ -

ص ۲۱ س ۳ - ٤ : میخانه دوباره ایران میں چند مزید نسخوں کی مدد سے بڑے اهتمام سے چھپ گیا ہے اس میں تشبیهی کا حال ص ۸۸۷ تا ۸۹۱ ہے -

ص ۲۲ س ۱۳ - ۱٤ : دیوان صوفی (نسخهٔ بانکی پور پٹنه) پر قاضی عبدالودود صاحب نے حال هی میں ایک مضمون لکھا ہے ، اس میں بہت سے اشعار کی نشاندهی کی گئی ہے جن سے اس کے نقطوی هونے کا استدلال کیا جا سکتا ہے - یه مضمون ابھی چھپا نہیں ہے -

ص ۲۸ س ۱ ببعد : اس بیان میں جن فرمانوں کا ذکر ہے ان کی صداقت مشتبه ہے -

ص ۲۸ س ۱۳ : ۱۰۰٤ کے بجائے ۱۰۰۲ پڑھئے -

ص ٤۳ س ۱۸ ، ۱۹ کا لعدم سمجھی جائیں -

ص ٤٤ س ۸ : التعرف لمذهب التصوف پڑھئے -

ص ٤٥ س ۱۸ : یه بیان آقاے حبیبی کے بیان سے ماخوذ ہے (دیکھئے ارمغان علمی ص ٦٤) -

ص ٤٦ س ۱٤ - ۱۵ : کلیات سنائی (نسخه دیوان هند) میں بھی سنائی کے خطوط شامل هیں (دیکھئے ص ۷۹) - کتابخانه بادلی کے نسخے میں بھی چار خط هیں -

ص ٤٦ س ۲۳ : نظم گزیده کا ایک نسخه پروفیسر سعید نفسی کے مطالعے میں ره چکا ہے جو متقدمین کے حالات کو تو یقیناً حاوی ہے ، معلوم نہیں که اس میں متاخرین کے حالات بھی هیں یا نہیں - علی گڑھ کا نسخه صرف متاخرین شعرا کے تذکرے پر مشتمل ہے -

ص ٤۷ س ۳ : اس پر راقم کا ایک مضمون معارف میں ملاحظه فرمائیے -

ص ٤۷ س ٤ : صیدنه پر راقم کا ایک مضمون « انڈوایرانیکا » ستمبر ۱۹٦۱ کے شمارے میں شامل ہے -

ص ۷۹ س ۱٦ : ان زاید اجزا سے متعلق راقم نے ایک مضمون « انڈوایرانیکا » میں شائع هونے کے لئے بھیجا ہے -

ص ۸۵ س ۱۵ : سید یوسف حسین مولوی (لکھنؤ) کے ذاتی نسخه میں بھی دیباچه شامل ہے -

ص ۸۷ س ۱۵ : دیوان جمالی کا ایک کامل نسخہ رامپور کے کتابخانے میں موجود ہے جو قصائد ، مراثی ، غزلیات ، قطعات ، ہجویات ، رباعیات اور چند چھوٹی نظموں پر مشتمل ہے -

ص ۸۹ س ٤ : اس مثنوی کے سارے معموں کو حل کرکے ڈاکٹر ہادی حسن سابق پروفیسر شعبۂ فارسی ، انگریزی زبان میں شائع کر رہے ہیں -

ص ۹۰ س ۱۳ : مراۃالمعانی کا ایک اچھا نسخہ رامپور کے کتابخانے میں ہے ، جمالی کی مشہور مثنوی « مہروماہ » کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتابخانے میں محفوظ ہے -

ص ۹۱ س ۱۲ : اس نسخے پر ڈاکٹر مختارالدین احمد نے مجلۂ علوم اسلامیہ میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے -

ص ۹۲ حاشیہ ۱۲ : مثنوی کے قدیم نسخوں کے لئے نکلسن کا مقدمہ مثنوی مطبوعہ (ج ۳) دیکھئے -

ص ۹۸ س ۱ : معلوم شاعروں کی تعداد ۹۵ ہے (دیکھئے ص ۱۹۳ _ ۱۹۰) -

ص ۹۸ س ۷ : ٤۲ کے بجائے ٤۹ پڑھئے (دیکھئے ص ۱٦٤ س ۱٦) -

ص ۱۰۱ بعد : اس مضمون میں زرتشی کے بجائے زرتشتی پڑھئے -

ص ۱۰٤ حاشیہ نمبر ۱ میں یو - پی کے ہوشنگ آباد کی اطلاع صحیح نہیں ہے -

ص ۱٦۷ س ۱۰ : پروفیسر نفیسی نے اس کو کلائی پڑھا ہے جو صحیح نہیں ہے - (ارمغان علمی ص ۱۲۷) -

ص ۱٦۹ س ۲۱ _ ۲۲ : یہ قصیدہ امیر معزی کا ہے جس کے ٥ شعر « المعجم فی معاییر اشعارالعجم » (ص ۳۳۳ _ ۳۳٤) میں نقل ہیں ، یہ قصیدہ علاوہ دیوان کے حبیب گنج کے ایک قدیم مجموعۂ قصائد (۲/ ٥۱) (ص ٥۳) میں موجود ہے -

ص ۱۷۰ س ۱۱ : « المعجم » میں اس کے دو شعر درج ہیں (ص ۳۳٥) -

ص ۷۳ س ۱ : برہان‌الدین بزاز کے ایک قصیدۂ مصنوع کا حسب ذیل مطلع « فرہنگ جہانگیری » (ج ۱ ص ۱۹۲) میں درج ہے - گمان غالب ہے کہ یہ وہی شاعر ہے -

شد ز لون مختلف چون‌خانہ صاغ باغ راغ   زاغ برون شد ز باغ وماند اندر کاغ کاغ

ص ۱۷۳ س ۱٦ _ ۱۷ : یہ شبہہ غلط ہے نظام‌الملک آصف ثانی محمد سے نظام‌الملک قوام‌الدین محمد بن ابوسعد جنیدی مراد ہے ، اس کا بیٹا نہیں - اس لئے کہ آخرالذکر افضل محمد بن محمد جنیدی کہلاتا تھا (دیکھئے ص ۱۷٥ ، ۱۷٦ ، ۱۷۸)

تاج‌الدین ریزہ نے اسی طرح خطاب کیا ہے :

آصف ثانی نظام‌الملک دستور جہان   کز کمال کامگاری چو سلیمان آمدہ است

صاحب عالم قوام‌الدین محمد کز شرف   چو محمد زبدۂ ترکیب ارکان آمدہ است

محمد عوفی نے «جوامع الحکایات» میں متعدد جگہ اسی القاب کو لکھا ہے -

یعنی که تیغ آصف ثانی نظام ملک ‏ دستور شاه قلعهٔ بکر بکر گشاد

سلطان نشان محمد بو سعد آنک تیغ ‏ بر رخ ز رشک کلکش سلک گهر گشاد

نظام ملک محمد قوام دولت و دین ‏ که مصر جامع دین را ز رای اوست حصار

نظام ملک و سپهر کرم قوام الدین ‏ که کرد بذل کفش خستهٔ سینهٔ کان را

محمد بن ابی سعد صاحبی که دهد ‏ برای قوت نشو و نما مر ارکان را

آصف ثانی سپهر فرخنده نظام الملک آن ‏ کاسمان گشت پی خدمت او پشت دو تاه

آن جنیدی نسب و خلق که از راه کرم ‏ اوست بر جمله اکابر بمثل خسرو شاه

ص ۱۷٤ س ٦ : یہ گمان بالکل غلط ہے - یہ تاج الدین ریزہ ہے جس کا کلام دیوان انوری میں شامل ہوگیا، جس کی طرف سب سے پہلے پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے توجہ دلائی - («تنقید شعر العجم» ص ۲۹۱ تا ۲۹٦) - آغا عبدالستار خاں نے بھی «اسلامک کلچر» بابت جولائی ۱۹٤۰ میں نہایت مفید مضمون لکھا ہے - پروفیسر سعید نفیسی کے مرتبهٔ دیوان انوری میں سے کچھ ضرور خارج ہوئے ہیں لیکن ابھی اس میں کچھ شامل ہیں - راقم نے بھی اس سلسلے میں ایک مضمون لکھا ہے جو «فکر و نظر» میں شائع ہو رہا ہے -

ص ۱۷۳ س ۱۷ : اس قصیدے کی ایک بیت «فرہنگ جہانگیری» ج ۱ ص ٤۷۱ پر نقل ہے -

ص ۱۷٤ س ۹ : شہاب مہمرہ کے ۵ متفرق اور زائد اشعار «فرہنگ جہانگیری» میں درج ہیں - دیکھئے ج ۱ ص ۳۳۱، ۳۸۹، ٤۹۹، ج ۲ ص ۷۷، ۱۲۸

ص ۱۷۵ س ۲ : یہ قصیدہ دیوان اور «المعجم فی معاییر اشعار العجم» (۳۳۳) میں مجیر بیلقانی کے نام درج ہے، اس بنا پر اس کو عزالدین کی ملک نہیں سمجھا جاسکتا -

ص ۱۷٦ س ۲۲ : عمید کی نسبت تولکی بھی ملتی ہے - اس کے ۷٦ متفرق اشعار «فرہنگ جہانگیری» میں مختلف لغات کی سند میں پیش کئے گئے ہیں - ان میں کافی ایسے ہیں جو تاریخوں اور تذکروں میں نہیں ملتے - اس سے عمید کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے -

ص ۱۷۹ س ۹ : حکیم طرطری کی ٦ زائد ابیات «فرہنگ جہانگیری» میں نقل ہیں (ج ۱ ص ٤۷، ۷۲، ۸۱، ۱۲۹، ۲۳۱، ٤۱۲) اور ایک جگہ (ص ۲۳۱) پر اسے قہستانی لکھا ہے -

ص ۱۸۰ س ۱۳ : «فرہنگ جہانگیری» میں حکیم ولولی (صح.دیولی) کی بیت نقل ہیں (ج ۱ ص ۱۰۱، ۱۳۰، ۱۳۳، ۳۱۹، ج ۲ ص ۱۲۹) - ان میں تین ابیات پہلے قصیدہ کی اور ایک دوسرے کی، بقیہ تین زائد ہیں - گویا صاحب «فرہنگ» کے نزدیک دوسرا قصیدہ حکیم ہی کا ہے - دوسرے قصیدے کا جو شعر یہاں درج ہے وہ دیوان مسعود سعد سلمان (ص ۲۷) میں بھی موجود ہے -

ص ۱۸۳ س ۱٤ : ادیب کے اس قصیدے کے تین شعر « لباب الالباب » عوفی (چاپ نفیسی ص ۳٤) میں امیر منصور بزر جمہر قسیم بن ابراهیم قاینی کے تحت درج هیں بقول عوفی سلطان محمود کی مدح مین لکھے گئے تھے - لیکن تعلیقات « لباب الالباب » (ص ۷۷۰) میں پروفیسر سعید نفیسی نے بعض بیاضوں کے حوالے سے اس قصیدہ کو ادیب نطنزی کی طرف منسوب کیا ہے - پروفیسر موصوف نے اس موضوع پر اپنے ایک الگ مقالے کا حوالہ دیا ہے جو « مجله ارمغان » سال هشتم شماره ۱ میں شائع هوا تھا - اس قصیدہ کی ایک بیت (جس کا پہلا مصرع مختلف ہے) بغیر تعین شاعر قیس رازی نے « المعجم » (ص ۳۳۵) میں نقل کی ہے -

ص ۱۸۳ س ۱۹ : اس قصیدہ کے ایک شعر کے لئے دیکھئے « فرهنگ جهانگیری » ۲ : ٦٥

ص ۱۸٤ س ۱ - ۲ : اس قصیدے کی دو بیت « فرهنگ جهانگیری » (۱ : ۲۲۲ ، ۲ : ۲۳۸) میں درج هیں -

ص ۱۸٤ س ۲۱ : یه قصیده « عرفات عاشقین » (نسخۂ حبیب گنج ص ۸۸) میں حکیم ناصر رافعی کے ذیل مین درج هے اور ایک بیت « فرهنگ جهانگیری » (۱ : ٤۱۳) میں بھی موجود ہے -

ص ۱۸٦ س ٥ : شمس جاسی کا یہی قطعه « عرفات عاشقین » (ص ۲۲۹) میں نقل هے -

ص ۱۸۷ س ۱ : پروفیسر سعید نفیسی نے طیان ژاژخا کو چوتھی صدی کا اور طیان بمی کو چھٹی صدی کا شاعر بتایا هے (تعلیقات « لباب الالباب » ص ٦۲٥) - « فرهنگ جهانگیری » میں طیان ژاژخا کے ذیل میں دو بیت (۱ : ٤٤۳ ، ۲ : ۲۰۲) اور طیان بمی کے تحت ایک بیت (۱ : ۲۸۱) درج هے -

ص ۱۸۸ س ۱۰ : پہلے قصیدہ کی ایک بیت حکیم علی فرقدی جرجانی کے تحت « فرهنگ جهانگیری » (۲ : ۳۱۱) میں درج هے -

ص ۱۸۸ س ۱۸ : عزیز مشتملی کے تحت « فرهنگ » (۱ : ۱۸۷) میں یه شعر درج هے

زخم خوردن بکا جک اندر رزم خوشتر از طعنۂ عدو صد بار

ص ۱۸۹ س ۲۰ : فیروز کاتب کی حسب ذیل بیت « فرهنگ جهانگیری » (۱ : ٤۲۱) میں نقل هے :

مختفی گشته تیر در ریشش چون بزغ در بزغمۂ پنهان

ص ۱۹۳ س ۱۸ : ابن مالو کے نام جو قطعه « مونس الاحرار » میں آیا هے اس کی ایک بیت « فرهنگ جهانگیری » (۱ : ۱۲۱) میں ابن بانو کے تحت نقل هے -

ص ۱۹٥ نمبر ۸٥ : صحح امیر معزی پڑھئے -